طلوعِ اسلام

حصّہ 1

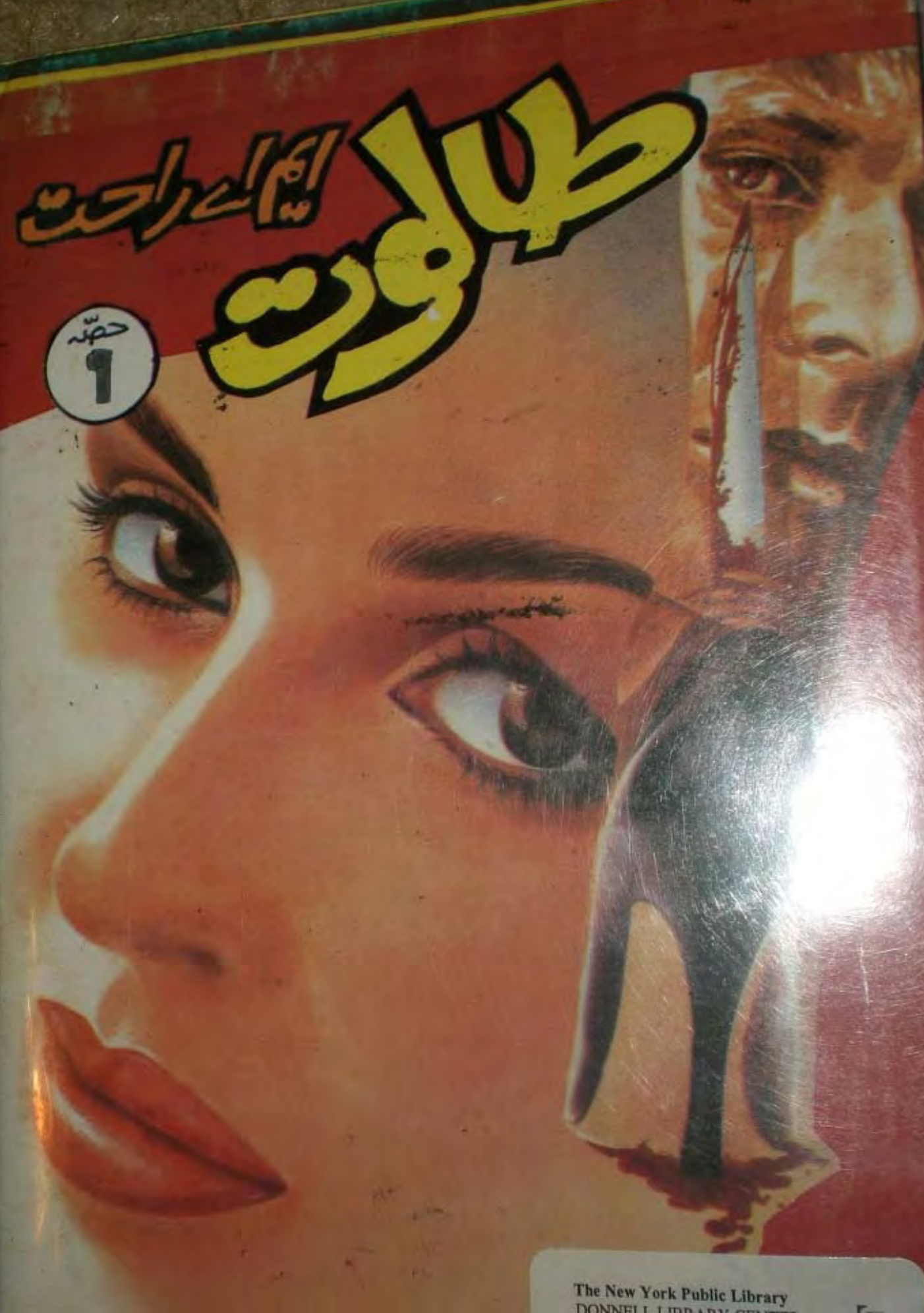

The New York Public Library
DONNELL LIBRARY CENTER

Talut *Part 1*
By: M.A.Rahat
Price P.B. : Rs.40/=
Price H.B. : Rs.60/=
Edition : 2000
KITAB WALA
2794, Gali Jhot Wali,
Pahari Bhojla, Delhi-110006
Ph.: (O)328 1499, (R)2293249

نام ناول : طالوت (حصہ اوّل)
مصنف : ایم۔اے۔راحت
سن اشاعت : ۲۰۰۰ء
قیمت رف : =/۴۰ روپے
قیمت مجلد : =/۶۰ روپے
مطبوعہ : فائن آفسیٹ پریس، شاہدرہ، دہلی۔32
ناشر : کتاب والا 2794، گلی جھوت والی،
پہاڑی بھوجلہ، دہلی۔110006

دیوار

برلکے ہوئے کلاک نے ٹھٹھک کے آٹھ گھنٹے لیکن اس کی سوئیاں ساڑھے نو کے ہندسے بتا رہی تھیں۔ وہ بے زبان کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور میں نے گھبرائے ہوئے والی نگاہوں سے کلاک کی طرف دیکھا۔ اس کمبخت کو بھی اسی وقت مذاق سوجھا تھا۔ جاڑوں کا ٹھیک آٹھ بجے میں اپنے فلیٹ میں داخل ہوا تھا اور ساڑھے نو بجے اللہ بخشے مسز کا بیرہ یسٹ رینٹ کھانے کو آیا تھا۔ ٹھیک گیارہ بجے میں نے اپنے ایک بینکے ریڈیو سے رات کی خبریں سنی تھیں۔ تقریباً بارہ بجے میں بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور ایک گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد بھی نیند نہ آئی پڑا ٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر نہ جانے کتنی دیر تک میں نے زرینہ کو ایک لفافہ بھر خط لکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن پیڈ کا آخری کاغذ بھی پھاڑنے کے باوجود خط نہ لکھ سکا تھا۔ تب خط لکھنے کا ارادہ ملتوی کر کے میں کچھ اور سوچنے لگا تھا۔ اور اس وقت سے اب تک مسلسل سوچ رہا تھا۔ ہائی لائٹ کے تین پیکٹ میں آخری سگریٹ دبگی گویا میں نے سوچ بچار میں پوری بیس سگریٹیں پھونک ڈالی تھیں اور اتنی سگریٹیں پینے میں کم از کم دو گھنٹے ضرور لگے ہوں گے۔ لیکن یہ کمبخت کلاک آٹھ بجا رہا تھا اور اس کی سوئیاں ساڑھے نو کے ہندسے پر تھیں۔!

لیکن کلاک بھی کیا کرتا۔ وہ اپنی الرکی آخری منازل میں تھا۔ یہ کیا کم تھا کہ اس بڑھاپے میں بھی وہ جب توفیق اپنا فرض ادا کر رہا تھا۔ اس کی کیفیت ایک فرض شناس لیکن ضعیف پہریدار کی سی تھی جو دن کے بارہ بجے بھی آنکھوں کی جھپکن میں چونک کر جاگتا رہتا ہے تاکہ وہ تمام تر غلطی اسی کی وقتی میں نے کبھی اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ کبھی اس کا منہ چمکدار تھا۔ گھنٹے کے اوپر شیشے پر سنہرے نقش و نگار بنے ہوئے تھے لیکن اب سرے سے شیشہ ہی غائب تھا۔ گرد اور میل کچیل سے قیمتی چمکدار گھنٹے کا رنگ جل گیا تھا۔ دونوں حصوں میں کڑیاں آباد ہو گیا تھا اور مکڑیوں کے رہنے خانہ ان اس سکون و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ البتہ جب کبھی اس کا گھنٹہ بجتا تھا تو بھی بھی چھوٹے چھوٹے پنکھ پھڑپھڑا کر خوفزدہ ہو کر باہر نکل آتے اور دیوار پر ادھر اُدھر دوڑنے لگتے لیکن پھر اپنے کلاک والے گھر میں بھاگ بھاگ کر واپس چلے جاتے اور جالا بننے کی تکنیک کرتے۔ سیاہ اور چمکدار سوئیاں ڈھیلی ہو کر رہ جاتی تھیں وہ اس شریر گھنٹے کا ساتھ نہ نبھا پاتی تھیں اور جب وہ دن کے بارہ بجا رہا ہوتا تو سوئیاں بلندی سے پستی میں آ پڑتیں اور ساڑھے چھ بج جاتے۔ چنانچہ کلاک کو بے نصوص قرار دے کر میں پھر غور و خوض میں مصروف ہو گیا۔

کیا کرنا چاہیئے۔ سرور اختر بیگ نے مجھے شکست فاش دی تھی۔ اور بے اطمینانی نے مجھے تین سال تک معتوب بنائے رکھا تھا۔ اس سے بہتر تو انجلا تھی۔ اگر اس کی دونوں آنکھیں ایک وقت مختلف سمتوں میں نہ دیکھتی ہوتیں اور ٹھوڑی پر پڑے ہوئے کا نشان نہ ہوتا تو وہ زیرہ سے کہیں خوبصورت تھی۔ اس کا قد زرینہ سے کہیں اچھا تھا۔

...ہوئے کہا۔ "نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہونا چاہیے۔ ہم دونوں کی زندگی کا ایک بڑا حصہ ایک دوسرے سے الگ گزرا ہے۔ ہم ایک دوسرے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جان لیں تو بہتر ہے۔"

"ہاں۔ یہ بات تو ہے۔" نذیر نے کہا۔ "لیکن ہم ایک دوسرے کو جان لیں گے تو کیا ہو جائے گا؟"

"ہم ایک دوسرے کو پسند کرنے لگیں گے۔" انعام نے کہا۔

"اور اگر ہم ایک دوسرے کو پسند نہ کریں تو؟" نذیر نے پوچھا۔

"تو ہم ایک دوسرے کو ناپسند کرنے لگیں گے۔" انعام نے جواب دیا۔

"اور اگر ہم ایک دوسرے کو ناپسند کرنے لگیں تو؟" نذیر نے پوچھا۔

"تو ہم ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں گے۔" انعام نے کہا۔

"اور اگر ہم ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں تو؟" نذیر نے پوچھا۔

"تو ہم ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔" انعام نے کہا۔

"اور اگر ہم ایک دوسرے کو قتل کر دیں تو؟" نذیر نے پوچھا۔

"تو ہم دونوں مر جائیں گے۔" انعام نے کہا۔

"اور اگر ہم دونوں مر جائیں تو؟" نذیر نے پوچھا۔

"تو ہم دونوں کو دفن کر دیا جائے گا۔" انعام نے کہا۔

"اور اگر ہم دونوں کو دفن کر دیا جائے تو؟" نذیر نے پوچھا۔

"تو ہم دونوں کیڑوں مکوڑوں کی خوراک بن جائیں گے۔" انعام نے کہا۔

"اور اگر ہم دونوں کیڑوں مکوڑوں کی خوراک بن جائیں تو؟" نذیر نے پوچھا۔

"تو ہم دونوں کا کچھ بھی نہیں رہے گا۔" انعام نے کہا۔

"اور اگر ہم دونوں کا کچھ بھی نہیں رہے گا

رات گئے تک میں زرینہ کے لئے کوئی پروگرام تو نہ بنا سکا تھا لیکن ایک بات مجھے اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی۔ وہ یہ کہ زرینہ کے لئے میرے دل میں جو جذبات تھے وہ محض ہمدردی کے نہیں تھے۔ میں اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ یہ محبت کیا ہوتی ہے، اس کے بارے میں میرا علم بہت محدود تھا۔ میں نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ محبت کرنے والے ایک دوسرے کے لئے جان تک دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ میں نے زرینہ کے لئے ایسا کوئی جذبہ محسوس نہیں کیا تھا۔ میں اس کے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ اس کے دکھ درد بانٹنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے کچھ کر گزرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے جان دینا چاہتا تھا۔ یہ سب کچھ میں نے کتابوں میں پڑھا تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ یہ محبت ہی ہو گی۔

اگلے دن میں زرینہ کے گھر گیا تو اس کی ماں نے بتایا کہ وہ ابھی تک سو رہی ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس کے کمرے میں جا کر اسے جگا دیتا ہوں۔ اس کی ماں نے کہا کہ وہ اسے خود جگا لے گی۔ میں نے اس کی ماں س

دیکھ رہے تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ انہیں ان کے لئے بھی تھکنا ہے تھا۔ اب انہوں نے دولت حاصل کرنے کی جو بھی ترکیب سوچی تھی اس میں ان کی شمولیت کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اگر کسی کو اس میں دلچسپی تھی تو وہ صرف ایک تھا۔ اگر کسی کی توجہ اس طرف تھی تو وہ صرف ایک تھا۔ اگر کسی کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں تو صرف ایک پر۔ وہ تھا۔ ۔ ۔

شروع کر دیا۔ میں نے جیب سے روپے نکالے اور ایک ایک روپے کے نوٹ گننے لگا۔ پہلے دو نوٹوں پر ہی اس کی نظریں جم گئیں۔ اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر نوٹ چھین لیے۔ اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔ وہ نوٹوں کو بار بار دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ میں نے اپنی جیب سے ایک اور روپے کا نوٹ نکالا اور اس کے سامنے لہرانے لگا۔ اس نے نوٹ کو دیکھا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے نوٹ لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا تم مجھے ایک ٹیکسی لا دو گے؟"

"ٹیکسی؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "ٹیکسی یہاں کہاں ملے گی؟"

"کیا یہاں ٹیکسی نہیں آتی؟"

"کبھی کبھی آ جاتی ہے۔ لیکن اس وقت تو کوئی ٹیکسی نہیں ہے۔"

"کیا تم ٹیکسی کا انتظام نہیں کر سکتے؟"

"کوشش کر سکتا ہوں۔ لیکن ٹیکسی ملنا مشکل ہے۔"

"کوشش کرو۔ میں تمہیں اس کوشش کے لیے بھی روپیہ دوں گا۔"

"اچھا۔" اس نے کہا اور پھر تیزی سے ایک طرف چل پڑا۔ میں نے اس کو آواز دی۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"ٹیکسی لینے۔" اس نے کہا۔

"میں بھی چلتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"آئیے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

میں کسی لٹیرے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلا۔

"بڑا ضروری کام ہے خان صاحب۔ میرے ایک روپیہ زیادہ لے لینا۔"

"اوہ جناب۔ تم لوگ بہت پریشان کرتے ہو۔" وہ نیم راضی ہو گیا۔ اور میں۔ اس کی ٹارچ جلا کر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ٹیکسی نئی تھی۔ میں نے ڈرائیور صاحب کو پورا کرایہ ادا کر کے اس سے ایک زائد روپے کے آٹھ نوٹ لے لیے۔ ٹیکسی دوڑ پڑی۔ جب ٹیکسی دور نکل گئی تو میں نے دزدیدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور کسی ایسی گاڑی کو تلاش کرنے لگا جس نے مجھے ٹیکسی سے اترتے دیکھا ہو۔ ایک دوسری ٹیکسی کو اشارہ کیا جو ایک ہوٹل کے سامنے کھڑی تھی۔ یہ ڈرائیور بہت شریف تھا فوراً آ گیا اور میں دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

"اسٹیشن۔" میں نے کہا اور ٹیکسی چل پڑی۔ پلیس سینما سے اسٹیشن کا زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ ٹیکسی چند منٹ میں وہاں پہنچ گئی اور میں نیچے اتر گیا۔ میں نے اس شریف ڈرائیور کو بھی ایک فیصد زیادہ کرایہ دیا۔ پھر ٹیکسی لیے ہوئے اسٹیشن کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ پلیٹ فارم پر لگی ہوئی گھڑی میں میں نے وقت دیکھا۔ دو بجے تھے۔ گویا ابھی ٹرین کی روانگی میں بارہ منٹ تھے۔ میں نے دو تین گہری گہری سانسیں لیں۔ یہ بارہ منٹ بہت طویل محسوس ہو رہے تھے ایسے میں اس دوران مجھے کھلے عام نہیں رہنا چاہیے۔ ایسے موقعوں پر خطرہ کو بھانپ جانے والے ٹکرا جاتے ہیں۔ چنانچہ میں فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم کی طرف بڑھ گیا راستے میں میں نے ایک اخبار خرید لیا۔ پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ منہ چھپانے کے لئے۔ اور پھر میں ویٹنگ روم میں جا کر بیٹھ گیا۔ یہاں کسی میں نے مڑ کے پیچھے دیکھا تھا۔ اور اخبار کھول کر چہرے کے سامنے کر لیا تاکہ کوئی مجھے دیکھ نہ سکے۔

میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں مفلوج ہوئے جا رہے تھے۔ لیکن اگر میں خود کو نہ سنبھالتا تو ہمیشہ کے لئے ڈوب جاتا۔ اس احساس کے تحت میں نے خود کو سنبھالا۔ لیکن اس وقت میں اپنے جسم کی لرزش قابو نہ پا سکا جب میں نے ایک پولیس آفیسر کو دو آدمیوں کے ساتھ اندر آتے دیکھا۔ چوڑی موچھوں والا یہ پولیس آفیسر مجھے اپنا شکار کرنے آیا تھا۔ اخبار میرے ہاتھ میں لرزنے لگا۔ اور آنکھیں بند ہونے لگیں۔

"اب نکل کر کہاں جائے گا سالا۔ چوہدری صاحب کو اطلاع دو۔" افسر کی بھاری آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"اچھا تو گیلا ہاتھ دیتا ہے۔ اگر وہ بھاگ گیا تو پھر کون ذمہ لے گا۔" ایک ممیاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"آپ فکر نہ کریں جناب۔ پولیس مستعد ہے۔"

پولیس مستعد ہے۔ میں نے دہرایا۔ میں چلنے کے لئے اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ میری قسمت نہ سہی۔ اپنا ہمدرد انہیں دیکھ سکوں۔ دل تھا کہ سینے کا پنجرہ توڑ کر باہر نکل آئے۔ میں نے ہمت کر کے اخبار ہٹایا۔ کیا کروں اب۔ کیا بھاگ کھڑا ہوں۔ کیا گولی چلا کر راستہ نکالوں۔ یا پھر پولیس افسر کے پیروں پر گر پڑوں کہ ایک بار غلطی ہو گئی اب ایسا نہ کروں گا اور سب کچھ اسی دروازہ افتر بیگ اور ٹیکسی کی وجہ سے ہوا ہے۔ کوشش میں انجینئر سے ہی غلطی ہوئی تھی۔ میرے خیالات الٹ گئے کہ دماغ کے کسی گوشے میں ایک خیال ابھرا۔ اتنی جلدی پولیس کا یہاں پہنچ جانا ممکن نہیں ہے اور پھر وہ ممیاتی آواز پہچانی سی تھی۔ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ میں خواہ مخواہ خوفزدہ ہو رہا ہوں۔ اگر میری اس خود سپردگی کو پولیس افسر نے نوٹ کر لیا تو میں اس کی نظروں میں مشکوک ہو جاؤں گا اس طرح میں خود اپنی موت کو آواز دے رہا تھا۔

ایک بار پھر میں نے زبردست کوشش کر کے خود کو سنبھالا۔ جسم کی لرزش پر قابو پایا۔ اسی وقت باہر سیٹیوں کا زبردست شور سنائی دیا اور پولیس افسر حرکت میں پڑا۔

"آیئے دیکھیں۔" اس نے جلدی سے کہا اور وہ سب تقریباً دوڑتے ہوئے باہر نکل گئے۔ میں نے خدا کی اس بروقت مدد پر اس کا شکر ادا کیا اور خود بھی بریف کیس اٹھا کر باہر نکل آیا۔ پلیٹ فارم کی گھڑی میں اب دو منٹ گن کر پانچ منٹ ہو چکے تھے۔ ٹرین بھی پلیٹ فارم پر لگ گئی تھی۔ اس وقت میرے لئے عافیت کی جگہ ٹرین کا کوپارٹمنٹ تھا۔ میں فرسٹ کلاس کوپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اس دوران میں نے پلیٹ فارم کے آخری حصے میں پولیس والوں کی بھاگ دوڑ دیکھی تھی۔ اور پھر بوکھلائے قدموں سے میں فرسٹ کلاس کوپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا۔

ایگزیکٹو شنڈ کوپارٹمنٹ کی ایک سیٹ پر بیٹھ کر میں نے اس

طرف گھومنا شروع کر دیا۔ میں نے بھی اس کی طرف دیکھا اور اب میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ "کیا ہے بھئی۔" ایک بار پھر میں نے اپنی جیب سے نوٹ نکالے۔ اس نے نوٹ لے کر جیب میں رکھ لیے اور میں نے اس کی ٹارچ لے لی۔ ٹارچ لے کر میں نے اس کی روشنی اس کے چہرے پر ڈالی۔ "تم نے میرا چہرہ دیکھا ہے۔ میرا حلیہ بھی نوٹ کر لیا ہے۔ اگر میں پکڑا گیا تو تمہیں بھی گواہی دینا ہو گی۔ سمجھے۔" میں نے اس کو دھمکایا۔ "جی صاحب۔" وہ ہکلایا۔ "میں کچھ نہیں کہوں گا۔ میں تو بھول جاؤں گا۔" "ہاں بھول جانا۔" میں نے کہا۔ "ورنہ تمہارا بھی وہی حشر ہو گا جو ٹیکسی ڈرائیور کا ہوا ہے۔" میں نے ٹارچ اس کی طرف پھینکی اور تیزی سے پلیٹ فارم کی طرف بھاگا۔ ٹرین چلنے ہی والی تھی۔ میں نے ایک ڈبے کا ہینڈل پکڑا اور اس پر لٹک گیا۔ ٹرین نے رفتار پکڑ لی۔ میں نے ہینڈل چھوڑ دیا اور پائدان پر کھڑا ہو گیا۔ ٹرین کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ میں نے ہینڈل پکڑ کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ ڈبہ خالی تھا۔ میں نے سکھ کا سانس لیا۔ اس کوپارٹمنٹ کی کھڑکی بند تھی۔ میں نے کھڑکی کھولی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کھانے لگا۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ میں نے اپنی جیب سے ایک اور روپے کا نوٹ نکالا۔ اس وقت اس کی بہت اہمیت تھی۔ اس کی بدولت میں اپنی جان بچا کر آیا تھا۔ میں نے نوٹ کو دیکھا۔ اس پر ٹیکسی ڈرائیور کا نام اور پتہ لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کا نام اور پتہ ذہن نشین کر لیا۔ پھر میں نے نوٹ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھڑکی سے باہر اڑا دیا۔ اس کے بعد میں نے اپنی جیب سے ایک اور روپے کا نوٹ نکال

ڈبیل والی بات کا یقین دلانے کی کوشش کی جو اپنی تمام تر سنگینی کے باوجود ناقابلِ یقین حد تک مضحکہ خیز تھی۔ مجھے احساس نہ تھا کہ میں اس قدر بدحال ہوں۔ یا پھر شاید گزشتہ چوبیس گھنٹے کے بعد ہر انسان کی ایسی ہی حالت ہوتی ہو۔ ورنہ یہ نہیں کہ عام شکل بدل جاتی ہے۔ شکر تھا کہ اس کیرکٹر شن سے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔! لیکن میری یہ خوش نصیبی زیادہ دیر قائم نہ رہی۔ ایک موٹے تھے سے صاحب کیرکٹر کاؤنٹر کھول رہے تھے۔ پھر انہوں نے ایک ایک کر کے تین چار کھڑکیوں کو اوپر چڑھایا۔ اس کے بعد عورتوں کی باری آئی۔ پشر لگائے شال اوڑھے ایک بڑی بی اندر داخل ہوئیں۔ پھر ایک نصیبا لڑکی عورت اور پھر دو تین کم عمر لڑکیاں۔ ان لڑکیوں کے چہروں سے شرارت ٹپک رہی تھی اور چہرے دھلے ہوئے صاف۔ اندازہ ہوا کہ یہ لوگ سب نے ہماری باری بچے گھر والے کسی بچے کو دیکھنے آئے ہوں۔ اور پھر موٹے صاحب نے نفرت بھری نظروں سے مجھے دیکھ کر سامنے کی سیٹیں سنبھال لیں۔ قلیوں نے ان کا حکم سامان اندر پہنچا دیا تھا۔ میں نے کھڑکی سے سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ میرا سر بہت خشک ہو رہے تھے اور میں گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ پھر جب مجھے گاڑی کھسکنے کا احساس ہوا تو میری جان میں جان آئی۔ دل کا بوجھ صاف نکل آنے کی خوشی بھی برداشت نہ کر پایا تھا اور میرا سر بھاری ہو گیا تھا۔!

ٹرین نے رفتار پکڑ لی۔ اور میں اسی طرح خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا رہا۔ میرے ذہن میں بے شمار خیالات آ رہے تھے۔ میں کس طرح اس نامراد دل پر قابو پانے میں کوشاں تھا کہ سیٹ کے کونے میں بیٹھے والی بڑی بی کی آواز گونجی۔

"تمہاری طبیعت کچھ خراب ہے بیٹے۔؟" شاید مجھے ہی مخاطب کیا گیا تھا۔ میں اس مخاطب پر چونک پڑا۔ لیکن میں نے آنکھیں نہیں کھولیں اور بڑی بی کے جواب کا انتظار کرتی رہیں۔ پھر کسی نے بولیں۔

"الحمد للہ۔ دیکھو تو اس بچارے کو مجھے تو یہ معصوم سا لگتا ہے۔"

"اونہہ۔ ہو گا خالہ جان۔ آپ تو خوامخواہ ہر ایک سے ہمدردی جتانے بیٹھ جاتی ہیں۔" یہ موٹے صاحب کی آواز تھی۔

الو کا پٹھا۔! میں نے دل ہی دل میں کہا۔ لیکن آنکھیں نہیں کھولیں۔ بہرحال ان لوگوں کی گفتگو سے مجھے اتنا فائدہ ضرور ہوا تھا کہ میرے خیالات بٹ گئے تھے۔

"بھئی انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے۔ رشدہ۔ تم دیکھو ذرا!"

"جی اچھا۔!" ایک نوجوان لڑکی نے کہا اور میرے دل پر چھریاں چل پڑیں۔ ایک نوجوان لڑکی مجھے دیکھنے آ رہی تھی۔ کیسے دیکھے گی۔

ہوتا رہا تھا۔ بہرحال میں نے اپنی حالت بہتر ہوتی محسوس کی۔ خیالات بٹ گئے تھے۔ لڑکی میرے پاس پہنچ گئی اور میں نے آنکھیں بند کئے کئے فیصلہ کر لیا کہ ان سے کیا گفتگو کروں گا۔ تب لڑکی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"کیا آپ سو رہے ہیں جناب۔؟"

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میری آنکھوں میں مسکراہٹ کے جذبات تھے۔ میں نے کمزور آواز میں کہا۔ "پانی۔ اگر ایک گلاس پانی مل جائے تو۔۔۔!"

"ابھی۔ ایک منٹ۔!" لڑکی نے جلدی سے کہا اور پھر اس نے پلاسٹک کے چھوٹے صراحت کے ایک تھرماس سے پانی گلاس میں انڈیلا اور لے کر میرے پاس آ گئی۔ درحقیقت پانی کی شدید ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ یہ چند لمحات ایسے گزرے تھے کہ بس۔ میں خود بھی خود کو بچوں کا کم عمر سمجھنے لگا تھا۔ میں نے پانی پیا اور جان میں جان آئی۔ گاڑی کی تیز رفتار مجھے سکون بخش رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

لڑکی گلاس لے کر اپنی سیٹ پر جا بیٹھی تھی۔ سب ہی میری طرف متوجہ تھے۔ بڑی بی کی آواز پھر ابھری۔ "کیا تم بیمار ہو بیٹے۔؟"

"جی۔!" میں نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں دل کا مریض ہوں۔ ٹرین میں بیٹھتے وقت طبیعت ٹھیک تھی۔ لیکن پھر حالت بگڑنے لگی اب ٹھیک ہوں۔" میں نے پروگرام کے تحت کہا۔ تاکہ یہ لوگ میری طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

"آہ۔ اس مرض نے نوجوانوں کو بھی نہیں بخشا۔ میں بھی دل کی مریضہ ہوں بیٹے۔!"

"یہ مرض تو بے ہی نوجوانوں کا تھا۔" ایک لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ اور بڑی بی آنے گھورنے لگیں۔ درمیانی عمر کی عورت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ البتہ اس سانولی نما انسان یا انسان نما سانولے کا چہرہ سپاٹ! جیسے وہ بہرہ ہو۔

"کس کا علاج کروا رہے ہو بیٹے۔؟" بڑی بی نے پھر مجھ سے پوچھا۔

"کوئی خاص نہیں۔" میں نے کہا۔

"اچھا ہے۔ علاج کروا لیتے۔ ابھی جوان ہو۔ اللہ شفا دے ابھی سے جوانی کو روگ لگ جائے گا۔"

"جوانی تو ایک روگ ہے۔" اسی لڑکی نے پھر کہا۔ اور میں نے چونک کر اس لڑکی کو دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ لڑکی [illegible]

[illegible]

ایک کتاب اٹھا کر آنکھوں کے سامنے کر لی۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ویسے میں سوائے اس لڑکے کے اس پورے خاندان کا "بیمار" تھا۔ میں نے میز اپنی بانٹ دیا تھا اور وہ خوف جو میرے اعصاب پر چھا گیا تھا وقتی طور پر دب گیا تھا۔!

"تم خیال نہ کرنا بیٹے۔ ان کمبختوں کی زبان بے قابو ہے۔ ہر وقت بکواس کرتی رہتی ہیں۔ وقت دیکھتی ہیں نہ موقع۔!" بڑی بی نے کہا پھر پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے۔؟"

"راشد۔" میں نے شرارتاً اور مصلحتاً کہا۔ شرارتاً اس لئے کہ ان میں سے ایک کا نام راشدہ تھا۔ اور مصلحتاً اس لئے کہ اپنا نام بتانا ضروری نہیں تھا۔!

"اچھا۔ میری ایک بچی کا نام بھی راشدہ ہے۔ کہاں جا رہے ہو راشد میاں۔؟"

اور میں نے ایک دور دراز اسٹیشن کا نام لے دیا۔

"وہاں تمہارے عزیز ہیں۔؟"

"جی نہیں۔ میں تنہا ہوں۔ ایک کاروباری سلسلے میں جا رہا ہوں۔"

"ماں باپ، بیوی بچے کوئی نہیں ہے۔؟" بڑی بی حد سے زیادہ باتونی معلوم ہوتی تھیں۔

"جی کوئی نہیں ہے۔!"

"چچ۔ ہائے ہائے۔ کاروبار کرتے ہو۔؟"

"جی ہاں۔"

"اللہ تمہاری مدد کرے۔ ہم لوگ رسول پور رہتے ہیں۔ یہ میری بڑی بیٹی ہے۔ یہیں رہتی ہے اور یہ اس کے بچے ہیں۔" بڑی بی نے چھوٹے بچوں کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میری تینوں چھوٹی لڑکیاں ہیں اور یہ میرا دیور۔" انہوں نے موٹے بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارا کاروبار بھی یہیں ہے۔ مگر ہم رسول پور رہتے ہیں۔ میں اپنے دیور کے ساتھ اپنی لڑکی کو دیکھنے آئی تھی۔ یہ تینوں پہلے سے اس کے ہاں تھیں۔!" بڑی بی نے مجھے بھی اپنی ہم عمر عورت سمجھ لیا تھا۔ اس لئے وہ مکمل تعارف کرانے لگیں۔ اپنے داماد کے کاروبار کے بارے میں بتایا۔ خاندان کے افراد گنائے۔ دیور کے بچپن کی داستانیں سنائیں اور تینوں لڑکیاں میری حالت دیکھ دیکھ کر ہنستی رہیں۔ خود میں بھی بوکھلا گیا تھا۔ اب میں ان بڑی بی کو ان کی باتوں کے جواب میں کونسی داستان سناتا۔ یوں بھی ان کی بکواس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن بڑی بی تھیں کہ اپنے پورے خاندان کا شجرہ۔ ان لوگوں کی عادتوں اور گھریلو مصروفیتوں کی پوری داستان مجھے سننا پڑ رہی تھی۔

بہرحال ایک فائدہ مجھے ضرور ہوا تھا۔ وہ یہ کہ اب میرا سر بہت حد تک بہتر ہو گیا تھا۔ اور میری وحشت ختم ہو گئی تھی۔ اس خاندان کے ساتھ میں خود کو بھی کوئی خاندانی فرد سمجھنے لگا تھا۔ بڑی بی سادہ دل اور نیک خاتون تھیں۔ ان کے ساتھ سفر بہترین وقت کٹ جاتا اور پھر دوسروں میں اچھائیاں ہی کوئی شرافت کہ وہ بھی تھیں جس پر بڑی بی جھلا جاتیں۔

پانچ بجے چائے پی گئی جس میں میں شریک تھا اور رات کے کھانے پر بھی بڑی بی نے مجھے زبردستی شریک کیا۔ پھر شاید رات کی زبان تھک گئی انہوں نے جوڑا اکھلا کر ایک کمبل نکال کر مجھے دیا۔ اور اس بات کی تلقین بھی کی کہ سردیوں میں سفر کرتے ہوئے کوئی گرم چیز ضرور رکھا کرو۔ میں نے وعدہ کیا کہ آئندہ خیال رکھوں گا۔!

اس دوران سب لوگ بات طور پر بڑی بی کی اور میری گفتگو محظوظ ہوتے رہے تھے سوائے موٹے بھائی کے۔ اُن کا بس نہ چلتا تھا کہ مجھے اٹھا کر دروازے سے باہر پھینک دیں۔ لڑکیاں نہیں کبھی چھیڑتی رہیں۔ ساڑھے دس بجے بڑی بی نے آنکھیں بند کر لیں اور خراٹے لینے لگیں۔ اگلا اسٹیشن بارہ بجے آتا تھا۔ اس لئے وہ تھوڑی دیر تک آنکھیں بند کئے جاگتی رہیں۔ جب بڑی بی کے خراٹے عروج پر پہنچ گئے تو اس شریر لڑکی نے جس کا نام نفیس تھا مجھ سے کہا۔ "کہئے راشد صاحب۔ آپ کے داغ کے تمام دھبے اپنی جگہ موجود ہیں۔؟"

"جی۔" میں چونک کر بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکا۔!"

"ماشاء اللہ ہماری نئی داغ کھانے کی بڑی شوقین ہیں۔ لیکن آپ بھی خوب ہیں۔ نجی کو احساس ہی نہ ہو کہ آپ ان کی باتوں میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔"

"ان خاتون کا خلوص تمام آگاہیت پر بھاری ہے۔ اور پھر میں نے تو ایسی باتیں کبھی نہیں سنیں۔ کیونکہ میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔"

"مجھے دکھ ہے۔ آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔؟" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ بچا کھچا جو کچھ ہے وہ تم چاٹ لو۔" درمیانی عمر کی عورت نے جوان کی بڑی بہن تھی کہا۔ اور تینوں لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"جاگتے رہنا بھی ضروری ہے باجی۔ اسٹیشن آنے والا ہے۔" نفیس نے کہا۔

"تو اس بیچارے کو کیوں بھگا رہی ہو۔"

"مجھے بھی زیادہ نہیں آتی بابی۔ اور اب تو آپ لوگ نہ ہوجائیں گے۔ پتا نہیں مجھے اس تھوڑی دیر کی گفتگو سے اور کیا دیکھنے میں آیا۔" نے کہا۔

"کسی بات میں ہے تو جلد ہی آواز شروع ہوں۔ تعلقات بھی اکثر ایسا ہو جاتے ہیں۔ بابا یہ لگا لو۔" اور یہ کہ کر ایک خاتون نے کہا تو ایک جھٹکے سے گاڑی نکال کر چلنے لگی۔ پھر کافی دیر میں سیدھے ہاتھ میں پکڑا دیا گیا۔ اس دوران سے بھائی بھی دو تھک گئے تھے اور ان کے منہ سے بھی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے سنتے میں ہوں لگ گئی ہو۔!

بارہ بجے تک یہ پورے خاندان سے ساتھ رہا اور پھر یہ لوگ چلے گئے۔ وہ سب بڑے خوش تھے۔ بڑی بی نے صاحب کو سامان سنبھال کر لانے کی ہدایت کر دی تھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ سیدھے ہاتھ پر کر دعائیں بھی دیتی جا رہی تھیں۔ پھر تینوں لڑکیوں نے مجھے سلام کیا اور چلے گئیں۔ وہ جاتے ہوئے مجھے ان کے کھلا جانے کا افسوس ہوا۔ اگرچہ ان کی شخصیت کا کوئی پہلو میرے مطالعہ میں نہیں آیا تھا۔ اور یہ بھی پھر چل پڑی۔ چلو یہ لوگ ہی کا کام تھا۔ اب میں اپنے کام کی بات پر توجہ دے سکتا تھا۔ نوٹوں سے بھرا ہوا بیگ کہیں سب بھی میرے پاس موجود تھا۔ بڑی بی نے تو مجھے کبھی نگاہ بھی نہیں ڈالنے دی تھی لیکن میں نے اسے گوارا نہیں کیا تھا۔ پتہ نہیں کب بڑی بی بھی میری ہو جائیں۔ گو ابھی تک ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ لیکن میں کوئی موقع ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتا تھا۔ اور پھر یہ بھی ممکن تھا کہ بڑی بی کے ذہن میں کوئی ایسی بات ہو جو میرے لئے ناقابل قبول ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر میں اس کی کوشش بھی نہیں کرتا تھا۔ اور سودا نقد استوں سے کسی دکھی طرح اور بھی ہو رہی تھی۔!

بہرحال۔ اب تک کا وقت تو فراغت میں گزرا تھا۔ میں ایک مرحلے سے نکل گیا تھا لیکن اب مجھے دوسرے مرحلے پر سوچنا تھا۔ نیند کے آتی۔ نیا یا دولت مند بنا تھا بلکہ ابھی بنا ہی نہ تھا۔ ابھی تو اس دولت کو ہضم کرنے کا مسئلہ تھا جو بہت ہوشیاری سے حل کرنا تھا۔ ظاہر ہے پولیس پورے ملک میں مجھے تلاش کر رہی ہوگی۔ میرے پاس ایک پروگرام تھا لیکن اس میں خطرہ تھا۔ اگر کسی پھندے سے بچنے کے لئے بیرون ملک چلا جاؤں۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو پھر یہ دولت ہمیشہ کے لئے میری ہو جائے گی۔ لیکن اس کے لئے مجھے اپنی زندگی کے بہت سے سال قربان کرنے پڑیں گے۔ اور یہ بات میرے لئے ناقابل برداشت تھی۔ میں نے اتنی محنت اور اتنا خطرہ اس لئے مول نہیں لیا تھا کہ اپنی زندگی کے بہت سے سال ضائع کر دوں۔ اس ایک سال تک اپنی دولت کو ظاہر نہ کرنا بھی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس کے بعد جب میں سیٹل ہو جاتا تو پھر آہستہ آہستہ اس دولت کو ظاہر کرتا۔ اور کوئی چھوٹا سا کاروبار شروع کر دیتا۔ یہ سب کچھ میں نے سوچ لیا تھا۔ اس کے بعد عملی زندگی شروع ہوتی۔ یہ اصول ہے انسان کے پاس دولت ہو تو ہی کمائی ہے۔ نئے لوگ اس سے خوف کھانے لگتے ہیں۔ اور اس کو اور بھی بڑھاتے ہیں۔ اور پھر یہ دولت ایک بڑے سیلاب کی طرح ہر چیز کو بہا لے جاتی ہے۔ اس کے سامنے کوئی بند نہیں باندھا جا سکتا۔ اس کے لئے ہر چیز کو ہٹنا پڑتا ہے۔ اور میں یہ سیلاب بن رہا تھا۔ ابھی میں اس کی ابتدا میں تھا۔ ابھی میرے پاس دولت کی کمی تھی۔ ابھی میں اس کے لئے ہر چیز کو ہٹا نہیں سکتا تھا۔ ابھی میں اس کے لئے راستہ نہیں بنا

ہے بھلا۔ خاموش ہو جاؤ۔ سوکی بچی۔" میں تمہیں سے
(اشارہ کر دیں۔ آپ کا محل ہیروں سے بھر دیا جائے گا۔ پھر یہ غصہ کیوں؟
والد یہ کہہ کر دل دکھا گئے ہو عظیم ہے۔ آپ کو علم نہیں کہ عالم پناہ آپ کے غم
سے نڈھال تھے۔ والدین بچھڑ کر دوبارہ نہیں ملتے۔ ان کی دعائیں زندگی
بھر ساتھ دیتی ہیں۔ ہم آپ کو واپس لے جانے آئے ہیں۔"

میں نے اس بوڑھے آمالیق کو دیکھا۔ کیا یہ لوگ مجھے بیوقوف
بنا رہے ہیں۔ اگر یہ ڈاکو تھے تو مسخرے معلوم ہوتے تھے۔ اور پولیس والوں
کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!

"سنو۔" میں نے ان میں سے ایک کو اشارہ کیا۔ اور وہ جھک
اپنے سر کے سامنے جھک گیا۔ "آدھے آدھے کر لو۔" میں نے تجھدل
سے کہا۔ اور وہ میری بات نہ سمجھ کر کھوپڑی ہلانے لگا۔ پھر اس نے احمقانہ
انداز میں دوسروں کی طرف دیکھا۔ اور بوڑھا آمالیق میرے قریب جھک کر
"کیا فرما رہے ہیں شہزادہ عالم۔!"

"مذاق مت اڑاؤ یار۔ کام کی بات کرو۔ میں خوشی سے
آدھے دینے کو تیار ہوں۔ مان جاؤ دوست۔ میری زندگی کا سوال ہے
پوری زندگی مسرت میں گزاری ہے۔ اب کچھ خوشیاں نصیب ہونے والی تھیں
لیکن قسمت ہی کھوٹی ہے۔ بہرحال تیتالیس ہزار بھی کم نہیں ہوتے۔
کیا میلوگ تمہارے قبضے میں ہے۔" میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔
اور بوڑھا پاگلوں کی طرح میری شکل دیکھنے لگا۔ پھر ہنس پڑا۔

"شہزادہ عالم کی شرارتیں تو مشہور ہیں لیکن یہ بوڑھا آمالیق
بھی ان کا شکار بنے گا۔ سوچا بھی نہ تھا۔!"

"لپ گرو بڈھے میاں۔ کیا نوٹ گن لیے ہیں۔؟" میں نے
بڑا سا منہ بنا کر کہا۔

"نوٹ!" بوڑھے نے پھر ہنستے ہوئے کہا اور اب مجھے غصہ آنے
لگا۔ میں ہونٹ بھینچے انہیں گھورتا رہا۔ پھر عاجزی سے بولا۔

"سیدھی طرح بتاؤ۔ کیا چاہتے ہو۔؟"

"شہزادہ عالم کو واپس لانا چاہتے ہیں۔"

"کہاں۔ اس موئے حشمت کے پاس۔" میں نے غصیلے انداز
میں کہا۔

"کون حشمت۔" اس بار بوڑھے نے دوسرے لوگوں کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بھائی پھر تم کون ہو۔؟"

"شہزادہ عالم نہیں پہچانتے۔؟"

"کیا تمہارا تعلق میری سسرال سے ہے۔؟" میں نے جھلائے
ہوئے لہجے میں کہا۔ اور ان میں سے کچھ مسکرانے لگے۔ لیکن بوڑھے کا چہرہ
فق گیا تھا۔ پھر اس نے غصگی سے کہا۔

"میں غلام ہوں آقا۔! حضور چاہیں تو گالیاں بھی دے سکتے ہیں
لیکن مجھے بات کی گئی ہے کہ آپ کو ہر حال میں واپس لے آؤں۔ پہلا امین
وخیانت کرتا ہوں کہ بھروسہ ناشناس ہونے کی سزا دے واپس چلیں۔"

"کہاں چلوں۔؟" میں نے پوچھا۔

"محل۔!" اس نے جواب دیا۔ تب میرے ذہن میں ایک بات
خیال آیا اور میں چونک کر ان لوگوں کی شکلیں دیکھنے لگا۔ ان کے لباس
عجیب تھے۔ کم از کم میں نے اس دور میں ایسے لباس نہیں دیکھے تھے۔
کیا درحقیقت ان کا تعلق کسی ریاست سے ہے اور یہ سب کچھ کسی
غلط فہمی کی بنا پر تو نہیں ہو رہا ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ یہ غلط
لوگ ہوں۔!

"سنو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم کسی غلط فہمی کا شکار تو
نہیں ہو۔!"

"کیسی غلط فہمی شہزادہ عالم۔؟"

"میرا نام کیا ہے۔؟" میں نے پوچھا۔

"یوسف عمران۔!"

"خوب۔ اچھا دوستو اگر تم مذاق کر رہے ہو تو بہتر ہے کہ اسے
ختم کر دو۔ اور اگر کسی غلط فہمی کے شکار ہو تو تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے
کہ میرا نام یوسف عمران نہیں۔ بلکہ عارف ہے عارف۔!"

"ہم غلام ہیں۔ اس لئے اس مذاق سے محظوظ بھی نہیں ہو سکتے
آپ چلنے کے لئے تیار ہو جائیے۔"

"خدا کی مذاق نہیں کر رہا۔ موئے حشمت کی اسپورٹ ایکسپورٹ
کی فرم حشمت بلڈرز میں کام کرتا تھا اب وہاں سے بھاگ آیا ہوں۔ تم
اگر واقعی مذاق نہیں کر رہے ہو تو اسے تلاش کرو جس کی تمہیں ضرورت ہے۔
مجھے لے جا کر تمہیں شرمندگی ہی ہوگی۔!"

"بہت وقت ضائع ہو چکا ہے رحمت۔ زنجیر کھینچو۔" بوڑھے
نے اس بار قدرے درشت لہجے میں کہا اور ان میں سے ایک نے ٹرین کی
زنجیر کھینچ دی۔!

"ارے۔ ارے۔ کیا کر رہے ہو۔ سنو تو۔ سنو تو۔ یہاں اس
ویرانے میں ٹرین کیوں رکوائی۔!" میں نے گھبرا کر کہا۔ لیکن ان میں سے
کسی نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ ٹرین کے پہیوں سے ریلوں کی بجنے
والی آواز سنائی دے رہی تھی اور ٹرین کی رفتار سست ہوتی جا رہی تھی وہ
لوگ مضبوطی سے مجھے پکڑے ہوئے تھے۔ دھکا دے کر بھاگ سکتا تھا۔!

"اترو۔ نیچے اترو۔ میلوگ۔ اترو۔ اس میں۔ اس میں میری
زندگی چھپی ہوئی ہے۔" میں نے ڈبا لمبے لہجے میں کہا اور ان میں سے ایک
نے میرا بریف کیس اٹھایا۔ اور جونہی ٹرین رکی وہ مجھے لے کر نیچے کود
پڑے۔ انہوں نے میرا بازو اس بے دردی سے پکڑا ہوا تھا کہ میں بری طرح
لڑکھڑا گیا۔ وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ ایک پگڈنڈی کی طرف۔
اور میرے پیچھے ٹرین کے عملے کے لوگ لالٹین لئے ہوئے گاڑی کے اس
ڈبے کی طرف بڑھ رہے تھے جس کی زنجیر کھینچی گئی تھی۔ ایک مجھے اغوا کرنے
والے بہت تیز چل رہے تھے اس لئے ان کی آنکھیں وہ لالٹینوں کے سلسلے کے
نزدیک پہنچ گئے۔ اس طرح میں ٹرین والوں کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا۔
درختوں کے درمیان وہ رکے۔ اور پھر بوڑھا آمالیق نے
اپنے ایک ساتھی سے کہا۔ "رحمان کو آواز دو۔" اور اس کے ساتھی نے
گردن ہلا دی۔ پھر وہ درختوں کے سلسلے میں داخل ہو گیا اور وہ لوگ مجھے
کھڑے انتظار کرنے لگے۔ میرا ذہن انتشار کا شکار ہو گیا تھا۔ میری سمجھ میں
نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ کیا چاہتے ہیں۔ اگر ڈاکو ہیں تو انہیں
حال سے غرض ہونی چاہیے۔ یہ کیا کریں گے۔ مجھے درختوں میں لے جا کر
قتل کر دینے سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میں نے اپنی دولت ان
لینے کی کوشش بھی تو نہیں کی تھی۔ اور پھر اگر ڈاکو نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں۔؟
کیا یہ کچھ مکوس کہہ رہے ہیں وہی ہیں۔ ان کا کوئی شہزادہ بھاگ گیا ہے
لیکن میرا اس سے کیا تعلق۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو میں نے خود
کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ دیکھوں تقدیر میرے لئے کیا دستہ
متعین کرتی ہے۔ یوں بھی میں تو ایک مجرم تھا۔ مجھے پناہ کی ضرورت تھی
کچھ دنوں کے ساتھ ہی سہی۔!

میں نے اب ہر قسم کی جدوجہد ترک کر دی اور خاموشی سے کھڑا
رہا۔ چند منٹ کے بعد مجھے عجیب سی آہٹوں کی آواز سنائی دی۔ اور
بوڑھے آمالیق نے کہتے ہوئے کہا۔ "رحمان آگیا۔ آؤ۔!"

اور میرے ارد گرد کھڑے ہوئے لوگ میرا بازو پکڑ کر آگے
بڑھ گئے۔ اب میں شرافت سے ان کے ساتھ چل رہا تھا درختوں کے سلسلے
سے نکلتے ہی مجھے رحمان نظر آئے۔ یہ رنگین روشنیاں کسی گھوڑا گاڑی یا
نصب تھیں۔ روشنیوں کے سائے میں مجھے سفید رنگ کے گھوڑے نظر آ رہے

تھے۔ قریب پہنچے پر سرخیاں بدصورت ثابت ہوا۔ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی جس کی چادر گھونگھٹ بنے ہوئے تھے جن پر ستارے سا جھلملا رہا تھا گھونگھٹ کے دونوں طرف سے اس کے لمبے لمبے بال نکل کر چہرے کے گرد پھیل گئے تھے۔

"شہزادہ عالم! میں نے ایک گہری سانس لی۔ میں نے کہا اور پھر چونک پڑا۔ میرا ہاتھ گھوڑے کی گردن پر رکھا تھا۔ گھوڑا کی جنس کا تھا جسے پروں کے ذریعہ ہوا میں اڑایا جاتا ہے۔ ہدایت نامہ میں اس کا نام دیا گیا تھا۔ میرے ساتھ کی سیٹ پر بیٹھا آتیق بیٹھ گیا۔ اور اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ گویا اب باہر کا منظر نہیں نظر آ سکتا تھا۔ یہاں بھی اس تاریکی میں درختوں کے میووں کے علاوہ اور کیا نظر آتا۔

دوسرے سب لوگ بھری ہو گئے تھے۔ گھوڑا کی جنس کا اور گھوڑوں کے گلوں میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کی مترنم آواز گونجنے لگی۔

میں خاموشی سے آتیق کو گھورتا رہا۔ پھر جھنجھلا کر بولا۔

"میرا بریف کیس کہاں ہے۔؟"

"محفوظ ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"مہتاب شہزادہ عالم۔ کیا بھلا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں"

"کچھ دیر کے لیے میں نے خاموشی سے کنارہ کر لیا۔ اور بوڑھا بوکھلا کر مجھے تکنے لگا۔"

"شہزادہ عالم۔ کیا میں آپ سے کچھ عرض کر سکتا ہوں۔؟"

"ہاں۔ ہاں۔ کیوں شرمندہ کر رہے ہو۔ میں خود کھول لوں گا"

میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"حضور شہزادے۔ براہ کرم۔ ان میں سے ایک نے التجا کی اور مجھے اس کے ہونٹ سکوڑنے کا انداز بہت پسند آیا۔ دوسری نے جھک کے پیتے کھولنا شروع کر دیئے۔

"شہزادہ عالم۔ اگر آپ میرا کام کر دیں تو میں عمر بھر آپ کی مشکور ہوں گی۔ میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ہاں اگر میری ذاتی حیثیت میں پسند آئے تو میں حاضر ہوں۔"

وہ دونوں مسکرانے لگیں۔ پھر انہوں نے جھک کر جوتے اتار دیئے اور ان میں سے ایک اٹھ کر چلی گئی۔ دوسری میرے بال سنوارنے لگی تھی اور اس کی

پھر سب ہاتھوں کو میں نے اپنے جسم پر محسوس کیا تو میری آنکھ کھل گئی۔ گاڑی رک گئی تھی۔!

"آتیق شہزادہ عالم۔!" بچے بڑے کی گرجدار آواز سنائی دی اور میں نے کھڑکی والی نکاسوت سے دیکھا۔ پھر پیچھے اتر آیا۔ اس چوکی پر دو آدمی تھے جنہوں نے ہمیں برقدم رکھا۔ سنتری گھاس تھی۔ رات کا وقت تھا لیکن یہاں روشنیاں کافی پھیلی ہوئی تھیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ شعلے بجھی کی نہ تھیں بلکہ بجلی کے قمقمے روشن تھیں۔ اور میں نے اس سے قبل ایسی روشنیاں نہیں دیکھی تھیں۔ شعلوں سے اٹھتے ہوئے رنگین شعلے بڑا خوبصورت منظر پیش کر رہے تھے۔!

پھر میری نگاہیں اس عظیم الشان عمارت کی طرف اٹھ گئیں جو پرانے طرز کی تھی اس میں بے شمار گنبد تھے جو بنگ رہے تھے شاید ان میں بڑے بڑے ہال تھا کیونکہ ہلکی سبز روشنی پھوٹ رہی تھی۔ بوڑھے آتیق نے آگے چلنے کا اشارہ کیا اور میں حیرت سے سر ہلاتے آگے چل پڑا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ جگہ کسی محل میں پہنچ جاؤں گا۔ ویسے محلوں کی میں نے کہانیاں تو سنی تھیں

آج کی کوئی حقیقت ہو گی میرے تصور میں بھی نہیں تھا۔ لیکن اس وقت میں عالم ہوش میں تھا اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

میں سنگ مرمر سے بنے ہوئے دروازے کی ابتدائی سیڑھیاں طے کرنے لگا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ بوڑھا آتیق میرے ساتھ چل رہا تھا ایک لمبی راہداری تھی جس میں مونا قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر بڑے بڑے روشن پتھر نصب تھے جن سے راہداری جگمگا رہی تھی۔ میں مرعوب ہو چکا تھا۔ اور اب میں بوڑھے آتیق سے بھی کوئی الٹی سیدھی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ ابھی تو وہ غلط فہمی کا شکار ہے لیکن جب اسے حقیقت پتہ چل جائے گی تو وہ میری کھال ہی کھنچوا لے گا۔!

راہداری کا اختتام ایک اور دروازے پر ہوا تھا۔ ہم اس دروازے سے بھی گزر گئے۔ دروازے کے دوسری طرف ایک عظیم الشان ہال تھا جس میں بے شمار ستون لگے ہوئے تھے اور یہ ستون بھی مختلف رنگوں میں روشن تھے۔ ہال کے چاروں طرف دروازے بنے ہوئے تھے۔ آتیق ایک دروازے سے اندر داخل ہو گیا ایک خوبصورت کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے کی چھت پر ایک فانوس لٹک رہا تھا جس میں نیلے رنگ کے شیشے لگے ہوئے تھے وہ شیشے میں شمع روشن تھی۔!

نیلی روشنی نے ماحول کو خوفناک بنا دیا تھا۔ یہاں پہنچ کر میں رک گیا۔ مگر عالم بناہ آگے بڑھ گئے تھے وہ بے خوف تھے۔ لیکن میری بال

ہیں کہ ابھی خواب سے بیدار کرو۔ اس بھلے آپ صبح تک۔ یہاں آرام کرو شہزادہ عالم۔ صبح کو میں آپ کی واپسی کی اطلاع عالم پناہ کو دے دوں گا"

"دیکھیے بھائی۔ میری کوئی خطا نہیں ہے۔ میں نے لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔!"

"میرے شریف شہزادے۔ برخوردار آرام کرو۔ سب کچھ صبح کو دیکھا جائے گا۔" آتیق نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر دروازے کے قریب پہنچ کر بولا۔ "میری درخواست ہے کہ رات کو باہر نکلنے کی کوشش نہ کریں۔ میں پوری رات دروازے پر پہرہ دوں گا۔ خدا حافظ۔!" وہ باہر نکل گیا۔ اور میں سر پکڑ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ میرے سامنے ہی رنگین آئینہ لگا ہوا تھا۔ میں نے آئینے کے قریب جا کر اپنی شکل دیکھی منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ بال بکھرے ہوئے تھے لباس گرد آلود تھا۔ "شہزادہ عالم۔!" مجھے ہنسی آ گئی۔ بوڑھے کی شامت آئی ہے۔ نہ جانے کس کے دھوکے میں مجھے پکڑ لایا ہے۔ اب جب صبح کو حقیقت پتہ چلے گی تو پھر پتہ نہیں کیا ہو گا۔ فرش پر بیٹھ کر میں نے جوتے اتارے۔ لیکن ابھی تک بھی دکھتے ہوئے تھا کہ کرے میں کہیں سے سرسراہٹ ہوئی ایک چوڑے شیشے نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اس کے پیچھے سے دو لڑکیاں نکل آئیں۔

کافی خوبصورت تھیں اور میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔!

میں پہچانے نہیں گھورنے لگا۔

وہ آگے بڑھیں اور پھر میرے پاس بیٹھ گئیں۔ ان کے بیٹھنے کا انداز بھی ہیجان خیز تھا۔

پھر ان میں سے ایک نے میرے جوتوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور میں اچھل پڑا۔

"اے۔ اے۔ کیوں شرمندہ کر رہی ہو۔ میں خود کھول لوں گا"

میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"حضور شہزادے۔ براہ کرم۔ ان میں سے ایک نے التجا کی اور مجھے اس کے ہونٹ سکوڑنے کا انداز بہت پسند آیا۔ دوسری نے جھک کے پیتے کھولنا شروع کر دیئے۔

"شہزادہ عالم۔ اگر آپ میرا کام کر دیں تو میں عمر بھر آپ کی مشکور ہوں گی۔ میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ہاں اگر میری ذاتی حیثیت میں پسند آئے تو میں حاضر ہوں۔"

وہ دونوں مسکرانے لگیں۔ پھر انہوں نے جھک کر جوتے اتار دیئے اور ان میں سے ایک اٹھ کر چلی گئی۔ دوسری میرے بال سنوارنے لگی تھی اور اس کی

زبان نکلیں کا لس مجھے بے حد پر خمار معلوم ہوا۔

میں نہ جانے کب جذبات سے مغلوب ہو گیا تھا۔ مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اس وقت میں بہک چکا تھا جب دونوں لڑکیاں میرے سامنے آ گئیں۔ ان کے ہاتھوں میں ایک ہلکا سا ریشمی لباس لٹکا ہوا تھا۔

"لباس تبدیل کر لیں شہزادہ عالم۔!" ان نے کہا۔

"میرا نام مارث ہے۔ کیا تم مجھے میرے نام سے پکار سکتی ہو۔؟" میں نے کہا۔ اور دوسری لڑکی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اگر شہزادے کی یہ خواہش ہے تو بہتر حکم۔ لباس تبدیل کر لیں۔" میں میرے قریب پہنچ کر میرے کپڑے نوچنے لگی۔ میں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ لیکن جب اس نے میری پتلون کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میں اچھل پڑا۔!

"تت۔ تم لوگ۔ خدا کی پناہ چلی جاؤ۔ تو میں لباس بدل لوں۔؟"

"لونڈی کو اتنا حق بھی نہ دیں گے شہزادہ عالم۔؟" اس نے اسی انداز سے کہا۔

"اے۔ تت تو کیا۔ پپ پتلون بھی تم ہی اتارو گی۔؟" میں نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"جو حکم۔؟" وہ اچھلا۔ اور دور کر چلا گیا لیکن دوسری وہیں کھڑی رہی

"تم بھی جاؤ۔ میں لباس تبدیل کر لوں تو واپس آ جانا۔" میں نے کہا اور وہ مسکراتی ہوئی واپس پلٹ گئی۔ میں نے جلدی سے کپڑے اتار کر دوسرا لباس پہن لیا۔ رات کے سونے کا ڈھیلا ڈھالا لباس تھا لیکن بہت قیمتی کپڑے کا! لباس پہن کر عجیب سی فرحت کا احساس ہوا اور پھر میری توجہ ان دونوں لڑکیوں کی طرف ہو گئی۔ وہ غالباً اس شہزادے کی خادمائیں ہوں گی! لگتی ہے میری صورت شہزادے سے ملتی ہے۔ اگر ایسی ہی!۔ معلوم ہوتی تھیں ورنہ سب دھوکہ کیسے کھاتے!

اور اسی وقت ایک خیال میرے ذہن میں آیا۔ کیوں نہ میں اس منہری موقع سے فائدہ اٹھاؤں۔ جشم میں گئے چھیاسی ہزار چھے سیالیس عیش و عشرت ملے گی چھیاسی ہزار میں اس کا حصول مشکل تھا اور پھر پولیس کے ہاتھ آ جاتا! لیکن اگر شہزادہ واپس آ گیا۔ تو۔ اس بات میں نہ جانے دھوکہ دہی کی کیا سزا ہو۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے! نہیں یہ غلط ہے۔ حقیقت میں رہو۔ اس کے بعد بھی یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں تو اس میں

یہ کیا تصور ہوگا۔!

"خادم کو دعوت دینے کی اجازت ہو۔" اس خادم کی شیریں آواز نے سماعتوں کو معطر کر دیا۔ انگلیاں بے اختیار بھر چکی تھیں۔

"آؤ۔" میں نے کہا اور وہ مسکراتی ہوئی اندر آگئی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور ہونٹ نوشتہ لکھے جا رہے تھے۔ وہ میرے بالکل قریب آگئی۔ اور میرے سامنے جھک کر بولی۔

"خادم کے لئے اور کیا حکم ہے۔؟"

"کیا تم مجھ سے کچھ دیر گفتگو کر سکتی ہو۔؟"

"پوچھئے شہزادہ عالم۔" اس نے کہا۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ہونٹ خشک ہو گئے۔ نہ جانے اس کا طرز تکلم ہی ایسا تھا لیکن بات عرض کرنا میرے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکرا رہی تھی۔ لیکن اس وقت اس مسکراہٹ کے تیور کچھ بدلے بدلے نظر آ رہے تھے اور میں بھی نادان نہ تھا۔ لیکن اس کا انجام!

پھر انجام کا تصور ذہن سے جھٹک کر میں بستر پر بیٹھ گیا۔

"میری ہمدرد کے لئے فرش پر بیٹھنے کی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اوپر بیٹھنے کے لئے کہا۔

"کنیز کو بہت عزت بخش دی ہے آپ نے شہزادہ عالم۔ مگر میں جل گئی ہے۔ اپنے اس کے جیسے کو دیکھ کر!"

"اور پھر اس نے میرے ہاتھ کو کہ کر کچھ ڈھونڈ لیا۔"

"خادمہ کون ہے۔" میں نے پوچھا۔

"وہی جو ہمراہ آئی تھی۔ لیکن شہزادہ حضور۔ آپ مجھ سے اہمیت کا اظہار کیوں کر رہے ہیں؟"

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ میں شہزادہ نہیں ہوں تم مانو مانو۔" میں نے کہا۔ اور وہ مسکرانے لگی!

"کیا باندی کو دیا جانے والا حق مہر ادا کر دیا گیا ہے؟"

"ابھی نہیں۔ ہم واپس جائیں گے۔ اگر مجھے یہاں بیٹھنے کی اجازت مل جائے تو اور کچھ نہیں چاہیئے۔" میں نے جواب دیا۔

وہ رات میری زندگی کا عجیب ترین رات تھی۔ اس رات نے میری زندگی کے رخ کا تمام تر دھارا ہی بدل دیا۔ اس رات کے ساتھ میری بہت سی امیدیں وابستہ ہو گئیں۔ اس رات کے ساتھ میری زندگی کی بہت سی تمنائیں وابستہ ہو گئیں۔ اس رات کے ساتھ میری زندگی کے بہت سے ارمان وابستہ ہو گئے۔ اس رات کے ساتھ میری زندگی کے بہت سے خواب وابستہ ہو گئے۔ اس رات کے ساتھ میری زندگی کے بہت سے خیالات وابستہ ہو گئے۔ اس رات کے ساتھ میری زندگی کی بہت سی خوشیاں وابستہ ہو گئیں۔ اس رات کے ساتھ میری زندگی کی بہت سی مسرتیں وابستہ ہو گئیں۔ اس رات کے ساتھ میری زندگی کی بہت سی راحتیں وابستہ ہو گئیں۔ اس رات کے ساتھ میری زندگی کی بہت سی آسائشیں وابستہ ہو گئیں۔ اس رات کے ساتھ میری زندگی کی بہت سی آرزوئیں وابستہ ہو گئیں۔ اس رات کے ساتھ میری زندگی کی بہت سی تمنائیں وابستہ ہو گئیں۔ اس رات کے ساتھ میری زندگی کی بہت سی امیدیں وابستہ ہو گئیں۔ اس رات کے ساتھ میری زندگی کی بہت سی خواہ

کہا تھا۔ مجھے تو یہ اتفاق لگتا۔ لیکن بدقسمتی سے میں تو اسی دنیا کا ایک کردار تھا۔ بہرحال اب میں جواب دینے کے لئے تیار تھا۔!

"محترم بزرگ۔ میں آپ کے ایک ایک لفظ سے متفق ہوں۔ بلاشبہ میری دنیا ایسی ہی ہے جیسی آپ نے بیان فرمائی۔ لیکن میں آپ سے عقیدت کی ایک غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں۔!"

"تمہاری آواز کو کیا ہو گیا بیٹے۔" خاتون نے بے ساختہ پوچھا

"یہ میری اصل آواز ہے معزز خاتون۔ جس وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ میں یوسف عمران نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔

"میرے سامنے بدتمیزی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔" میرے غصہ کو آواز دو۔ بات کو تمہارے استانی نے بھی یہی بتایا تھا کہ تم خود کو عمران نہیں تسلیم کرتے۔ لیکن مجھے گمان بھی نہ تھا کہ تم اپنے والدین کو بھی جھوٹ بنانے کی کوشش کرو گے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ تمہاری آواز بدلنے سے تمہاری شکل و صورت بھی بدل جائے گی۔" بزرگ نے کہا۔

"محترم بزرگ۔ مزید اتنا عرض کروں گا۔ آپ کی یہ دنیا بہت دلکش ہے۔ اس پُرخار دنیا میں جانے کے بجائے میں اسی دنیا کے کسی گوشے میں تمام زندگی گزارنے کو تیار ہوں۔ لیکن آپ کی کسی غلط فہمی پر میں سزا کا مستحق نہیں ہوں گا۔ آپ مجھے یوسف عمران کہیں یا کچھ اور۔ بس میں یہ عرض کروں کہ میں یوسف عمران نہیں ہوں۔ میرا نام عارف ہے۔ اس کے باوجود آپ مجھے یوسف عمران تسلیم کرنے پر بضد ہیں تو میں اب خاموشی اختیار کروں گا۔"

بزرگ حیرت سے میری شکل دیکھنے لگے۔ معزز خاتون بھی تعجب سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ اور اب ان دونوں کی آنکھوں میں شکوک نظر آ رہے تھے۔!

"تب پھر۔ تم کون ہو۔؟"

"میرا نام عارف ہے۔ زمانے کا ستایا ہوا ایک انسان ہوں۔ ایک جرم کے فرار ہوا تھا کہ راستے میں آپ کے آدمیوں نے پکڑ لیا۔ اور زبردستی مجھے یوسف عمران بنا دیا۔ انہوں نے میرے بیگ پر بھی قبضہ کر لیا جس میں پورے چھیاسی ہزار روپے تھے۔!"

"واللہ۔ ہمیں یقین نہیں آتا۔ اگر تم یوسف عمران نہیں ہو تو تمہاری اس سے مشابہت حیرت انگیز ہے۔ لیکن اگر یہ تمہاری شرارت ہے تو تم عتاب و عذاب سے نہیں بچ سکو گے۔" معزز بزرگ کہتے ہوئے اٹھ گئے۔ انہوں نے تالی بجائی اور ایک خادم اندر داخل ہو گیا۔

"سفینہ کو بلاؤ۔" معزز بزرگ نے کہا اور خادم واپس چلا گیا

تھوڑی دیر بعد ہی ایک معزز خاتون اندر داخل ہوئیں۔ انہیں دیکھتے ہی مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ میری نانی ہیں۔

"سفینہ۔ اسے غور سے دیکھو۔ کیا تم اس میں اور عمران میں کوئی تبدیلی پاتی ہو۔" معزز بزرگ نے کہا اور خود بھی میرے قریب آ کر دیکھنے لگے۔ پھر وہ چونک پڑے۔ وہ بالکل میرے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ ان کی اور اس کے پوتے کی آنکھیں ایک جیسی تھیں۔ میری آنکھوں میں حیرت اور استعجاب تھا۔ انہوں نے میرے سینے پر دیکھنے لگیں۔ ان کے بعد وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ گئیں۔ ان کے چہرے پر اضطراب تھا۔

معزز خاتون اور بزرگ اسے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ سفینہ۔ حضور۔!" دایہ بولی۔ "یہ یوسف عمران نہیں ہیں۔ یہ شہزادہ حضور نہیں ہیں میں قسم کھاتی ہوں یہ شہزادہ حضور نہیں ہیں۔!"

اور معزز خاتون اور بزرگ چونک پڑے۔ "تم نے یہ یقین کس طرح کیا دایہ۔ جبکہ تم نے ان کی آواز بھی نہیں سنی۔" بزرگ نے اضطراب سے پوچھا۔

"میں نے بچپن سے شہزادہ حضور کو پالا ہے۔ ان کی آنکھوں کی بائیں پتلی میں ایک نیلا تل ہے اور سینے پر ایک سورج کی شکل کا سرخ نشان۔ بلاشبہ یہ نوجوان ہو بہو شہزادے کا ہم شکل ہے لیکن شہزادہ نہیں ہے۔ یہ دونوں چیزیں اس کے پاس موجود نہیں ہیں۔!" دایہ نے کہا اور معزز خاتون نے جلدی سے چہرے پر نقاب کھینچ لی۔

معزز بزرگ خشمگیں نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ لیکن پھر ان کے خدوخال نرم پڑ گئے۔ اور ان سے اداسی ٹپکنے لگی۔ "اس میں اس بے چارے کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اسے مہمان خانے پہنچا دو۔" بزرگ نے کہا

"شاہ محترم۔" میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔ "میں نے اپنی اصلیت نہیں چھپائی ہے۔ براہ کرم مجھے کوئی گزند عنایت فرمایا جائے۔ میں یہاں سے نہیں جانا چاہتا۔!" میں نے لجاجت سے کہا۔

"اور ۔۔۔ دانیال کو ہمارے پاس بھیج دو۔!" بزرگ نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "اس بے وقوف نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔!" انہوں نے کہا اور معزز خاتون کا ہاتھ پکڑے ہوئے باہر نکل گئے۔ اب کمرے میں دایہ اور میں رہ گئے تھے۔

"آؤ۔" دایہ نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ ہی میرے اوپر رحم کھائیں محترمہ خاتون۔ آپ جانتی ہیں میں بے قصور ہوں۔" میں نے دایہ سے کہا۔

"خاموش رہو۔ تمہارے گناہ کا معلوم ہو گیا ہے تم محل کی گیندوں کے ساتھ کھیلتے رہے ہو تو تمہیں سزا ملے گی آؤ۔" خاتون نے میرے ہاتھ پکڑ لئے۔ "وہ دانیال کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اس بار بھاگنے کی کوشش کی تو ٹانگیں توڑ دوں گی۔" دایہ نے کہا اور میرے ہاتھ پکڑ لئے۔ میں نے بھی مزاحمت نہیں کی۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور میں نے بائیں آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو دیکھے۔ میری آنکھوں کا رنگ بدل رہا تھا۔ شہزادہ۔۔۔؟ وہ شہزادہ میں جسے پھر سے کی تھی۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور میں نے بائیں آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو دیکھے۔ تب مجھے ایک اور عمارت کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں آسائش کے تمام سامان موجود تھے۔!

میں ایک سوچی پر بیٹھ کر اپنے مستقبل پر غور کرنے لگا۔ اور دانیال کی وجہ سے میں قید خانے سے نکال دیا گیا۔ اب کیا ہوگا۔ اب مجھے یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ پھر میں کہاں جاؤں گا۔ کاش میں یہاں رہ سکتا۔ کاش۔! میرے گالوں پر آنسو ڈھلک آئے۔!

کسی کھٹکے کا گمان ہوا۔ کوئی میرے پاس آیا۔ پھر شناسا خوشبو کا جھونکا۔ میں نے کمرے کے دروازے پر قدموں کی چاپ سنی اور چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک ۔۔۔ وہ دو سیاہ فام غلام تھے انہوں نے ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ میرے منہ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا۔ کھانے کی خواہش ختم ہو گئی تھی لیکن خوان سے اٹھتی ہوئی خوشبو نے مجھے کھانے پر آمادہ کر لیا۔ دونوں غلام کھانا رکھ کر بنا کچھ کہے خاموشی سے واپس چلے گئے اور میں بے دلی سے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔!

بڑا لذیذ کھانا تھا۔ میں نے تھوڑی دیر کے لئے اپنے غم بھلا دیئے۔ اور کھانے میں مصروف ہو گیا۔ لذیذ کھانے سے بھرپور انصاف کرنے کے بعد میں نے ہاتھ دھونے کے لئے آبخورے اٹھائے تو ان کے نیچے سے ایک کاغذ نکل آیا۔ کاغذ پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں نے کاغذ اٹھا لیا۔ اس پر لکھا تھا۔

"عارف۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔ اگر تم میری مدد کرو گے تو میں تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گی۔ اگر تم میری مدد کرنا چاہتے ہو تو کھانے کے برتن دھونے کے بعد ان کے نیچے سے کاغذ نکال لینا۔ اس پر لکھ کر بتا دینا۔ تمہاری خیر خواہ۔"

کاغذ پڑھ کر میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کون ہو سکتی ہے۔ کیوں میری مدد کرنا چاہتی ہے۔ کیا یہ کوئی سازش ہے۔ کیا یہ کوئی چال ہے۔ میں نے کاغذ پر لکھا۔

"میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے یہاں سے نکال لے جاؤ۔ میں تمہارا احسان مند رہوں گا۔" میں نے کاغذ برتنوں کے نیچے رکھ دیا۔ اور بستر پر لیٹ گیا۔ اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ اس طرح جاگنے سے کیا فائدہ۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور سوچنے لگا۔ کیا کروں۔ کیا نہ کروں۔ کیا ہو گا۔ کیا نہ ہو گا۔ کیا ہو سکتا ہے۔ کیا نہیں ہو سکتا۔ کیا ہونا چاہئے۔ کیا نہیں ہونا چاہئے۔ کیا ہو رہا ہے۔ کیا نہیں ہو رہا ہے۔ کیا ہونے والا ہے۔ کیا نہیں ہونے والا ہے۔ کیا ہو چکا ہے۔ کیا نہیں ہو چکا ہ

سہ پہر میں بلند کی گھنٹی بجی اور میری نیند ٹوٹ گئی۔ یہ میرے کھانے کی گھنٹی تھی۔ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ سورج ڈوب چکا تھا۔ اندھیرا پھیل گیا تھا۔ میں نے کپڑے پہنے اور باہر نکل آیا۔ باہر کھلی جگہ میں ہوا بہت تیز تھی۔ ہوا سے کھیتوں کی مٹی اڑ رہی تھی۔ لیکن اس تکلیف دہ ہوا میں بھی کچھ ایسی سوندھی سوندھی خوشبو تھی جو میرے نتھنوں کو بہت اچھی لگی۔ اب یہاں میری کوئی حیثیت نہیں تھی۔ میں ایک قیدی تھا۔ اس لئے مجھے کھانا بھی قیدیوں کی طرح ملنا تھا۔ میں نے اپنی تھالی اور پیالہ اٹھایا اور قیدیوں کی لائن میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ میرے آگے بھی لائن لگی ہوئی تھی۔ میرے پیچھے بھی لائن لگ گئی۔ ہم سب قیدی تھے۔ ہم سب کی حیثیت ایک جیسی تھی۔ ہم سب کا کھانا ایک جیسا تھا۔ ہم سب کی زندگی ایک جیسی تھی۔ ہم سب کے دل ایک جیسے اداس تھے۔ ہم سب کی آنکھوں میں ایک جیسی ویرانی تھی۔ ہم سب کے چہروں پر ایک جیسی مایوسی تھی۔ ہم سب کے دماغ ایک جیسے خیالوں سے خالی تھے۔ ہم سب کے دلوں میں ایک جیسی آرزو تھی۔ ہم سب کے ہاتھ ایک جیسے کام کرتے تھے۔ ہم سب کے پاؤں ایک جیسے چلتے تھے۔ ہم سب کے جسم ایک جیسے تھے۔ ہم سب کے کپڑے ایک جیسے تھے۔ ہم سب کے بال ایک جیسے تھے۔ ہم سب کی داڑھیاں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کی مونچھیں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کی آنکھیں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کے کان ایک جیسے تھے۔ ہم سب کی ناکیں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کے ہونٹ ایک جیسے تھے۔ ہم سب کے دانت ایک جیسے تھے۔ ہم سب کی زبانیں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کے گلے ایک جیسے تھے۔ ہم سب کے سینے ایک جیسے تھے۔ ہم سب کے پیٹ ایک جیسے تھے۔ ہم سب کی ٹانگیں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کے گھٹنے ایک جیسے تھے۔ ہم سب کے پاؤں ایک جیسے تھے۔ ہم سب کے ناخن ایک جیسے تھے۔ ہم سب کی ایڑیاں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کے انگوٹھے ایک جیسے تھے۔ ہم سب کی انگلیاں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کی ہتھیلیاں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کی کلائیاں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کی بانہیں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کے کندھے ایک جیسے تھے۔ ہم سب کی پیٹھیں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کی کمریں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کے کولہے ایک جیسے تھے۔ ہم سب کی رانیں ایک جیسی تھیں۔ ہم سب کے گھٹنے ایک جیسے تھے۔ ہم سب کی پنڈلیاں ایک جیسی تھیں

ہمت بیشہ اپنی آپ کو سنبھالا دیتا رہے گا، لیکن یہ دیکھنے سے پہلے
بھی کہ۔۔۔!

یہ اس کی زندگی میں پہلی مرتبہ نہیں تھا کہ وہ کسی قسم کے
ایک ہوٹل میں ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ ایسے ہوٹلوں میں رہ چکا ہے
وہ یہ نہیں سوچے گا کہ اس کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ وہ
ہمیشہ زندگی کو مقصد سے عاری سمجھتا آیا ہے۔ وہ اتنا بہادر ہے
کہ چلتا رہا ہے بغیر کسی مقصد کے۔ اور بھی چلتا رہے گا۔ وہ
پنجاب میں ہونے کی کوشش نہ کرے گا۔ وہ جلد از جلد کہیں
اور چلا جائے گا۔ وہ کوشش کرے گا۔ وہ ضرور کامیاب ہو جائے گا۔

اس وقت اسے یاد آیا کہ اس کا بٹوا اب بھی اس کی جیب میں ہے
کپڑوں کے تمام سوداگر جا چکے تھے۔ کپڑا بیچنے والے بھی اپنا
سامان باندھ رہے تھے۔ تانگے سامان پہنچانے والی تھی۔ سوک بھی
یہی لگ رہا تھا کہ وہ کہیں نہ کہیں سے اپنے لئے کچھ نہ کچھ کما لائے گا۔
پھر شیلا کہاں کی کپ چاء پی تھی۔!

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ باہر
گیس کی روشنی سے اندھیرا دور نہیں ہوا تھا۔ ہر چیز ایسی
بلکل کی طرف جا رہی تھی جیسے اس میں کوئی خاص چیز نہ ہو۔
وہ ایک ایک کر کے تمام دکانوں کو دیکھتا رہا۔ اس کی نظر
ایک دکان پر ٹھہر گئی۔ وہ دکان ایک ایسے شخص کی تھی جو
اس کے ساتھ ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ایک ایسے شخص کی
دکان تھی جو اس کے ساتھ ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ایک
ایسے شخص کی دکان تھی جو اس کے ساتھ ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔
وہ ایک ایسے شخص کی دکان تھی جو اس کے ساتھ ہی ہوٹل میں
ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ایک ایسے شخص کی دکان تھی جو اس کے ساتھ
ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ایک ایسے شخص کی دکان تھی
جو اس کے ساتھ ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ایک ایسے
شخص کی دکان تھی جو اس کے ساتھ ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔
وہ ایک ایسے شخص کی دکان تھی جو اس کے ساتھ ہی ہوٹل
میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ایک ایسے شخص کی دکان تھی جو اس
کے ساتھ ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ایک ایسے شخص کی
دکان تھی جو اس کے ساتھ ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ
ایک ایسے شخص کی دکان تھی جو اس کے ساتھ ہی ہوٹل
میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ایک ایسے شخص کی دکان تھی جو
اس کے ساتھ ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ایک ایسے
شخص کی دکان تھی جو اس کے ساتھ ہی ہوٹل میں
ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ایک ایسے شخص کی دکان تھی جو
اس کے ساتھ ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ
ایک ایسے شخص کی دکان تھی جو اس
کے ساتھ ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔
وہ ایک ایسے شخص کی دکان تھی
جو اس کے ساتھ ہی ہوٹل
میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ
ایک ایسے شخص کی
دکان تھی جو
اس کے
ساتھ
ہی
ہوٹل
میں
ٹھہرا
ہوا
تھا۔ وہ
ایک
ایسے
شخص
کی
دکان
تھی
جو
اس

ہوتی ہے۔ وہ بھی مسکرا دیئے کہ بھائی کے ملنے کی خوشی ہی ایسی ہوتی ہے۔

آنکھ کھلی تو دن چڑھ چکے تھے۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے سر کو جھٹک دیا۔ ناشتے کی ٹرے پر نظر پڑی تو ایک رقعہ رکھا تھا۔ پڑھا تو لکھا ہوا تھا۔ "ناشتہ کر لینا۔ میں کالج جا رہا ہوں۔ شام کو ملوں گا۔" اور نیچے کالے سے لکھا تھا۔ "تمہارا بھائی"۔ اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

ناشتہ کر کے میں نے کپڑے بدلے اور باہر نکل آئی۔ ٹیکسی کا انتظار کرنے لگی۔ ایک ٹیکسی آئی تو میں نے ہاتھ دے کر روکا۔ ڈرائیور نے پوچھا۔

"کہاں جانا ہے بی بی؟"

"کالج آف آرٹس۔"

"بیٹھیے۔"

میں بیٹھ گئی۔ ٹیکسی چل پڑی۔ میں نے ڈرائیور کی پشت پر لکھا ہوا دیکھا۔ "ٹیکسی نمبر ۱۳۔ ڈرائیور ناکام"۔ میں نے ڈرائیور کی گردن پر نظر ڈالی۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کا شخص تھا۔ اس کی گردن پر ایک بڑا سا تل تھا۔ میں نے اس تل پر نظریں جما دیں۔ ٹیکسی چلتی رہی۔ میں تل کو دیکھتی رہی۔ ٹیکسی رکی۔ میں نے کرایہ ادا کیا اور اتر گئی۔ ڈرائیور نے کہا۔

"شکریہ بی بی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں کالج کے گیٹ میں داخل ہو گئی۔ کالج کا وسیع و عریض رقبہ تھا۔ میں ایک طرف چلتی رہی۔ پھر ایک بنچ پر بیٹھ گئی۔ کالج کے لڑکے اور لڑکیاں ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ میں نے ایک لڑکے کو روکا۔

"ناکام صاحب کہاں ملیں گے؟"

"ناکام صاحب؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہاں کوئی ناکام صاحب نہیں ہیں۔"

"ہیں۔" میں نے کہا۔ "وہ آرٹسٹ ہیں۔"

"آرٹسٹ؟" اس نے کہا۔ "ہاں ہیں۔ وہ ڈرائنگ ماسٹر ہیں۔"

"ڈرائنگ ماسٹر؟" میں نے دہرایا۔

"ہاں۔" اس نے کہا۔ "وہ ڈرائنگ ماسٹر ہیں۔"

"کہاں ملیں گے؟"

"سامنے ہی ان کا کمرہ ہے۔"

میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ سامنے ایک کمرہ تھا۔ اس کے دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی۔ "ناکام"۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"یس۔" اندر سے آواز آئی۔

میں نے دروازہ کھولا۔ اندر ایک ادھیڑ عمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سر پر بال بہت کم تھے۔ اس نے چشمہ لگا رکھا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے کہا۔

"آئیے۔"

میں اندر چلی گئی۔ اس نے کہا۔

"بیٹھیے۔"

میں بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔

"کہیے۔"

"آپ ناکام صاحب ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب۔ میں نہیں سمجھا۔"

"میں آپ کو صحیح نہیں سمجھا تھا۔"

"کچھ۔؟"

"ہمیں ملنے آئی ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "کیا میں آ سکتی ہوں؟"

"ضرور۔" اس نے کہا۔ "آپ کا نام؟"

"میرا نام نگہت ہے۔"

"نگہت۔" اس نے کہا۔ "کیا آپ کو کوئی کام ہے؟"

"ہاں۔" میں نے کہا۔

"کیا کام ہے؟"

"میں آپ کی بہن ہوں۔"

"بہن۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "میں آپ کی بہن ہوں۔"

"آپ کی بہن۔" اس نے کہا۔ "میری بہن تو صرف ایک ہے۔"

"میں بھی ایک ہی ہوں۔" میں نے کہا۔

"آپ کا نام؟"

"نگہت۔"

"نگہت۔" اس نے کہا۔ "میری بہن کا نام نگہت ہے۔"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "میں نگہت ہوں۔"

"آپ کی عمر؟"

"پچیس سال۔"

"میری بہن کی عمر بھی پچیس سال ہے۔"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "میں آپ کی بہن ہوں۔"

"آپ کی بہن ہیں تو۔؟"

"تو کچھ نہیں۔" میں نے کہا۔ "میں آپ کی بہن ہوں۔"

"کچھ ثبوت ہے اس کا؟"

"ثبوت۔" میں نے کہا۔ "ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔"

"کوئی بھی۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"آپ کے والد کا نام؟"

"ابا۔"

"ہاں۔"

"ابا کا نام نہیں معلوم۔"

"کیا نام ہے ان کا؟"

"ابا۔"

"ہاں۔ ابا کا نام؟"

"ابا۔"

"ہاں۔ ابا کا نام؟"

"ابا۔"

"ہاں۔ ابا کا نام

"ماہر صاحب۔" وہ جذبات سے بولنے لگے تھے۔
"میں آپ سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ بھلے ہے بغیر بھلے دوں گا۔"
"ماہر صاحب۔" وہ اسی طرح گڑگڑا بھڑکا کے بولے۔
"پھر شرمندگی ہی رہے گی!"
"یہ غلط ہے ناکہ صاحب۔ پہلے ہم دوستوں پر خوشیات پر گفتگو کریں۔" میں نے کہا۔ اسی وقت ویٹر چائے اور بسکٹ لے کر آگیا اور میں چائے بنانے کے لئے آگے بڑھا۔
"میں بنا لوں گی۔" وہ بچے کو بیٹھ دیکھ کر خود چائے کی طرف بڑھ گئی۔
"بہت بہتر شکریہ۔" میں نے بے تکلفی سے کہا اور صوفے پر پھیل گیا۔ اس نے چائے کی ایک پیالی میرے سامنے رکھی اور میں سگار کر کے اسے دوسری پیالی کھلانے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ سپ لے رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سوال کیا۔
"آپ کا مستقل قیام کہاں ہے۔؟"
"میں نے آپ سے عرض کیا تھا ایک آوارہ گرد ہوں پوری دنیا میرا گھر ہے۔ کوئی ٹھکانہ نہیں ہے میرا۔ والد صاحب چند سال قبل انتقال کر گئے زندگی میں کچھ نہیں کیا۔ والد صاحب کا تھوڑا سا سرمایہ لے کر یہاں آیا تھا اسی کی یادیں بہت تلخ ہیں۔ اپنی شخصیت بدل دینا چاہتا ہوں اور ایسی کچھ کرنا چاہتا ہوں۔"
"اوہ۔" اس کے چہرے پر تاسف اور خوشی کے ملے جلے جذبات پیدا ہو گئے۔ "آپ کے دکھ سے مجھے بھی دکھ ہے۔ اب کوشش کریں گے کہ ماضی کی یادوں آپ کے دکھ سے محو ہو جائیں۔"
"شکریہ ناکہ صاحب۔ آپ کا احساس ہی بہت ہے۔ زندگی گزر جائے گی۔ میں نے حقیقت بتائی۔ آپ کا احساس بھی کیا کہ کوئی میری باتوں میں کچھ حقیقت بھی تھی۔ وہ خاموش رہی۔ چند منٹ کے بعد میں نے بل وغیرہ ادا کیا۔ "چلئے اٹھاتوں کو۔ آپ کے بھائی صاحب کا کیا نام ہے۔؟"
"آصف۔ اب تو ہی پہچان جائیں گی وہ۔ آپ ان سے ملیں گے تو خوش ہوں گے۔"
"کل کا پورا دن میرے انتظار رہے گا۔" میں نے کہا اور وہ مسکرا دی۔ پھر اس نے اجازت طلب کی۔
"دل تو نہیں چاہتا۔ لیکن آپ کو روکنے کا حق بھی تو نہیں ہے۔"

بہرحال کہی۔" میں نے کہا۔ وہ مجھ سے دوستانہ انداز میں آنے کا وعدہ لے کر اپنا تفصیلی پتہ دے کر چلی گئی اور میں دل میں میٹھی یادیں لئے ہوٹل میں سمارکر کے واپس آگیا۔ ایک خوشگوار مستقبل میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ میں اپنی زندگی کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ کاش ایسا ہو گا مجھے اس سے آگے۔ کاش۔ میرا گناہ سر پیٹ کر کہہ جو لے۔

وہ رات عجیب سحر کے عالم میں گزری۔ میں نے غیر محسوس کر دیا ہو۔ جادو بھی آنکھوں والی۔ ظاہر ہے وہ مجھ جیسے گلفام کے قابل کہاں تھی۔ اور نہ ہی۔ وہ مطلب پرست عورت۔ خدانخواستہ اگر میری اس سے وابستگی ہو بھی جاتی تو کیا ہوتا۔ وہ زندگی کے کسی لمحے میں رہنما بن سکتی تھی۔ اور اس وقت میری کیفیت ایسے مختلف ہوتی۔ میں نے دل ہی دل میں نازینہ کو بہت سی گالیاں دے ڈالیں۔ پھر مجھے ڈائنہ یاد آگئی۔ ایک خوبصورت سی ہمدرد لڑکی۔! لیکن وہ میرے لئے نہیں تھی قسمت انسان کے لئے جو فیصلے کرتی ہے وہی صحیح ہوتے ہیں۔ میں جادو فسانہ کی یادوں میں کھویا رہا تھا۔ حالانکہ شہناز وہ عورت تھی جس نے مجھے صحیح معنوں میں عورت سے روشناس کرایا تھا!

لیکن۔ دل اس کو بھی مان نہیں تھا۔ وہ مجھے شہزادہ یوسف عزیز سمجھ رہی تھی اور شاید خود میرے دل میں جگہ بنا کر ہونے والی ملکہ بنانا چاہتی تھی۔ کہ کہ اسے میری حقیقت معلوم ہو جاتی تو وہ مجھے ٹھوکر لگا بھی پسند نہ کرتی۔ اوہ۔ میں خود ٹھوکریں ایسی لڑکیوں کو جو موم کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار رہتی ہیں۔ اور پھر نہ جانے وہ سب کو ہی تھے۔ کچھ عجیب سی بادشاہت تھی! ایسے عجیب لوگوں میں میرا گزر کہاں ہوتا۔ میری یہ دنیا کیسی بھی ہے۔ میری تو ہے۔!

اس رات میں شہناز کے لئے نہ تڑپا۔ میں نے صرف ناکہ کے خواب دیکھے۔ ناکہ۔ جو راشدہ سے زیادہ خوبصورت تو نہ تھی لیکن اس کے پہلو میں تحت کرنے والا خوبصورت دل تھا۔ اس نے پہلی ہی نگاہ میں مجھے پسند کر لیا تھا اور اب۔ میرے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکی تھی اور میں اسے اپنی بھرپور محبت دوں گا۔ میں اپنا سب کچھ اس کے قدموں میں ڈال دوں گا!

انہیں خیالات میں میں سو گیا۔ اس رات صرف ناکہ میرے خوابوں میں تھی۔ میں بہاروں میں، پھولوں میں، سرسبز میدانوں میں اس کے ساتھ اٹکھیلیں کر رہا تھا۔ اپنے پسندیدہ فلمی نغمے گا رہا تھا۔ اچھل رہا تھا۔ کود رہا تھا۔ وہ بھی قدم قدم پر نئے نئے لباسوں میں میرے سامنے آ رہی تھی۔ کبھی قبائلی لباس میں، کبھی کسی دوستانہ ملاقات کے لباس میں،

کبھی بیڈمنٹن کے لباس میں۔ پھر میں نے اس کے لئے قسموں سے زیادہ بھگ کی۔ خاندان کو جو میرے شک تھا اور پھر جدائی کی تڑپ آتش بازی چلنے لگی۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔ اوہ یہ سب خواب تھا۔ کاش یہ خواب نہ ہوتا۔

میں اس خلاں خواب پر ہنس پڑا۔ پھر اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ آج کا دن بہت مصروف گزرنے والا تھا۔ شام کے پانچ بجے ہم ملنے والے تھے پھر کہاں جانا ہے اس کے انداز میں بہت غور کرتا رہا۔ حالانکہ میں کام کرتے تھے لیکن کچھ طے نہ کر سکا۔ دل نے کئی بار سوچا کہ ناکہ کو فون کر دوں لیکن بے ساختہ طبعی جھجک تھی۔ پھر ان خوشگوار لمحوں کے بارے میں سوچنے لگا وہ مجھے معاف بھی کر دیں گے یا نہیں۔؟ اس کے بھائی کے بارے میں سوچنے لگا میں کامیاب تھا۔ میری محبت قبول کر سکتا ہے۔ لیکن کیا اس کا مشن بھی قبول کر سکتا ہے۔ دل خوف سے دھڑکا۔ لیکن میں نے خود کو تسلی دی۔ جو ہونا ہے۔ ہو گا۔ کے ذہن بدل گئے ہیں۔ ماڈرن گھرانوں میں ان باتوں کی پروا نہ ہوتی ہے۔ اور پھر اس کی بہن اس کی رازدار بھی تو تھی۔ اس نے بھائی کی محبت کا یقین کرائی تھی۔ اسے اس کا بدلہ ضرور دینا چاہئے۔!

ساڑھے چار بجے میں نے کپڑے کے فون کی گھنٹی بجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ناکہ کے علاوہ اور کون فون کر سکتا ہے۔ میں نے ہڑبڑا کر ہاتھوں سے فون کا ریسیور اٹھایا اور بھنچی بھنچی آواز میں بولا۔ "ہیلو۔؟"
"ماہر صاحب۔!" دوسری طرف سے ناکہ کی آواز سنائی دی، اور میں نے سکون کی سانس لی۔
"میں ہی بول رہا ہوں۔"
"آپ ابھی چلے نہیں ہوٹل سے۔؟"
"بس چلنے والا تھا۔ لیکن۔ کیا مسئلہ ناکہ آپ نے۔ اپنے بھائی صاحب سے۔!"
"اس کی فکر آپ کو کیوں ہے۔؟ آئیے۔ ہم آپ کے منتظر ہیں۔" ناکہ کی چہکتی ہوئی آواز ابھری اور میری روح تک خوش ہو گئی اس کا مطلب ہے ناکہ نے معاملات ہموار کر لئے ہیں۔
"میں پہنچ رہا ہوں۔" میں نے کہا اور ناکہ نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ پھر میں نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ بال ایک خاص انداز سے سنوارے اور ٹوکری بک سے دوست چوکر ہوٹل سے نیچے اتر آیا۔ ٹیکسی آپ مجھے ایک دیہاتی حویلی کے سامنے لے گئے ہیں۔ میں ناکہ کے بعد شادی ہو جانے کے خواب دیکھ رہا تھا اور دنیا میں بالکل ہی بے خبر ہو گیا تھا۔

"اسلام کے بنائے ہوئے کسی قانون کی خلاف ورزی ہے۔ اجتہاد کی گنجائش ہے"
جمشید نے جواب دیا۔ اور پھر کچھ غور سے دیکھنے لگا پھر بولا
"آپ شاعر بھی ہیں؟"
"کیسے آپ کہاں سے اخذ کیا؟"
"چند لمحوں سے شبہ کی گہما گہمی سے اگر ایک بچے سے
تھے میں تھا۔ اس تھے کا نام شاہ ولی ہے۔ یہاں شاہ ولی سے آپ کی
"خوب۔" آصف نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "لیکن ہونا چاہئے
کیوں اس کی آنکھوں میں بے یقینی کی ایک جھلک نمایاں تھی۔ اسی وقت
اور دوسرا رنگ تھا۔ دونوں ہی کچھ دیکھ کر چونک پڑے۔ میں نے بھی
ہونے کی اداکاری کی تھی۔ بہر حال میں نے کھڑکی پر کوئی نہیں سلام کیا۔
(نگاہ اور آواز یہاں اٹھ گئے تھے۔ انہوں نے سیکنڈ سلام
کا جواب بھی نہیں دیا تھا اور سیٹ جوں کے توں گم ہوئے جا رہے تھے۔ وہ دونوں ہی
بے گھور رہے تھے۔!

"آپ انہیں پہچانتے ہیں؟" میں نے پوچھا
"یہ شریف زادے تو اول نمبر کے ہیں۔" آصف نے ایک آہ بھر کر کہا
"بدمعاش ہیں۔" جمشید نے تصحیح کر دی۔
"ہاں ہاں۔ یہ سکول کے زمانے کے ساتھی ہیں۔" آصف نے
شکراتے ہوئے کہا۔
"کیا یہ عابد اسے یہاں بھی کہیں سے آئے ہیں۔" میں
نے انہیں ہاں میں کر کچھ غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"شاید پیچھے آیا ہوں گے۔" آصف نے کہا "اور اسی کمپارٹمنٹ میں ہوں
آپ حضرات تشریف لا رہے تھے۔" جمشید نے پوچھا۔
"ہوں۔" آصف یہاں نے ایک گہری سانس لی۔
"بدقسمتی سے آصف بھائی۔ تمہارے دوست کوئی شریف
انسان نہیں۔" شاہ ولی نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔
"کیوں آخر۔ کیا ہوا۔" آصف نے حیرت سے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی۔" میں نے جواب دیا۔ "کچھ نہیں ہوا تھا۔"
"ہاں۔ میں یہ جانتا ہوں۔ اس نے ضرور کوئی شرارت کی ہو گی
ایک دفعہ سکول میں ہمیں بیٹھ سکتا گم ہو گیا تھا۔" آصف نے ہنستے ہوئے کہا
"کیا ہوا تھا۔ بتاؤ بھی۔" شاہ ولی نے جمشید یاں کے کہنے لگے
ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں۔ وہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔" جمشید یاں
جواب دیا۔
"آپ کو غصہ نہیں ہونی ہوگی تھی ہاں۔" میں نے پوچھا
"آپ جاگ رہے تھے۔ میرا دل چاہا کہ آپ سے پوچھوں کہ بات کیا ہے یا نہیں۔
اس لئے میں آپ کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن پھر اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی۔
"اچھا۔" ساتھ لوٹ بڑی بی بی کچھ چونک پڑیں۔
"کیا کیا تھا اس نے۔"
"کچھ نہیں۔ بس میری ہی غلطی ماری گئی تھی۔ دراصل اس کا
وقت تھا۔ میرا نہ تھا۔" بڑی بی نے کہا۔ اور میں نے دل ہی دل میں
کہا شکر ادا کیا۔ درحقیقت وہ چاہے کیا تھا سکتے تھے۔ میں نے کوئی ایسا کام
تو نہیں کی تھی جو الفاظ میں ادا کی جا سکے! آصف پھر ہنس پڑا تھا۔ جسے یہ بات
بڑی بی کے دل لگ گئی تھی۔ میری خوب خاطر مدارات ہوئی۔ آصف
درحقیقت گرگٹ تھا۔ ایسے بات کرنے والے بھائی بہن میں نے کم ہی دیکھے
تھے۔ لیکن آصف کا بار بار بھیگتا ہوا لہجہ میرے دل میں چبھ رہا تھا۔ اس کے
چہرے پر کوئی ایسی بات تھی جو میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہر حال میں نے
اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ میں تو ناکہ کی دلدہی پر مسرت مسکراہٹ میں
کھویا ہوا تھا۔ ناکہ کے چہرے پر حیا کی سرخی لہرا رہی تھی۔ اور میری آنکھوں
میں انجانے خواب۔!

آصف اس کی والدہ اور والد سے گفتگو کرتے رہے اور
میں کن انکھیوں سے ناکہ کو دیکھ کر جوابات دیتا رہا۔ اس روز میں نے بے پناہ
خوبصورت بولا بہترین اداکاری کی اور مجھے یقین ہے کہ جب بات کھانے کے
بعد میں ان سے رخصت ہوا تو ان پر بڑے اچھے تاثرات چھوڑ کر آیا تھا۔ مجھے
رخصت کرتے وقت آصف نے گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔
"کل دوپہر میں گیارہ بجے تک میں آپ سے ملاقات کروں گا ضرور
جناب۔ میرا انتظار کریں۔"
"ضرور آ کھوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور دل میں
میں پٹاخیاں لیتے ناکہ کی الوداعی مسکراہٹ سمیٹے میں واپس چل پڑا۔
ٹیکسی نے مجھے ہوٹل پہنچا دیا۔ میری خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔
رات بھر مستقبل کے سہانے خواب میں کھویا رہا۔ میں نے
فیصلہ کیا کہ تیس چالیس ہزار کا ایک خوبصورت سا مکان خرید لوں گا۔ دس بارہ
ہزار کی ایک دریا نے دے لوں گا۔ باقی رقم سے کوئی چھوٹا موٹا بزنس کر لوں گا
اور اس طرح ناکہ کے ساتھ زندگی بسر کروں گا۔ سات بجے سویرے خوابوں میں

"اور آپ سنائیے آپ۔"
"بھی شریف زادی کا اخلاق ہے آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"
نے جواب دیا۔ اور پھر بچے کے اوپر اپنے خوبصورت بچوں کو جھکتے کرتے
دیکھا کہ بے تکلفانہ کے انداز میں کہا۔ میں نے ان کی "نام بھی تو
کریں تھے۔!

دوسری صبح سویرے ہی شور تھی۔ میرا دل چاہا کہ سو کر
سے بہتر تھا کہ ناشتہ کا آرڈر دے دیا۔ ناشتہ کر رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی
بجا کر بیرے کو ناشتہ کا آرڈر دے دیا۔ ناشتہ کر رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی
بجی اور میں نے ناشتے کی میز کے ٹیلی فون کی طرف چھلانگ لگا دی۔
"ہیلو۔!" میں نے ریسیور اٹھا کر کہا۔
"سلام عرض کرتی ہوں۔!" دوسری طرف سے ناکہ کی آواز
سنائی دی۔
"جیتی رہو۔ ہمیشہ خوش رہو۔!" میں نے جواب دیا۔ اور
ناکہ کی ہنسی سنائی دی۔
"خوب۔ خوب۔ یہ ہر گھڑی کیا آگئی۔!" اس نے پوچھا۔
"رات کا خواب دیکھنے کے بعد۔!"
"اوہ۔ تو آپ خواب بھی دیکھتے ہیں۔!"
"ہاں۔ اب دیکھنے لگا ہوں۔ حسین خواب۔ زندگی سے
آباد۔!"
"لیکن خواب دیکھنے سے بزرگی کیوں آگئی۔!"
"رات کو میری عمر سترہ برس ہو گئی تھی۔ میں نے اپنا خوبصورت
مکان دیکھا اس مکان میں زندگی مسکراتے دیکھی۔ جو میری شریک حیات
کے قدموں سے جگمگا رہی تھی۔ ہاں ایک حسین صورت جنت بھری نگاہوں
سے میری منتظر تھی۔ میں نے اسے دل میں بٹھا لیا۔ وہ قدم قدم پر میرے ساتھ
تھی۔ پھر۔ ہمارے بچے مکان کے صحن میں کھیلنے لگے۔ ایک دو تین چار
اب آپ جانتی ہیں کہ بال بچوں والے آدمی میں تھوڑی بہت سنجیدگی تو ہونی
ہی چاہیئے۔!"
ناکہ شرمیلی ہنسی ہنس رہی تھی۔ پھر اس کی شرگیں آواز سنائی دی
"تب تو میری طرف سے مبارکباد قبول کریں۔"
"شکریہ۔ اور آپ بھی۔" میں نے جرأت کر کے کہا۔
"مارو صاحب۔!" اس نے شرما یا ہوا سا احتجاج کیا۔
"کیوں۔ آپ کو میرے بچے پسند نہیں آئے۔!" میں نے
بدستور شوخی سے کہا۔

ہیں ۔۔۔ میں نے ایک جملے سے کہ تم نہیں تمام کر پائی تھیں کہ
کس بات کو کہنا چاہتی تھیں

"ہاں ۔۔۔" آصف نے صوفے پر ڈھنے ہوئے کہا اور
کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک صوفے کی طرف بڑھ گیا

"اس کی بات تو بعد میں ہوگی اور ہو گی بھی طویل
تھا ۔۔۔" وہ رکا اور پھر بولا ۔۔۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے
یہ کیسے کہا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو ۔۔۔ آپ نے یہ کیسے
پیدا کی ۔۔۔"

"میں شریف عورتوں کو نہیں جانتا چاہیے ۔۔۔ اور پھر آپ تو ذات شریف
ہیں ۔۔۔" اس نے کہا اور ہنس کر قہقہہ لگانے لگی۔

"اور شریف ۔۔۔ مائی گاڈ ۔۔۔" اس نے چلا کر
دیکھتے ہوئے کہا ۔۔۔ "آخر یہ پولیس والوں کا بھی تھا ایک
جاتا تھا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے ۔۔۔ میں خواہ مخواہ ہی ڈر گیا تھا چنانچہ
اس نے خود کو مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھی ۔۔۔ اس شریف کی اتنی بہت خوبصورت بیوی ہیں"

"ہاں ۔۔۔ اور ان بوٹے ہوئے ۔۔۔" اس نے ہنستے ہوئے
کہا اور میں پھر تمہاری شکل دیکھنے لگا ۔۔۔ "کاش میں تمہاری
کی پشت سے گولی نکال کر باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

"اس ہاں ۔۔۔ اول تو قوۃ ۔۔۔ میں آپ کی جان کی دشمن
کرنا چاہتی ہوں گا ہوں ۔۔۔ میں نے جلدی سے گفتگو کے بیچ میں
بھنے کا اور مسکرا دیا ۔۔۔ "پھر کے آپ پر میرے کوئی وار کرنے اور اس
کے ساتھ کچھ اور بھی چیزیں لانے کے لئے بھی کہا ۔۔۔ کہ بہت دن کو کوا کو سنبھال
رہا تھا ۔۔۔ لیکن وہ تھا کہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا ۔۔۔ ویسے میں اس کو اس بات
تھا کہ ناکہ نے مجھے اپنے بھائی کے بارے میں تفصیل نہیں بتائی تھی ۔۔۔ وہ
اس وقت بہت بھیانک ۔۔۔ ایک مجرم کو پولیس والے کی بیوی سے کچھ مشق
نہیں کرنا چاہیے ۔۔۔!

پھر دوبارہ اس کے سامنے آ بیٹھا ۔۔۔ وہ عجیب انداز میں
مسکرا رہا تھا ۔۔۔ لگتا ہے اس کے مسکرانے کا انداز ہی ہو ۔۔۔ میں نے خود کو
کتنی ہی بار اس کے سامنے خوفزدہ ۔۔۔ کرنے کا موقع نہیں دینا
چاہیئے تھا ۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کافی لے آیا ۔۔۔ اور میں نے کافی پیکر

اس کے ہاتھ سے لے لی ۔۔۔ اور سوچنے لگی ۔۔۔ یہ ہاتھ ہلکا
اور وہ ہر چیز کے ۔۔۔ ہاتھ نقصان کر سکتا ہے ۔۔۔ میں بھی اس کے ساتھ شریف
تھا ۔۔۔ لیکن اس کی بے تکلفی دیکھ کر مجھے بھڑکانے تھے ۔۔۔ دل ہی دل میں
سوچا تھا ۔۔۔ کوئی کی دو یا تین مہینے کے بعد اس نے ایک ٹیلی فون کا ۔۔۔ اور
سننے کے تمام تر ثبوت فراہم ہو گئے تھے ۔۔۔ پھر اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا

"بہت وقت ہو گیا ہے ۔۔۔ اب کچھ کام کی باتیں ہو جائیں
کام کی باتیں ۔۔۔" میرا دل پھر اڑنے لگا ۔۔۔ لیکن میں نے
پھر اپنی بزدلی پر لعنت بھیجی ۔۔۔ ممکن ہے وہ میری اور ناکہ کی زندگی کے
بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہو ۔۔۔ آخر ایک جوان حسین کلیجے کا مقصد جاننے

"فرمائیے ۔۔۔؟" میں نے پھر سنبھالا لیتے ہوئے کہا۔

"ناکہ سے آپ کی ملاقات ٹرین میں ہی ہوئی تھی ۔۔۔؟"

"ہاں ۔۔۔!"

"بہت مختصر وقت میں آپ نے اس قدر متاثر کر لیا
"میں ناکہ بے حد نیک دل خاتون ہیں ۔۔۔!" میں نے شائستگی
ہوئے کہا۔

"ہاں ۔۔۔ وہ بے حد معصوم ہے ۔۔۔ اور ۔۔۔ آپ اسکے بھائی
اس کا چہرہ بدل گیا اور میں بلاشبہ صوفے سے ایک فٹ اونچا اچھل پڑا ۔۔۔
نہ پائے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"میں کل ہی آپ کی شکل دیکھ کر چونکا تھا مسٹر مارٹن ۔۔۔!
لیکن میں تصدیق کر لینا چاہتا تھا ۔۔۔ آج میں نے اس شہر سے آنے والی ہوائی پورٹ
کا فائل نکلوایا ۔۔۔ اس میں آپ کی تصویر دیکھی اور پوری طرح اطمینان کر لینے
کے بعد یہاں آیا ہوں ۔۔۔!"

میرے پورے بدن کا لہو خشک ہو گیا تھا ۔۔۔!

"آپ اپنی فرم سے چھیاسی ہزار روپے کا کمیشن اڑا کر فرار ہوئے
ہیں ۔۔۔ پورے ملک میں آپ کی تلاش جاری ہے ۔۔۔ ہر شہر میں آپ کی تصویر
اور حلیہ بھیجا گیا ہے ۔۔۔ آپ کی فائل میرے پاس موجود ہے ۔۔۔ کیا پیش
کروں ۔۔۔؟" اس نے سوال کیا ۔۔۔ میں بھلا اس سوال کا کیا جواب دیتا ۔۔۔ میرا
دل چاہا کہ اٹھ کر بھاگ جاؤں ۔۔۔ لیکن بدن میں اتنی سکت نہ تھی کہ ہل
بھی سکتا ۔۔۔ بھاگنا تو دور کی بات ۔۔۔!

"مجھے افسوس ہے کہ بے وقوف ناکہ آپ سے متاثر ہو گئی مجھے
دکھ ہے کہ اس کا نازک دل ٹوٹ جائے گا ۔۔۔ لیکن آپ کی حقیقت معلوم
ہونے کے بعد بھی وہ آپ پر لعنت سے تھوک دے گی ۔۔۔ کہئے مجرم کے ساتھ

میرے گھورنے کے باوجود آ رہے تھے ۔۔۔ لیکن میں اس سے بے پروا تھا ۔۔۔
یہاں تک کہ پولیس اسٹیشن کی عمارت میں داخل ہو گئی ۔۔۔ پولیس والوں
نے مجھے باوردی دیکھ کر سلیوٹ کیا ۔۔۔ اور آگے بڑھ گئے ۔۔۔ پھر ایک
میں آصف کے دفتر میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا ۔۔۔ اور آصف میرے
فائل پڑھ رہا تھا ۔۔۔ پھر اس نے گھنٹی بجا کر سارجنٹ کو اندر بلایا۔

"مجرم کو اطلاع دو کہ ڈپٹی کمشنر کا مجرم ہاؤس پہنچ گیا ہے۔
سارجنٹ سلیوٹ مار کر چلا گیا ۔۔۔ اور آصف نے ایک سگریٹ سلگائی اور اس کے گہرے گہرے کش لینے لگا۔

"کیا یہ تمہارا پہلا قتل ہے ۔۔۔؟"

"میں سر ۔۔۔؟" میرا منہ کھل گیا ۔۔۔ اور گردن جھکا کر رہ گیا۔
اور میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے ۔۔۔ میں اس کی بات
کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

"جواب دو ۔۔۔ اور کہاں کہاں کیسز کئے ہیں ۔۔۔ کتنے لوگوں کو
گئے ہو یا نہیں ۔۔۔؟"

"میں مجرم نہیں ہوں انسپکٹر صاحب ۔۔۔ میں مجرم نہیں ہوں ۔۔۔"
میں رو پڑا ۔۔۔ "مجرم تو ہے جس نے مجھے ٹھکرا کر اختر بیگ سے شادی کر لی
صرف اس لئے کہ مجھے سامنے تین سو روپے تنخواہ ملتی تھی اور اسے گیارہ سو
میں نے یہ رقم صرف اس لئے حاصل کی تھی کہ کسی پرسکون گوشے میں پرسکون
زندگی گزار سکوں ۔۔۔!" میں نے روتے ہوئے بتایا۔

"کیا نام لیا ۔۔۔ اختر بیگ ۔۔۔ یہ کون ہے ۔۔۔؟" آصف نے
کے اوراق الٹتے ہوئے کہا۔

"مشہور بزنس مین اکاؤنٹنٹ ۔۔۔؟" میں نے جواب دیا ۔۔۔ اور
اس نے گردن ہلائی۔

"ہاں ۔۔۔ تمہاری جگہ وہی تھا تمہارے میں بند ہے ۔۔۔" آصف نے کہا۔
اور اس افتاد میں پہلی بار میرے دل میں خوشی کی ایک لہر بیدار ہو گئی۔
اختر بیگ تھانے میں بند ہے ۔۔۔ اس کی شادی کا نتیجہ نکل گئی ۔۔۔ مجھے
اس خبر سے بہت خوشی ہوئی۔

"اصل مجرم کو ہی دونوں میں انسپکٹر صاحب ۔۔۔! انہوں نے ہی
مجھے اس کام کے لئے مجبور کیا تھا۔"

"ہوں ۔۔۔ تو تم کسی تدریجہ سے بھی عشق وغیرہ اچھے ہو اور میری بیوی
کو بھی دھوکہ دے رہے تھے ۔۔۔ مجھے بے وقوف ناکہ پر بھی غصہ ہے ۔۔۔ اس کے
دل نے تمہیں کیسے قبول کیا ۔۔۔ اگر یہ اس شہر کی پولیس کا معاملہ ہوتا تو وہ

تو میں کچھ سمجھ نہیں سکتی تھی کہ کون سی بات کی تردید کر رہا ہے۔ اس لیے خاموش رہی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں آیا تھا۔ اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا تھا۔

"تم نے کچھ کہا تھا۔" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "میں نے کہا تھا کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔"

"اور میں نے کہا تھا کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "اس کے بعد کیا ہوا تھا؟"

"اس کے بعد تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "اس کے بعد کیا ہوا تھا؟"

"اس کے بعد میں نے کہا تھا کہ میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "اس کے بعد کیا ہوا تھا؟"

"اس کے بعد تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے شادی کرو گی۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "اس کے بعد کیا ہوا تھا؟"

"اس کے بعد میں نے کہا تھا کہ میں بھی تم سے شادی کروں گا

سلامت آ گئی ہے۔ میں ابھی لیتی آؤں گی۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑی اور چلی گئی۔ میں نے اس کی پشت کو دیکھا۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ وہ اس کے شوہر کی نہیں بلکہ کسی اور کی بچی ہے۔ اس کے شوہر کی بچی تو اس کی گود میں تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ لڑکی واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک پیالہ تھا۔ اس نے پیالہ میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ مسکرائی اور پھر اس نے اپنی بچی کو گود میں لے لیا۔ اس کا شوہر بھی وہیں آ گیا۔ وہ بھی مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"آپ کا شکریہ۔ آپ نے ہماری بچی کی جان بچائی ہے۔"

"نہیں۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ تو اللہ کی مرضی تھی۔"

"پھر بھی آپ کا شکریہ۔ ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"کچھ نہیں۔ میں نے کہا۔ "میں تو یہاں سے گزر رہا تھا۔ اتفاق سے بچی کی چیخ سنی تو اندر آ گیا۔"

"پھر بھی ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "اب میں چلتا ہوں۔"

"آپ کہاں جائیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"کہیں بھی۔ میں نے جواب دیا۔ "میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"پھر کہیں سے ہو۔"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "ہم تو ہیں ہی آوارہ گرد۔ یوں کہو کہ آوارہ گردی ہمارا پیشہ ہے۔"

"بیٹھ جائیے۔" اس نے کہا۔ "ہم آپ کو اتنا جلدی نہیں جانے دیں گے۔"

میں بیٹھ گیا اور پیالہ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ اس میں دودھ تھا۔ میں نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ وہ لڑکی اور اس کا شوہر مجھے دیکھتے رہے۔ پھر لڑکی نے کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام۔" میں نے کہا۔ "میرا نام ہے۔ میرا نام ہے۔ میرا نام ہے۔"

"کیا آپ کا نام بھول گئے ہیں؟" لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں۔

"کیوں نہیں۔ ابھی اسی وقت۔ مگر یہاں سے کہاں چلو گے اب رات ہو گئی ہے۔"

"کہیں بھی ہوٹل میں۔ کسی بھی ہوٹل میں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ویسے یہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔ یہاں ہمارا پکڑا جانا کچھ ایسا مشکل بھی نہیں ہے۔"

"فضول باتیں مت کرو یار۔ یہ بتاؤ کہ چلو گے یا نہیں۔"

"اچھا اچھا۔ ناراض مت ہو۔ چلو۔" اس نے کہا۔

"تمہارا کیا ہوگا جمالی۔" میں نے فکر کے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تمہیں یہ لوگ اب کبھی بھی نہیں چھوڑیں گے۔ یہ لوگ اب تمہیں سلاخوں سے باہر نہیں رہنے دیں گے۔ ایسا کرو تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ ہم تمہیں بھی لے چلیں گے۔"

"نہیں۔ میں نہیں جا سکتا۔ میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں یہیں رہوں گا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ میں بے قصور ہوں۔ میں کیوں بھاگوں۔ میں کیوں چھپوں۔ میں کیوں ڈروں۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں کسی سے نہیں چھپتا۔ میں کسی سے نہیں بھاگتا۔ میں یہیں رہوں گا۔ میں یہیں رہوں گا۔" وہ بڑبڑاتا رہا۔

"سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے کہا۔ اور پھر اس نے سیٹ پر رکھے ہوئے اخبار میں منہ چھپانے کی کوشش کی۔ اخبار سے اس کا چہرہ چھپ گیا۔ اس نے اخبار کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ اخبار کی سرخی پر نظر پڑتے ہی اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے اخبار کو مٹھیوں میں بھینچ لیا۔ اخبار کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس نے اخبار کے ٹکڑے کھڑکی سے باہر پھینک دیے۔ اس کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔ اس نے دانت پیس کر میری آنکھوں میں دیکھا اور پھر میری گردن پکڑ کر مجھے باہر دھکیل دیا۔ میں گرتے گرتے بچا اور سنبھل کر خونخوار نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ میرے خیال میں یہاں ہر شخص ہمارا دشمن ہو گا۔ ہر شخص ہمیں گرفتار کروانے کی کوشش کرے گا۔ ہر شخص ہمیں پکڑوانے کی کوشش کرے گا۔ ہر شخص ہمیں پکڑوا دے گا۔ ہر شخص ہمیں پکڑوا دے گا۔ ہر شخص ہمیں پکڑوا دے گا۔

"میں نے تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس کے بعد بھی تم مجھ سے ہمدردی کی توقع کرتے ہو۔ تمہارے کھائے ہوئے مرکی کا گوشت غصہ آنے لگتا ہے۔" اس نے کہا۔

"تم۔ مگر یہ کوئی جگہ ہے۔؟"

"یہاں سے تقریباً ایک میل دور ہے جہاں تم بندھے تھے۔" اس نے جواب دیا۔

"اوہ۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ یہ ایک میل کا سفر اس دوران طے ہوا تھا جب اس نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھا تھا اور میں چند قدم لڑکھڑایا تھا۔ چند لمحات تو میں حیران اور خوفزدہ رہا۔ پھر میرے دل کے تاریک گوشوں میں مسرت کی ایک لہر اٹھی۔ میں ایک ایسی آسرا کا دوست بن گیا تھا جو مافوق الفطرت تھی اور سب کچھ کر سکتی تھی۔ مجھے ایک بہت بڑا سہارا مل گیا تھا۔ چنانچہ اب میرے چہرے پر تشفی و خوشی اگھر آئی۔

"تم۔ تم بے حد عظیم ہو میرے دوست۔ مجھے۔ مجھے دوستی پر فخر ہے۔" میں نے کہا۔

"تب پھر وعدہ کرو کہ میری ہر بات پر حیرت کا اظہار نہیں کرو گے۔"

"اوہ۔ اچھا۔" میں نے اس کے ہاتھ کو گرمجوشی سے تھامتے ہوئے کہا اور وہ مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔

"اب یہ بتاؤ۔ رات کہاں گزاری جائے۔؟ تمہاری دنیا کے آداب بھی تو مجھے معلوم نہیں ہیں۔"

"ایک بات بتاؤ۔؟"

"ہاں ہاں۔ پوچھو۔"

"کیا تم دولت بھی پیدا کر سکتے ہو۔"

"کیوں نہیں۔ کیا چاہیے۔؟" اس نے پوچھا۔

"تھوڑی سی کرنسی۔ کچھ سامان۔"

"سامان کی فہرست بتاؤ۔!"

"بھئی ایک سوٹ کیس۔ ہم دونوں کے کچھ لباس وغیرہ دنیا کے مطابق۔!"

"اسم۔" اس نے اپنے بائیں ہاتھ کو منہ کے قریب لا کر کسی کو آواز دی اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اور پھر تاریکی سے ایک دبلا پتلا آدمی نمودار ہو گیا۔ اس نے ایک میلا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنا ہوا تھا۔ "دو سوٹ کیس جن میں ہم دونوں کے کپڑے لباس موجود ہوں اور کرنسی۔ جلدی۔" اس نے آرڈر دیا۔ اور اسم نے گردن جھکا دی۔ پھر وہ اس طرح غائب ہو گیا جیسے وہ

کیا تھا۔

"یہ کون تھا۔" میں نے پوچھا۔

"اوہ۔ اسم۔ یہ میرا خادم ہے۔ یہیں سے میرے ساتھ ہے۔ بے پناہ جنات کا مالک ہے۔ اور ایک دلچسپ بات بتاؤں۔ یہ بھی میرے ساتھ ہے کی وجہ سے ہی ہے۔ اسی نے تو مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔"

"اوہ۔" میں نے گردن ہلائی۔ اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ میرے ہم میں عجیب سی سنسنی دوڑ رہی تھی۔ کیسا انوکھا دوست ملا تھا۔ کیسی دلچسپ زندگی گزرے گی اس کے ساتھ۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میری زندگی کے تمام دکھوں کا ازالہ ہو گیا ہو۔ جیسے اب مجھے کوئی گزند نہ پہنچے گی۔ اس کے ساتھ چلتے ہوئے میں نے کچھ فیصلے کیے۔ زندگی کی گہما گہمیوں میں بڑی طرح دلچسپی لی جائے۔ ہر قسم کے ماحول سے لطف اندوز ہوا جائے۔ اسی طرح طاقت سے دوستی قائم رہ سکتی ہے۔

ہم چلتے رہے۔ پختہ اور پکی سڑک دور تک بچھی ہوئی تھی۔ خوبصورت لگ رہی تھی۔ وقتاً فوقتاً میں اپنی پشت پر قدموں کی چاپ سنتا رہا۔ اور میں چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔

اسم تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں وزنی سوٹ کیس لٹکے ہوئے تھے۔ میں تھوڑی نکل کر رہ گیا۔!

"چلتے آؤ۔" طاقت نے کہا اور پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔

"کتنی دور چلنا ہے۔؟"

"کسی بھی ہوٹل چلیں گے۔ میرا خیال ہے یہ فیروز ہوٹل ہے۔"

"ریان۔ بولو۔" طاقت نے جیسے مجھے کہا۔ اور مجھے ایک دم شعور کی روشنی ملی۔ میں سمجھنے کے لیے جھکا ہی تھا کہ طاقت نے مجھے سہارا دیا اور میں سنبھل گیا۔ لیکن اتنی دیر میں منظر بدل چکا تھا۔ سامنے ہی فیروز کے نیون سائن جگمگا رہے تھے۔ میں بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اسم بھی غائب تھا اور سوٹ کیس ہمارے قریب رکھے ہوئے تھے۔ میں نے حیرت کا اظہار نہیں کیا اور طاقت مجھ سے بولا۔

"اب کیا کرنا ہے۔؟"

"تم یہاں رکو۔ میں اندر جا کر کمرہ بک کرتا ہوں۔ اور پھر تمہیں لے جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اور تم۔ کرنے کا کرایہ ادا کرنا پڑے گا۔"

"اوہ۔ تم تمہاری جیب میں موجود ہے۔ جاؤ۔ جاؤ۔" اور میں نے آگے بڑھ کر سوٹ کیس اٹھا لیے۔ پھر جیب میں رکھی ہوئی نوٹوں کی گڈی نکالی۔ اندر سو کے نوٹوں کی چار گڈیاں تھیں۔

"چالیس ہزار۔" میں نے نوٹوں کی گنتی کی اور پھر بولا۔

"کم بھی تو سو کیس سے نکال دوں۔" طاقت نے پوچھا۔

"ہاں۔ نہیں نہیں۔ بہت کچھ ہے۔ بہت کچھ ہے۔" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ میرے قدم سیدھے نہیں پڑ رہے تھے۔ میں جیسا اس وقت گھبرایا ہوا تھا اگر کوئی اور ہوتا تو ایک سو اسی ڈگری کا چکر کھا جاتا۔ میرے ہاتھ میں ایک اٹیچی کیس تھا اور بریف کیس تھا۔ میں نے سوچا کہ کم ہوں تو اور دوں۔ میری خوشی کا کیا ٹھکانہ تھا۔ میرے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اب میں محفوظ تھا۔ میرے ساتھ ایک طاقتور دوست تھا۔ زندگی میرے بس میں ہو گی کہ کر ہر پہنچ گیا۔ کاؤنٹر کلرک نے مجھے سرسری نگاہوں سے دیکھا۔

"ڈبل روم۔" میں نے کہا اور اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا

"کہیں باہر سے تشریف لائے ہیں۔؟"

"ہاں۔" میں نے کہا۔

"ہمارے ہاں کب بہت ہوگے ہو آپ۔؟"

"برخوردار مت کرو۔ سلام بک کرو۔ اور کرایہ ادا کرو۔" میرا پارہ چڑھ گیا تھا۔ وہ پھر جھک گیا۔ اور پھر اس نے بھی گھورتے ہوئے ایک رجسٹر اٹھایا۔ اس میں اندراجات کیے۔ اور پھر بولا۔

"دو سو ساٹھ روپے۔ کل شام تک کے لیے۔"

"ہم زیادہ وقت نہیں لیں گے۔" میں نے کہا۔ اور دو سو ایک گڈی نکال کر اس میں سے دس نوٹ کھینچے۔ اور کلرک کی طرف بڑھا دیے۔ کلرک دیکھ کر ہی پھول چکا تھا۔ "تم جا سکتے ہو۔ اور یہ تمہارا ٹپ ہے۔" میں نے ایک نوٹ مزید کھینچ کر اس کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو۔ تھینک یو۔" کلرک بوکھلا کر بولا اور پھر جلدی سے اپنے کیبن سے باہر کے دروازے کی طرف لپکا۔ "جی جناب۔ سامان اٹھا کر لاؤ۔ جلدی کرو۔" اور پھر وہ ایک جھاڑی اٹھا کر میرے سامنے نکل آیا۔ "تشریف لائیے جناب والا۔ آئیے۔ بہت خوشی ہوئی آپ کی خدمت کر کے۔ شاندار کمرہ ہے آپ کا۔" وہ جھک کر بولا۔ اور میں نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ کلرک آگے آگے چلتا ہوا ایک کمرے کے سامنے رکا۔ اور پھر اس نے دروازہ کھولا۔ طاقت بھی پیچھے پیچھے اندر داخل ہوا۔ طاقت بدستور سوٹ کیسوں کے قریب کھڑا تھا۔ اور کلرک اس کے نزدیک پہنچ گیا تھا اور کلرک اشارہ کر رہا تھا۔ پھر میں نے

میری طرف دیکھا اور بولا۔

"میں سمجھا نہیں جناب۔؟"

"ہاں۔ ٹھیک۔" میں نے کہا اور اس نے جھک کر دونوں سوٹ کیس اٹھا لیے۔ "آؤ دوست۔" میں نے طاقت کی طرف رخ کر کے کہا اور وہ میرے ساتھ چل پڑا۔ جب ہم دونوں کمرے کے پاس پہنچ گئے تو وہ اتنی خوبصورت تھا کہ میں نے ایک بار تو یہ بات کی کہ چلا جاؤں۔ پھر اس نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"کسی چیز کی ضرورت ہے جناب؟"

"ہاں۔ اگر میں تمہیں کوئی انعام دینے کی پیشکش کروں تو؟"

"ابھی میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ اور سر صاحب مجھے آدھی رات کو انعام دیں گے۔"

"کیا مطلب۔" میں نے چونک کر دیکھا۔ اور اس وقت طاقت نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"ہم۔ میرا مطلب ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ مجھے نہیں دیکھ سکتا۔" طاقت نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ میں چونک پڑا۔ پھر میں نے ایک نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"وہ بھی تمہارے ہوں گے۔ تم دونوں کے لئے کافی ہیں۔"

"بہت بہتر۔" ہیٹر نے جھک کر ایک بار پھر ہم دونوں کو ہدایات دیں اور باہر چلا گیا۔

"ٹھیک ہے دوست۔ سامان وغیرہ میں دیکھ لوں گا۔ بس اب تم جاؤ۔" میں نے پورے کپڑے بھی سوٹ کیس میں رکھ دیئے تھے۔ کیونکہ اس سے پہلے نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ پھر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ پھر وہ جھک جھک کر سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا اور میں نے گہری سانس لے کر طاقت کی طرف دیکھا۔

"تم وہ لوگ نہیں دیکھ سکتے۔؟"

"کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا سوائے اس کے جسے میں چاہوں۔ اور میرا خیال ہے دیکھنا بھی نہیں چاہیئے۔ کیونکہ ہم دونوں بہت مشکل میں ہیں اور ہمیں دوگنی طاقتوں کی ضرورت ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ طاقت تولیے کی طرف بڑھ گیا اور میں نے دونوں سوٹ کیس کھول دیئے۔ ان میں بے شمار سوٹ قمیص اور پتلونیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک سے ایک اعلیٰ سوٹ تھا۔ ایک سے ایک قمیص تھی۔ طاقت نے ایک سوٹ نکال لیا۔

"اسے پہننے میں میری مدد کرو۔ میں نے ایسا کپڑا کبھی نہیں پہنا۔"

"ضرور۔ لیکن یہ وعدہ بھی کرنا ہوگا۔ اس وقت تو نہیں۔"

لباس پہنو۔"

"کونسا ہے۔ مجھے بتاؤ۔" اس نے کہا اور میں نے ایک سلیٹی سوٹ نکال کر دے دیا۔ سلیٹی سوٹ اس نے اطمینان سے پہن لیا اور پھر آئینے میں خود کو دیکھنے لگا۔ میرا اور اس کا جسم یکساں تھا۔ اس لئے کوئی بھی لباس کوئی بھی پہن سکتا تھا۔ میں نے بھی سلیٹی سوٹ پہنا اور پھر ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"کیا لگ رہا ہے حلق۔؟" اس نے مجھے میرے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔!

"میں بھی کسی زندہ انسان کی حیثیت میں محسوس کر رہا ہوں۔"

"خوابوں سے نکل آؤ میرے دوست۔ میں حقیقت ہوں۔ اپنے بارے میں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ ایک نئی زندگی سے دشمنی کرنے میں میری معاونت کرو۔ ہم دونوں مل کر زندگی کی تمام خوشیاں سمیٹ لیں گے۔"

"کاش میں تمہارے سہارے پر بھروسہ کر سکتا۔ اور تم مجھے کبھی نہ چھوڑو۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ ہماری دوستی کچی نہیں ہے۔ ہمارے درمیان ایک گہرا رشتہ قائم ہے۔ اس لئے دل سے دل سے نکال دو۔ تمہاری ہر تکلیف میری ہوگی۔ راتوں میں ہم شانہ بشانہ ہوں گے۔"

"مجھے تمہاری دوستی پتا ہے۔" میں نے کہا۔ اور طاقت چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا جہاں قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔ پھر اس نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔

"آجاؤ۔" میں نے کہا اور ہیٹر ایک ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آگیا۔ ٹرالی پر کچی کسی سے کافی کی اشتہا انگیز سوندھی سوندھی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ طاقت نہ زدہ سے سانس کھینچنے لگا۔

"اچھی خوشبو ہے۔" اس نے ہیٹر سے کہا اور میں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن میرے طاقت کی آواز پر توجہ نہیں دی تھی۔

"وہ میری آواز بھی نہیں سن سکتا۔" طاقت نے تبصرہ لگاتے ہوئے کہا اور پھر دیئر گردان جھکا کر واپس چلنے لگا۔

"سنو۔ تم اسے کچھ نہ دو گے۔ میرا خیال ہے اسے بھی یہ نوٹ دو۔" اور میں نے دیئر کو آواز دی۔ گردن سے ایک نوٹ نکال کر

اس کے حوالے کیا اور دیئر کا منہ پھیل گیا۔ وہ ایک دم مستعد ہو گیا۔

"اور کوئی ہیز خدمت۔؟"

"نہیں بس۔ شکریہ۔" میں نے کہا۔ اس نے سلام کیا اور باہر نکل گیا۔!

طاقت کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ یہ چمک بہت پسند ہے۔ اس کی آنکھوں میں کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی خوشی بکھر جاتی ہے۔ ان لمحوں کا اس دنیا میں کیا عجیب تقدس ہے۔"

"ہاں میرے دوست کائنات کے یہ حقیر لمحے زندگی کی تمام خوشیاں سمیٹے ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں ان لمحوں کے سامنے حقیر ہے۔"

"کیسی نرالی بات ہے۔؟"

"یہ دنیا ہی عجوبات سے بھری پڑی ہے۔ تمہاری دنیا کے عجوبات اس سے مختلف ہوں گے۔ اس سے انوکھے نہ ہوں گے۔!"

"میں ہر لمحہ دیکھوں گا۔ اور تم میرا ساتھ دو گے۔"

"میں اس وقت تک تمہارا ساتھ دوں گا جب تک تم پسند کرو گے۔"

میں نے جذباتی انداز میں کہا اور اس نے گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ پھر وہ ٹرالی کی طرف متوجہ ہو گیا اور ایک ایک چیز چکھنے لگا۔ چند چیزیں اسے بہت پسند آئی تھیں۔ میں بھی اس کے ساتھ کھا رہا تھا۔ پھر میں نے اسے کافی بنا کر دی اور اس نے کافی کی کچھ پیالیاں پی ڈالیں۔

"بہت عمدہ چیز ہے۔ مجھے بہت پسند آئی۔" اس نے کہا۔ اسے تمام چیزیں عجیب لگ رہی تھیں۔ رات کے تین بج گئے تھے اور پھر اس نے کئی کپ کافی پی لی تھی اس لئے نیند بھاگ گئی تھی۔ اہم ہم اپنا اپنا بستر پر پہنچ گئے۔ وہ فوم کے نرم بستر پر لیٹ گیا۔

"نیند تو نہیں آ رہی۔؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں ہوشربا واقعات کے بعد نیند کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تم سے ملاقات کی خوشی اس آسانی سے برداشت نہیں ہوگی اور پھر ہم نے جو چیزیں پی ہے وہ نیند بھگانے میں کیسہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔" وہ ہنسنے لگا۔ پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔ "کل کا کیا پروگرام ہے۔ سیر کرنے چلو گے۔؟"

"جہاں تم کہو گے چلوں گا۔ تمہاری ہر خوشی مجھے عزیز ہے۔" میں نے کہا۔

"شکریہ۔ تم نے کبھی مجرموں کی کہانی سنی ہے۔ مجھے سنا سکو گے۔؟ اس نے پوچھا۔ میں نے کہا۔ "ہاں سنی ہے۔ لیکن کیا تم اس کے بارے میں جانتے ہو گے۔؟"

"ہاں۔ میں نے ایک مجرم کی کہانی سنی تھی۔ اس کے بارے میں بتاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔ سنو۔" میں نے کہا اور پھر اس کے بارے میں بتانے لگا۔ "یہ ایک مجرم کی کہانی ہے۔ اس کا نام ہے۔ ایک مجرم کی کہانی۔ اس کا نام ہے۔ ایک مجرم کی کہانی۔ اس کا نام ہے۔ ایک مجرم کی کہانی

نقصان پہنچایا ہو۔ عام حالات میں تو ایسا نہیں معلوم ہوتا لیکن ایک گھنٹے کا تو جواب ہے۔ اس کی وجہ سے آدمی کو بڑے سے بڑے کام سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے آدمی کو بڑے سے بڑے کام سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔ پولیس کو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیا؟ کیا خدا نہ میری بگڑی ہوئی آپ کسی دوست کی کوئی اہمیت نہیں ہے

وہ سیدھے راستے میں ایک زبردست بھونچال پیدا ہو گیا تھا۔ دنیا کے تمام سوتے پھوٹ پڑے۔ طاقت کا کرب گیا۔ حباب ایک سادہ سا مانا تھا۔ یہاں تک کہ بچوں کو بھی سمجھ لیا تھا۔ ہر شخص اپنی شخصیت میں ایک نیا پن محسوس کرتا تھا۔ درحقیقت سیدھے راستے پر چلنے نے ان کی انا کو بالکل بے داغ کر دیا تھا۔ اب یہ آسان اچھا تھا یا ٹیڑھے راستے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

"سوگئے۔" کچھ منٹ کے بعد طاقت کی آواز ابھری۔

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"سونا چاہیے تھا۔"

"سونا کیسے؟"

"خوب۔" طاقت بھی کسمسا کر رہ گیا۔ "کیا سوچا؟"

"میں کروں گی۔ لگائے گا دوں گی اور اس سے اللہ اللہ خیر سلا۔"

"ہنہ۔" وہ خوشی سے ہنسی۔ اور اپنی سہیلی سے کوئی گہری مسکراہٹ آگئی۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" وہ پھر سیدھے راستے کے ساتھ ٹیڑھے راستے کا مقابلہ کرنے لگے تھے۔ ہر بات سے بغاوت کی بو آتی تھی۔ ماضی کو جھوٹ دے کر نکالا جا رہا تھا۔ اگر کچھ باقی رہ گیا تھا تو بے انتہا محبت۔ طاقت بے تکلفی میں بھی کچھ تکلف کرنے لگا تھا۔ بہرحال بھی اس کی بے تکلفی پسند آئی۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ گڑ بڑا گئے تھے۔ مشکل نام بھی طاقت نے سونگھ کی عادت ڈالی تھی۔!

اور یہی سچی بات تھی۔ وہ وفا کے عارضی بوجھ سے نکل کر محبت کی تہوں میں گئے۔ طاقت درحقیقت ان کا دل نواز ان تھا۔ بچوں کی طرح شریر اور ہر چیز سے دلچسپی لینے والا۔ اس نے ہوٹ پہنا اور کچھ ہی دیر بعد صابن سے منہ تک ٹانی کھول کھول کر رہا تھا۔ اس وقت تک محبت اس کی زندگی میں نہیں آئی تھی۔ اس نے دنیا کو بالکل آدمیوں کا نشانہ لینے کے لئے کیا۔

ہوٹل والے نے شاید کچھ غلط سمجھا تھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ

طاقت نے زور دار قہقہہ لگایا تھا۔ وہ قہقہہ کسی کے لئے کوئی دعوت تھی۔ آدمیوں کا نشانہ غلط ہو گیا تھا۔ بہرحال بچے نے ہوٹل والے کو اس کے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس کی وجہ سے آدمی کو بڑے سے بڑے کام سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے آدمی کو بڑے سے بڑے کام سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔ پولیس کو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیا؟ کیا خدا نہ میری بگڑی ہوئی آپ کسی دوست کی کوئی اہمیت نہیں ہے

وہ سیدھے راستے میں ایک زبردست بھونچال پیدا ہو گیا تھا۔ دنیا کے تمام سوتے پھوٹ پڑے۔ طاقت کا کرب گیا۔ حباب ایک سادہ سا مانا تھا۔ یہاں تک کہ بچوں کو بھی سمجھ لیا تھا۔ ہر شخص اپنی شخصیت میں ایک نیا پن محسوس کرتا تھا۔ درحقیقت سیدھے راستے پر چلنے نے ان کی انا کو بالکل بے داغ کر دیا تھا۔ اب یہ آسان اچھا تھا یا ٹیڑھے راستے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

"سوگئے۔" کچھ منٹ کے بعد طاقت کی آواز ابھری۔

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"سونا چاہیے تھا۔"

"سونا کیسے؟"

"خوب۔" طاقت بھی کسمسا کر رہ گیا۔ "کیا سوچا؟"

"میں کروں گی۔ لگائے گا دوں گی اور اس سے اللہ اللہ خیر سلا۔"

"ہنہ۔" وہ خوشی سے ہنسی۔ اور اپنی سہیلی سے کوئی گہری مسکراہٹ آگئی۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" وہ پھر سیدھے راستے کے ساتھ ٹیڑھے راستے کا مقابلہ کرنے لگے تھے۔ ہر بات سے بغاوت کی بو آتی تھی۔ ماضی کو جھوٹ دے کر نکالا جا رہا تھا۔ اگر کچھ باقی رہ گیا تھا تو بے انتہا محبت۔ طاقت بے تکلفی میں بھی کچھ تکلف کرنے لگا تھا۔ بہرحال بھی اس کی بے تکلفی پسند آئی۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ گڑ بڑا گئے تھے۔ مشکل نام بھی طاقت نے سونگھ کی عادت ڈالی تھی۔!

اور یہی سچی بات تھی۔ وہ وفا کے عارضی بوجھ سے نکل کر محبت کی تہوں میں گئے۔ طاقت درحقیقت ان کا دل نواز ان تھا۔ بچوں کی طرح شریر اور ہر چیز سے دلچسپی لینے والا۔ اس نے ہوٹ پہنا اور کچھ ہی دیر بعد صابن سے منہ تک ٹانی کھول کھول کر رہا تھا۔ اس وقت تک محبت اس کی زندگی میں نہیں آئی تھی۔ اس نے دنیا کو بالکل آدمیوں کا نشانہ لینے کے لئے کیا۔

ہوٹل والے نے شاید کچھ غلط سمجھا تھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ

"ہوں۔" وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "تم کو اس سے کیا۔ میں نہ دوست کہوں گا۔" اس نے شانے جھٹک دیئے اور اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ "دل کی بات بتا دیں میں ساتھ اپنے کہ کے دوست سے باہر نکل آیا۔" دل کی بات بتا دیں میں ساتھ اپنے کہ کے دوست سے

"...ہو گی۔ وہ وقت سے پہلے ہی تو صف آرا ہو کر کھڑے ہو گئے ہیں۔"

"تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔؟" میں نے پوچھا۔

"ہمیں کیا کرنا چاہیے۔؟" طالوت نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "ہم تو کچھ نہیں کریں گے۔ تم کرو گے۔ تم اس کام کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ تم ہی اس کام کو انجام دو گے۔"

"میں۔؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "میں کیا کروں گا۔؟"

"تم ہی اس کام کو انجام دو گے۔" طالوت نے اپنی بات دہرائی۔ "تم ہی اس کام کو انجام دو گے۔ تم ہی اس کام کو انجام دو گے۔"

"میں کیا کروں گا۔؟" میں نے پوچھا۔

ارادہ کا بہت پکا نظر آتا ہوں۔ میری کامیابی کا امکان زیادہ ہے۔" طاقت نے کہا۔

"کیا تم مجھے یہ کہنا چاہتے ہو۔" آصف نے بات کاٹ کر کہا۔

"اب مجھے کوئی وضاحت نہیں کرنی۔ چلو۔ ایس پی کے پاس۔ تمہیں اس کے حوالے کرنا ہے۔ اس سے اپنی ذات کی تصدیق کرانا ہوگی۔ تب تمہاری شکایت پر کارروائی ہوگی۔" طاقت کھڑا ہو گیا۔

"اگر مجھے عدالتی بھی جانا پڑے تب بھی میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ ہاں اگر ایس پی صاحب میں پہچان لیں تو پھر میرے ہاتھ میں ہتھکڑی ہوگی۔" آصف نے کہا۔ اسی وقت ایک سب انسپکٹر وہاں کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ میں وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

"چلو۔" سب انسپکٹر نے طاقت سے کہا اور طاقت کمرے سے باہر نکل آیا۔ ایس پی صاحب کا دفتر عمارت کے ایک دور دراز حصے میں تھا۔ سب انسپکٹر کے پیچھے چل پڑا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد آصف ایک کمرے میں گھسا ہوا تھا۔ طاقت نے باہر کے دروازے پر چھوٹی سی کھڑکی سے آصف کو گھسا ہوا دیکھا تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

"اوہ۔ یہ تو خدا۔" اس نے کہا۔ "آصف یہاں۔ سب انسپکٹر اور سپاہی طاقت کے پیچھے دوڑے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ وہ بھاگ کر اب کہاں جائے گا۔ انسپکٹر آصف تو پہلے ہی اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

"انسپکٹر۔ انسپکٹر۔ ایک ضروری بات۔" میں نے چلا کر کہا۔ لیکن انسپکٹر کے حلق سے ایک ایسی آواز نکلی۔ دروازے کے اس نے ایسا گھونسا مارا کہ وہ بھاگ کر ہی اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس پر گھونسوں کی بارش ہونے لگی۔ آصف کا جسم بھی کافی مضبوط تھا اور انسپکٹر نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اندھا دھند گھونسے برسانے شروع کر دیئے تھے۔ لیکن طاقت کے جسم پر کوئی کاری ضرب نہیں لگ رہی تھی۔ وہ بھی اپنے بچاؤ کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔ وہ مسکرا کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ بھاگنے کا ارادہ کر رہا تھا اور اپنی نادانی کی بات دوست کر رہا تھا جو انسپکٹر آصف کے ہاتھ سے غائب ہو گئی تھی۔

"آپ۔ آپ۔" میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"میرا نام اختر سلطان ہے۔ ایک بدمعاش جعلساز میری کامیابی کا راستہ روکنا چاہتا ہے اور کئی آدمیوں کو میرے ہاتھوں سزا دلوا چکا ہے۔ یہ مجھ سے انتقام لینا چاہتا ہے۔ اور۔"

انسپکٹر کی جرأت ہوئی ہوگی۔ اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ سب انسپکٹر اور کانسٹیبل آ گئے اور ایک کمرے میں طاقت کو تلاش کر رہے تھے۔ لیکن ظاہر ہے وہ ان کی نظروں سے غائب ہو گیا تھا۔

"آپ۔ آپ میرے ساتھ اندر آئیے۔" آواز انسپکٹر آصف نے کہا اور میں چل پڑا۔ چند منٹ کے بعد وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے مجھے دیکھا۔ وہ بولا۔ اور میں کھڑا کھڑا نداز میں اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں یہ کہنے آیا تھا کہ آپ میں جعلساز کون ہے۔ اور اصل اختر سلطان کون۔" میں نے کہا۔

"دونوں میں۔ تو کیا آپ اسے دیکھ چکے ہیں۔" میں نے اچھل کر پوچھا۔

"ہاں۔ وہ بدمعاش بھی یہی کہانی لے کر آیا ہے۔ اور جب میں نے ایس پی کے سامنے لے گیا تو وہ بھاگ نکلا۔"

"اوہ۔ یہ تو خدا۔ اس نے کیا کہا تھا۔"

"اس نے اپنا نام اختر سلطان بتایا تھا۔ اور اپنی کار چوری ہونے کی اطلاع دی تھی۔"

"خدا اسے غارت کرے۔" میں نے کہا۔

"میں سخت الجھن میں ہوں مسٹر۔ اصل میں وہ ایک مفرور قیدی ہے۔ اور آپ اس کے ہمدرد نکلے۔"

"آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں انسپکٹر۔ اگر وہ سچا ہوتا تو بھاگ کیوں جاتا۔ بہرحال اس بدمعاش سے میری کار برآمد کریں۔"

"وہ گرفتار ہو جائیگا۔ آپ فکر نہ کریں۔" آصف کو میری اس دلیل پر کسی قدر یقین ہو گیا تھا۔ ویسے وہ اب بھی حیران نظر آ رہا تھا تھوڑی دیر کے بعد سب انسپکٹر اور سپاہی پریشان واپس آ گئے۔

"ہم نے اسے خود گارڈ روم میں داخل ہوتے دیکھا تھا جناب۔ لیکن نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گیا۔ آپ یقین کریں۔ پورے ہوش و حواس سے۔"

"کیا بکواس ہے۔ وہ پولیس ہیڈ آفس سے فرار ہو گیا۔"

"نہیں۔ خدا کی قسم جناب۔ گارڈ روم میں آپ کو معلوم ہے کوئی دروازہ بھی نہیں ہے۔ اور وہ اسی میں داخل ہو گیا تھا۔"

"تب وہ مکھی بن کر نکل گیا ہوگا۔ اسے تلاش کرو سب انسپکٹر۔ فوراً پتا چلانا ہوگا۔" آصف نے چیخ کر جواب کھاتے ہوئے کہا اور سب انسپکٹر پریشان سا باہر نکل گیا۔

"بہت بڑا بدمعاش ہے۔" آصف نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی اور انسپکٹر آصف نے ریسیور اٹھایا پروگرام کا دوسرا حصہ شروع ہو چکا تھا آصف خون پسینے میں ڈوب ہو گیا۔

"جناب۔ جناب۔ ایس حاضر ہوا۔ جی ہاں۔ آپ۔" اس نے خاصے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ تشریف رکھیے۔ میں ذرا ایس پی کے پاس جا رہا ہوں۔ ابھی واپس آتا ہوں۔ پھر آپ کی رپورٹ لکھوں گا۔"

"بہت بہتر۔" میں نے کہا اور جونہی انسپکٹر آصف کمرے سے نکلا میں نے اس کے سامنے رکھا پیڈ اٹھایا اور اس پر اس کے نام سے لکھنے لگا۔

"میں جعلساز نہیں ہوں آصف صاحب۔ زمانے کا ستایا ہوا ایک انسان ہوں۔ پھلیلی تا آمد سے اٹھا لیکن آپ نے اسے خوب تنگ چڑھا دیا ہے۔ بہرحال۔ اب جب کوئی واسطہ ہی نہیں رہا تو آپ سے مؤدبانہ کسی آپ نے بالآخر مجھے مجرم بنا ہی دیا۔ یہ میری طرف سے ایک چھوٹی سی سزا ہے۔ قبول کریں۔

عارف جمال"

اس پیڈ کو سوٹ کیس میں رکھ کر میں نے اسے دبایا اور تیزی سے انسپکٹر کے دفتر سے نکل آیا۔ دوسری طرف طاقت پٹاخا پھوڑ رہا تھا۔ یہ ہم دونوں کا مشترکہ پروگرام تھا۔ بعد کو اس کارنامے کی تفصیل مجھے طاقت نے بتائی تھی۔ اس نے بتایا کہ سب انسپکٹر اور کانسٹیبلوں کو ڈانٹ دے کر وہ گارڈ روم میں گھس گیا اور وہاں سے آگ کی لگاہوں سے بوکھلایا ہوا باہر نکل آیا۔ پھر وہ ٹہلتے ٹہلتے ایس پی کے کمرے میں پہنچا اور اس سے انسپکٹر آصف کی شکایت کی جس نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا۔ طاقت خاصے پن سے کہا کہ وہ وزیر صاحب کو کال کر کے اختر سلطان کے بارے میں معلوم کریں۔ لیکن ایس پی نے اس پر اعتبار کر لیا تھا۔ چنانچہ ایس پی نے آصف کو ٹیلی فون کر کے بلوایا۔ آصف نے ایس پی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی پستول نکال لیا تھا۔

"ہوش میں آیئے مسٹر آصف۔ کیا آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ایس پی نے کہا تھا۔

"جناب۔ جناب۔ یہ بہت بڑا جعلساز ہے۔ لاک اپ سے فرار ہے۔ غالباً آپ سے اس نے اختر سلطان کی حیثیت سے تعارف کرایا ہوگا۔" آصف نے کہا تھا۔

"برادرم اپنے حواس درست کریں۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بغیر کسی ثبوت کے آپ نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیوں کی۔"

"ان کی بدقسمتی سے ثبوت موجود ہے جناب۔"

"وہ کیا۔" ایس پی نے طنزیہ انداز میں پوچھا تھا۔

"اصلی اختر سلطان صاحب تشریف لے آئے ہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"جی ہاں۔ یہ ہوشیاں ہیں۔ اختر سلطان۔ شکل سے پہچان لیں گے۔"

"کیا بکواس ہے۔ کہاں ہیں اختر سلطان۔"

"میرے آفس میں موجود ہیں۔"

"بلائیے۔" ایس پی نے کہا اور آصف نے رک رک کر آنکھ کے اشارے کر دیئے۔ اس نے ایک دو سیکنڈ سب انسپکٹر کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا لیکن سب انسپکٹر ہاتھ میں ہتھکڑی دیکھ کر ہچکچایا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے سر کے اشارے کی اطلاع دی اور پھر آصف کے ہاتھ میں تھما دیا۔ آصف نے پھر چھلاوہ اس کا منہ نوچ گیا۔

"یہ کیا ہے۔" ایس پی نے چیخ کر پوچھا۔ اور آصف چیخ نہ سکا۔ ایس پی پر چھا کر گتھم گتھا ہو گیا۔ اور پھر طاقت کے کامیابی کی سیٹی بجائی تھی۔ اور پھر طاقت ایک لمبا سا چھلاوہ توڑ کر وہاں سے سیدھا میرے پاس واپس آ گیا تھا۔

طاقت کی کہانی سن کر میں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔ بلاشبہ ہم نے بہت خوفناک قسم کی سزا دی تھی اور یہ سزا اس کا جواب تھی جو آصف نے مجھے گرفتار کرنے کے سلسلے میں دینے کا سامنا کیا تھا۔ لیکن پھر بھی آصف نا قابل تلافی نقصان سے دوچار ہو گیا تھا اور نہ ایک شریف آدمی تھا۔ اس لئے میں آصف کو اس سے زیادہ سزا نہیں دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے طاقت سے اس کا آئندہ پروگرام پوچھا۔

"جو تمہاری رائے ہو۔ اگر میرے بھائی کے لئے یہ سزا کافی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ۔ اسے اور پریشان کیا جا سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کافی ہے۔ اب یہاں سے چلیں۔"

"کہاں چلیں گے۔"

"جہاں تم چاہو۔ اس شہر سے نکل چلتے ہیں۔"

"تب پھر ہم تمہاری سابق محبوباؤں کے پاس چلیں گے۔ انہیں بھی دیکھ لوں۔ یہ میری محبوبائیں ہیں۔"

"زرینہ بیگم۔ دل میں دھواں سا اٹھا۔ میری بیوی کی ذمہ دار۔ اس سے انتقام کا اس سے اچھا موقع اور نہیں مل سکتا تھا۔ چنانچہ میں تیار ہو گیا۔

"میرا خیال ہے ہم اپنا گھر سے سفر کریں۔ میرا رنگ کی لمبی ریل گاڑی کا سفر مجھے بہت پسند ہے۔ صرف ایک اریبہ تھوڑی دیر کے لئے اس میں بیٹھا ہوں۔ تمہارے ساتھ لطف آئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ اور پھر ہم نے ٹیلی فون ایکسچینج

کا اسی کی دہشت بیٹھ گئی تھی اور اسے خوف سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

"میرا خیال ہے اس بار تم صحیح شکل میں سفر کرو۔ لڑکا اور لڑکی ہونا ہی آسان ہے اگر ایک طرف سے ہم دونوں کا اطمینان ہو جائے تو ہم ہنی مون پر نکل جائیں گے۔"

"یہ کوئی ترقی کی بات نہیں ہے۔ یہ تو۔" طاہرہ نے کہا اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ پھر یہ اس کے ہاتھ ہٹے تو اس کی شکل بدلی ہوئی تھی۔ بھوری آنکھ، داڑھی اور لمبی سنہری مونچھوں والا کوئی سامنے کھڑا تھا۔ میں نے آئینہ نکالا اور اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" اس نے جواب دیا اور ہم دونوں ہنس پڑے۔

ہفتہ ختم ہونے پر ہم طے شدہ ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ ہفتے بھر کے وقت کے بعد ہم اکٹھے اور پہلی بار اس طرح ملے تھے۔ فرسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں صرف چند افراد تھے۔ ہمیں کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ ہفتے بھر کے وقت کے بعد ٹرین آگئی اور ہم اس میں سوار ہو کر بیٹھ گئے۔ فرسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں چند افراد تھے۔ ہمیں کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ اگلے ہفتے ہم نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا اور خواہ مخواہ کسی سے خشک کی ذرا سی بھی نہ چاہی۔

طاہرہ بہت ہنسی۔ ہنسنے سے وہ خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میں یہ جانتا ہوں کہ بعض اوقات اس کی کیفیت کسی بچے کی طرح ہوتی ہے۔ ہر نئی چیز کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ وہ ایسے موقعوں پر بھی ایسے ہی خوش ہو رہا تھا اور پھر۔ ایک طویل وقفے کے بعد میں نے دوبارہ اسی شہر کے اسٹیشن پر قدم رکھا جہاں میں ایک طویل اور تکلیف دہ زندگی گزار چکا تھا۔ جہاں سے میں بھاگا تھا اور جہاں کی پولیس کو آج بھی میری تلاش تھی۔ لیکن اب مجھے پولیس کا کوئی خوف نہیں تھا۔ اب میں نے دل سے خوف نکال دیا تھا اور ایک عام انسان ہو گیا تھا۔

اسٹیشن سے باہر نکلے تو ٹیکسی لی اور میں نے ڈرائیور کو ایک علاقے کا پتہ بتا دیا۔ طاہرہ کی دی ہوئی رقم میں سے ابھی کچھ خرچ نہیں ہوا تھا جسے اس کا ذاتی دولت تھی۔ اپنے پسندیدہ ہوٹل کا ہم نے ایک ڈبل روم حاصل کیا اور اس میں مقیم ہو گئے۔ طاہرہ نئی شکل میں سب کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ مجھ پر ہر لمحہ اس کی قوتوں کے پراسرار انکشافات ہو رہے تھے۔ ہپناٹزم یا ٹیلی پیتھی کی غیبی قوتوں کے بارے میں جاننے کے لیے ہی کافی تھا کہ وہ آئینی تحقیق میں سے ہے۔

ہوٹل میں پہنچنے کے کافی دیر بعد آرام کیا اور ٹریفک کے عروج کے زمانے

تک تیار ہو گئے۔ شام کو جب ہم باہر نکلے۔ مشن کے کسی بھی پہلو کی طرف اور پھر طاہرہ نے مجھ سے اپنا مدعا بیان کیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہپناٹزم کی اپنی اس چھٹی حس سے طاقتور ہیں پر میں نے فائر کیا تھا۔ یہ حملہ وہ کر سکتا تھا۔ وفادار تو تھی۔ نہ۔ نہ شکار سے لگاؤ تو نہیں تھی۔!"

"بالکل ٹھیک۔ چلو پہلے اس کے پاس چلتے ہیں۔ لیکن تم اس کے سامنے نہیں آؤ گے۔ ظاہر ہے وہ تمہاری موجودگی میں تم سے کھل کر گفتگو نہیں کر سکے گی۔ میں اسے تم سے بالکل بچا کر لاؤں گا اور تم مجھے تب ہی آواز دو گے۔ اور تب تم مجھے بلاؤ گے تب ہی آجاؤں گا۔"

"یہ مناسب ہے۔" میں نے جواب دیا اور ہم دونوں ہوٹل سے اتر کر ٹیکسی میں بیٹھے اور میں نے ڈرائیور کو انجیلا کے مکان کا پتہ بتایا۔ ٹیکسی سڑکوں پر دوڑتی رہی اور طاہرہ کھڑکی سے سڑک پر چلنے والی گاڑیوں کو دیکھتا رہا۔!

"مجھے تمہارے ملک کی یہ ہموار رواں زندگی پسند ہے۔ صبح بچے اسکول اور جہات میں بیٹھے ہوئے، اعتماد سے بھرے ہوئے، بچے بچے۔ ماؤں کے ساتھ۔ کیسا مستقبل خراب ہے۔ محبت پروان چڑھ رہی ہے۔ محبت کے بیج بکھرتا ہوا سا۔!" میں یہ منظر دیکھتے ہوئے بولا۔ "وہ راستے میں کچھ نہیں بولا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں انجیلا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی اس کے مکان کے سامنے پہنچ گئی۔!

وہی جانا پہچانا مکان جہاں کبھی میں اور انجیلا ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے داخل ہوتے تھے۔ مکان کے دروازے پر لٹکی ہوئی کال بیل پر انگلی لیکن ہوئے میں نے مکان میں عجیب عجیب خیالات تھے۔ خصومت کے بعد دوبارہ ملنا۔ انجیلا تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر پریشانی نہیں تھی۔ پہلے سے کہیں بھی ہو گئی تھی، وہ اپنی بے قابو آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس کے ہونٹ ہلے۔

میں نے ہاتھ ہلاتے ہوئے اندر میں طاہرہ کی طرف دیکھا طاہرہ موجود نہیں تھا۔ تب میں نے ایک گہری سانس لی۔ انجیلا سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بہرحال اب۔ وہ شادی شدہ تھی تب انجیلا نے مجھے خاموش کر دیا۔ اور پھر وہ میرے سینے پر سر رکھ کر سسکنے لگی۔

"یہ ہپناٹزم تو شکن پروگرام تھا۔ وہ جانے پر اس طاقت کا اثر ہو۔ لیکن ہے وہ چھپ کر ہم دونوں کو دیکھ رہا ہو۔ تاہم میں انجیلا کو سینے سے لگائے ہوئے کمرے میں آگیا۔ پھر میں نے اس کے شوہر کے بارے میں پوچھا۔

"جوزف کہاں ہے۔؟" میں نے اس کے شوہر کے بارے میں پوچھا۔

"ہسپتال میں۔"

"اوہ۔ کیوں۔؟"

"وہ بیمار ہے۔"

"مجھے دکھ ہوا۔" میں نے کہا اور انجیلا نے گردن جھکا لی۔ پھر میں نے بھاری آواز میں کہا۔ "مجھے امید ہے انجیلا کہ میں نے تمہارا ساتھ زیادتی کی ہے لیکن میں بے قصور نہیں سمجھتا تھا مجھے تمہارا ساتھ انصاف کی مثال ہے۔ بہرحال تم خوش کی بھی ہو۔ اس کے ساتھ انصاف کرو۔"

"میں نے کبھی اسے اپنے دکھ کا احساس نہیں ہونے دیا۔" انجیلا نے کہا۔

"بلاشبہ تم ایک شریف لڑکی ہو۔"

"تم یہاں کب کے طارق۔ کیا پولیس کو تمہاری تلاش نہ ہو گی؟" اس نے بیقراری سے پوچھا۔

"پولیس کی مجھے پروا نہیں ہے۔ تم سناؤ۔ یہاں کے حالات کیا رہے۔ کیسے کیسے ہنگامے ہوئے۔ اور تم میرے بارے میں کہاں تک باخبر ہو؟"

"تمام اطلاعات میرے دفتر کو ملتی رہتی تھیں۔ مشت بیٹھ کو تمہارے گرفتار ہونے کی اطلاع ملی۔ پھر تمہارے فرار کی اطلاع بھی ہم لوگوں کو مل گئی۔ مشت بیٹھ کی رقم واپس مل گئی، اب اسے تمہاری گرفتاری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"وہ واپس آگیا۔؟"

"ہاں۔ کل ہی آیا ہے۔"

"اختر بیگ اور نذیرہ کا کیا حال ہے۔؟"

"اختر بیگ گرفتار ہو گیا تھا۔ ضمانت پر رہا ہو گیا۔ بہرحال عدالت کی شادی کا پروگرام فی الحال ملتوی ہو گیا ہے۔ لیکن دونوں ہیشہ ساتھ رہتے ہیں۔ اب تو اختر بیگ نذیرہ کے مکان میں ہی اس کے ساتھ رہتا ہے۔"

"بہت خوب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بھال میں اپنی زیادتی پر ایک بار پھر تم سے معذرت خواہ ہوں انجیلا۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم کچھ پریشان ہو۔؟"

"جوزف کی بیماری نے مجھے معمولات بہت اثر انداز کیا ہے۔ ڈاکٹروں نے اس پر تجربہ کیا ہے۔ میں ہر دو ہفتے بعد پھر فوج ہوں گے دو سکتا نہ لیات بھی ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ مشت بیٹھ ایک ماہ کی تنخواہ ایڈوانس دینے کا عادی نہیں ہے۔"

"اوہ۔ اس سلسلے میں تم کیا کر رہی ہو۔ میرا مطلب ہے۔ تم سے ہو۔ جائداد کی نگرانی تو بحال ہے۔؟"

"ہاں۔ مشت بیٹھ نے یہ ذمہ داری سنبھال لی ہے۔"

"اس کے بدلے میں کیا لیتا ہے۔ میں نے کہا۔ مجھے یہ بیوقوف نوازی کی عادت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے۔ انجیلا کے مستقبل کے بارے میں۔ میرا خیال ہے اب۔ اب چل جانے کا۔"

"کیا مطلب۔؟" انجیلا نے پوچھا۔ وہ بے حد حیران ہو گئی تھی۔

"ایک دوست کا فرض ادا کر رہا ہے۔ بے لوث محبت کر رہا ہے۔ مشت بیٹھ کو اس کی دولت واپس مل گئی ہے۔"

"اوہ گاڈ۔ بہت شکریہ۔"

"تمہارے کام آئیں گے انجیلا۔ بلکہ میرا خیال ہے اس دولت پر کچھ نہ کرو اور مجھے بتاؤ۔"

"کیوں۔؟"

"کسی بھی جگہ سیاسی پناہ حاصل کر لو۔ تم میری دوست ہو۔ میں تمہارے اوپر کوئی آنچ نہیں آنے دینا چاہتا۔"

"چائے تو پیو طارق۔" انجیلا نے کپکپاتی آواز میں کہا اس کی بھیگی آنکھیں اس وقت براہ راست میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ میں اس کا مطلب تھا کہ اس کی نگاہ نوٹ رہا ہے۔

"شکریہ انجیلا۔ پھر کبھی۔" میں نے کہا۔

"تم تو ایک خواب کی طرح آئے۔ دل کو یہ یقین ہی نہیں آتا کہ تم واپس جا رہے ہو۔!

"مجھے اب جانے دو انجیلا۔ تم سب جھگڑے کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ اور انجیلا کے مکان سے نکل آیا۔ میری نگاہیں طاہرہ کو تلاش کر رہی تھیں۔ دفعتاً مجھے بائیں سمت سے ہیپناٹزم کی آواز سنائی دی اور میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ طاہرہ مسکراتے ہوئے تالیاں بجا رہا تھا۔

"وہ آگیا۔ خدا کی قسم وہ آگیا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت خوبصورت منظر تھا۔ سنہری بالوں اور تاثر انگیز آنکھوں کی حسین دوشیزہ شہر کی بیچ پر مسکرا رہی تھی۔

"آؤ۔" میں نے کہا اور وہ میرے ساتھ چل پڑا۔ تم تو میرے

بات چیت آگے بڑھنے والی نہیں تھی۔ اس لئے میں نے وہاں رکنا مناسب سمجھا۔ ہاں اگر سکندر کی طرف سے کوئی اطلاع آتی تو میں فوراً طاقت کو بلا لیتا۔ اور یہ ہوا بھی۔

میں نے اسے بس چند منٹ دیئے۔

"میرا خیال ہے آپ کو اب چلنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ سکندر کی طرف سے کوئی اطلاع آ گئی ہو۔" میں نے کہا۔

"اس کا کچھ اور انتظام ہو جاتا۔" طاقت نے کہا۔

"اس کے لئے بھی کافی وقت ہے۔ بعد کے لئے کیا طے ہوا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی کچھ طے نہیں ہوا۔ ہم آپس میں بات کر لیں گے۔" طاقت نے جواب دیا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم لوگ واپس چل پڑو۔ میں کچھ دیر اور یہاں رکوں گا۔" میں نے کہا۔ اور پھر ایک لمحے کو رکا۔ میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ وہ خیال اب بھی بہت متاثر کن تھا۔ وہ لڑکی اب بھی بہت قابل گرفت تھی۔ لیکن یہ حال میں اس کی بابت کیا جواب دے سکتا تھا۔ اب میرے ذہن میں یہ تھا۔ اختر بیگ سے اس کے تعلقات کا ذکر کروں اور کھول گیا تھا۔ ویسے اس کی شادی میں دلچسپی نہ لینے کے باوجود مجھے خوشی بھی تھی کہ ایک لڑکی اس طرح محفوظ ہو سکتا تھا۔ اختر بیگ کا اس کی زندگی سے نکلنا اس کے لئے بہتر تھا۔ اختر بیگ نے خود کو مقصد تھا۔

اختر بیگ کے حوالے کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر میں اس سے کیوں الجھوں۔ بھلا!

ذہن میں اپنے کہے ہوئے جملے پر غور کرنے لگا۔ اسی وقت میں سوچنے لگا طاقت بھی میرے ساتھ کام کرنے پر راضی تھا۔

"میں جانتا ہوں تم اپنی محبوبہ کے بارے میں سوچ رہے ہو۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ لیکن اس بے وفا محبوبہ کے بارے میں۔"

"اوہ۔ ہاں۔ اس سے ملاقات کب طے ہو گی؟"

"کل۔ لیکن میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔" طاقت نے کہا۔

"کیا۔" میں نے دلچسپی سے پوچھا اور میں نے اسے ٹیلیفون کی تمام ہوئی معلومات پہنچا دیں۔ طاقت بھی کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے ذہن میں انتقام کی ایک تکنیک ترکیب آئی ہے۔"

"وہ کیا۔" میں نے پوچھا۔ اور طاقت راز داری سے اپنا پروگرام بتانے لگا۔ پھر حال میں نے اس کے پروگرام کو پسند کیا۔ اور اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ پروگرام تھا۔

دوسرے دن گیارہ بجے میں نے حشمت ہاؤس فون کیا۔ زرینہ نے ہی فون ریسیو کیا تھا۔

"مس زرینہ۔ میں آپ کا ایک پرانا شناسا عالم سکندر کا دوست طاقت بول رہا ہوں۔ آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ میرے گھر پر آ سکتی ہیں۔" میں نے کہا۔

"میں آپ کو نہیں پہچانی۔ آپ کا نام۔؟"

"سب کچھ آپ کے گھر پر معلوم ہو جائے گا۔ میرا آنا آپ کے لئے بہت ضروری ہے۔ میں آپ کے گھر پر آپ کا انتظار کروں گا۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ طاقت مطمئن انداز میں گردن ہلانے لگا پھر اپنے بائیں ہاتھ کو کہنی سے اٹھا کر اپنے غلام کو آواز دی اور پراسرار شکل والا نوجوان اس کے سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک بڑا پیکٹ تھا۔

"ٹھیک ہے جاؤ۔" طاقت نے اس سے کہا اور وہ واپس ہو گیا۔ طاقت نے میز کے سامنے پیکٹ کھول دیئے تھے۔ بہت سے نوٹ تھے جو قیمتی زیورات جگمگا رہے تھے۔ میری آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ طاقت نے تناؤ بھرے میرے تاثرات کو مسکرا دیئے۔ اور پھر ہم نے انہیں ایک چرمی بریف کیس میں رکھ دیا۔

"چلیں۔؟" طاقت نے پوچھا اور میں نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھے جا رہے تھے۔ زرینہ کی بوڑھی ماں نے دروازہ کھول دیا۔ اس کی آنکھیں کمزور تھیں اس لئے وہ مجھے نہیں پہچان سکی۔

"میں ہوں زرینہ کا دوست ہوں۔ انہوں نے مجھے بلایا ہے۔" وہ خود بھی آفس سے واپس پہنچے رہی ہیں۔" میں نے کہا اور بوڑھی نے مجھے راستہ دیا۔ میں طاقت کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جا بیٹھا اور تھوڑی دیر کے بعد جب دروازے پر دستک سنائی دی تو طاقت اٹھ کھڑا ہوا۔

"لڑکی کی بات نہیں ہے دوست۔ تمہاری اداکاری جاندار ہونی چاہیئے۔" اس نے کہا۔ اور ایک طرف رخ کر کے غائب ہو گیا۔ میں خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے انتظار کرنے لگا۔

اور چند لمحات کے بعد دروازے میں نظر آئی۔ وہی لڑکی تھی۔ وہی گداز جسم۔ وہی سحر خیز آنکھیں۔ وہ مجھے دیکھ کر بجھ چکی تھی۔ میرے دل میں نفرت کا طوفان اٹھا۔ لیکن میں نے ایک لمحے میں خود پر قابو پا لیا۔ اور مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہاری جرأت کو داد دینے کے لئے خود میرا دل چاہتا ہے لیکن اس کرسی پر قابو نہیں پا سکا۔؟"

"تم۔ تم۔ عارف۔ مم۔ مگر۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ میں عارف ہوں۔ تمہارا شکار۔ تمہارا مجرم۔ تمہارا قاتل۔ تمہارا انتقام۔ تمہارا سب کچھ۔ میں عارف ہوں۔" میں نے کہا۔ اور وہ بری طرح کانپ گئی۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اور وہ بے اختیار پیچھے ہٹتی چلی گئی۔

"مجھے افسوس ہے زرینہ۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ لیکن اب میں تمہارے کسی جرم کو معاف کر دوں گا۔ اور تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنا لوں گا۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔" میں نے کہا۔ اور وہ بری طرح چونکی۔

"کیا۔ کیا کہہ رہے ہو عارف۔؟"

"دوست کہہ رہا ہوں میری جان۔ میرے والد نے مجھے قائل کر لیا ہے۔ میری ان سے ناراضگی دور ہو گئی ہے۔ چنانچہ کسی نواب زادے سے شادی کرنے کے بجائے میں تمہیں اپنا رہا ہوں۔ میرے والد حشمت سیٹھ جیسے پچاس سیٹھوں کو خرید سکتے ہیں۔"

زرینہ کی حیرت قابل دید تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"چھوڑو ان باتوں کو زرینہ۔ میں تمہاری خدمت میں اپنی محبت کے کچھ تحفے پیش کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور زیورات کے کیس کی طرف بڑھ گیا۔ پھر میں نے زیورات کھول کھول کر اسے پہنانے شروع کر دیئے آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ زرینہ بے ہوش نہیں ہوئی تھی۔ نیم پاگل ضرور ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ انگارے کی طرح دمک اٹھا تھا اور وہ دیوانوں کے سے انداز میں مجھے دیکھ رہی تھی۔

قیمتی زیورات پہنا کر میں اسے لے کر آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ زرینہ نے آئینہ دیکھا اور پھر دوسرے لمحے وہ مجھ سے لپٹ گئی۔

"عارف۔ میرے اپنے عارف۔ کہ تمہیں کیا معلوم تمہاری جدائی کے یہ لمحات میں نے کس طرح گزارے ہیں۔ تمہارے جانے کے بعد کس کس پریشانی میں مبتلا ہوئی ہوں۔؟" وہ میرے سینے سے لگ کر سسکنے لگی اور میں حیرانی سے اس اداکارہ کی شکل دیکھنے لگا جو کتنی خوبی سے آنسو بہا رہی تھی۔ لیکن یہ حال اس کا پہلا یا آخری کارنامہ نہیں تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز کارنامے اس کے نام درج تھے۔

"اختر بیگ کا کیا حال ہے۔؟" میں نے اسے پیار سے پوچھا۔

"بس ٹھیک ہے۔ سر پر آئی بلا ٹل گئی۔ عارف تمہارے چلے جانے کے بعد میری زندگی جہنم بن گئی تھی۔ ایک شام میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ بوجھ ختم ہو گیا ہے۔ میں عارف کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ لیکن وہ روز آنے لگا اور پھر اس کے مسلسل اصرار پر میں نے اسے اپنا لیا۔" زرینہ نے جواب دیا۔

"شادی کے بعد کیا ہوا۔؟"

"تمہاری جدائی نے میری آنکھیں کھول دی تھیں۔ عارف تم کیا ہے میں نے ایک بیمار کی طرح اس کی بات گزارا۔"

"مجھے یقین ہے۔" میں نے ہاتھوں میں کھیلتے ہوئے کہا۔

زرینہ کا شانہ بھی

نہ تھا لیکن مجھے یہ سارا طاقت کا ہی خیال تھا ضرور کسی کو کرنے ہی پڑیں ہو گا۔ چنانچہ میں نے احتیاط برتی۔

وہ مجھے اور میں شیشہ پانا چاہتی تھی۔

"اختر بیگ یہاں کب آتا ہے۔؟"

"ہاں۔ روز ہی آتا ہے۔ لیکن میں آج اس سے ملنے سے انکار کر دوں گی اور کہوں گی کہ میرے پیٹ میں درد اٹھ رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور زرینہ کیک چوم لگی۔

"ارے۔ میں بھی کیسی بے وقوف ہوں۔ تمہارے لئے چائے تو بناؤں۔ ابھی آئی میری جان۔" اور میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ زرینہ کمرے سے نکل گئی اور میں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر کرسی سے کود کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"طاقت۔؟"

"بیٹھا ہوں بھائی۔ تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔" طاقت کی آواز سنائی دی ایسی مضمحل کہ میں ہنسی نہ روک سکا۔

"یہ خطابات ہے۔ ہاتک قسم کے مناظر دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"محبت کی بات سے ۔۔۔ میں سمجھا نہیں کروں گا ۔ مگر کیا بات ہے اس محبت کی ۔ مگر بتائے میں ہچکچاہٹ کیوں ہے ۔ تمہاری آواز کا یہ لہجہ ۔ یہ شیشے کی مانند نازکی کا لطف آرہا ہے ۔ یہ شیشے یہاں بہت لطف دیتے ہیں ۔ یہ خوب کاری کہاں ۔ ۔ وہ تو ایک بے حد سادی دنیا ہے ۔ یہاں بستی اور شہری کھل کر کھاتی ہے ۔ یہاں زندگی اس انداز سے گزارنے کا عادی ہو جاؤ گے ۔"

"محبت کی ۔" وہ مسکراتے ہوئے کہا اور پھر دونوں کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے اور پھر چوکیدار کی چاپ سنائی دینے لگی ۔ نازیہ ایک دم گھبرا گئی تھی ۔ "اب چلنا چاہئے ۔" وہ بولی ۔ "ورنہ چوکیدار ۔۔۔"

"ہاں ۔" وہ بولا ۔ "اب چلنا چاہئے ۔ کل پھر ملیں گے ۔"

"کہاں ۔۔۔ کب ۔۔۔" نازیہ نے پوچھا ۔

"کہیں بھی ۔ کسی بھی وقت ۔ تم بتاؤ ۔"

"میں ۔۔۔ میں ۔۔۔" نازیہ نے کہا ۔ "میں ۔۔۔ میں ۔۔۔ میں ۔۔۔

"...وقت نے ہمارے لیے کیا کیا..."

...ہاتھ کو دیکھ کر اور ہاتھ کے سوالوں کو سن کر حیران ہو گیا۔ "...ہو بہو..." ...ہاتھ کی لکیریں ہوں گی۔ طاقت نے اس طرح گردن ہلاتے ہوئے کہا ...شروع کے بارے میں بتانے لگی۔

"...ہت سے تجربے ہوئے ہیں۔ اور تم نے وہ اندازہ لگایا ہے کہ..."

...ہوئے کہا۔

"...ہاتھ تو آگے..." میں نے کہا اور کچھ سے ہاتھ کرنے لگا۔ ...میں اس کی شکل دیکھتا رہا اور پھر کہنے لگی۔ "...ے آپ سے پہلے ...ہوگا کیوں ناراض کر لیا ہے..." میں نے کہا۔

"...ہیں یار... مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"...ہاں تم سے دوست ہے... تمہارا احترام بھی واجب ہے۔"

"...اب جب تم سے دوستی کر ہی چکے ہو تو... ٹھیک ہے کوئی ...بات نہیں۔"

"...واقعی..." وہ خوش ہو کر بولا۔ "...یعنی تم نے مجھے معاف کر دیا..."

"...کیں بھی شے نہیں۔" میں نے کہا۔

"...اں آپ بھی گرتے رہو گے..."

"...طاقت..." میں نے کہا۔

"...ہاں چاہیے ہیں۔" میں نے کہا کہ کیا طاقت سے...

"...اس دنیا کو قریب سے دیکھنے کی خواہش سب کو ہوتی ہے۔ ...ہیں اور یہاں پر بہت سے لوگ ہیں جو میرے دوست ہیں۔ ...ہے کوئی ...ضرورت نہیں ظاہر کروں گا۔ میں تمہاری خوشی چاہتا ہوں۔"

"...بہت شکریہ..." میں نے کہا۔ "...ہاں طاقت سے ...ہیں کہ کوئی ...کوئی بھی ...ہو۔ ...ہے کہ ...ہاں کے ...ہاں کے ...ہاں کے

بہرحال اس کی خوشی برقرار رکھنے کے لئے میں کسی حد تک کوشاں رہا تھا۔

ہمارا ان جنگلی علاقوں میں آنا بے سود ثابت ہوا تھا۔ ہم کئی دن سے جنگلوں کی خاک چھان رہے تھے۔ جہاں طاقت کو کچھ ہونے کا شک تھا۔ وہاں بھی ہم نے تلاش کیا تھا۔ لیکن ہمیں کچھ نہیں ملا تھا۔ ہم نے ان علاقوں کے لوگوں سے بھی پوچھ گچھ کی تھی۔ لیکن کسی نے بھی طاقت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ ہم نے ان علاقوں کے لوگوں کو بھی طاقت کی تصویر دکھائی تھی۔ لیکن کسی نے بھی اسے نہیں پہچانا تھا۔ ہم نے ان علاقوں کے ہر گھر کی تلاشی لی تھی۔ لیکن طاقت کا کچھ پتہ نہیں چل

کی طرح میری زندگی میں آئی۔ نازیہ نے میرے مستقبل کو سنوارنے کی بڑی کوشش کی لیکن میں اپنے ماضی کے تلخ تجربات کی وجہ سے اس کی محبت کو قبول نہ کر سکا اور آخر وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ لیکن پھر میری زندگی میں ایک اور لڑکی آ گئی۔ اس کا نام ثمینہ ہے۔ ثمینہ کی محبت نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ حالانکہ وہ محبت کے معاملے میں بہت بے رحم ثابت ہوئی ہے۔ پھر بھی میں اس کی محبت کو ٹھکرا نہیں سکتا۔ زندگی تو ہار جیت کا نام ہے۔ اس کے باوجود انسان حوصلہ نہیں ہارتا۔ ثمینہ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نئی زندگی دی ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا حوصلہ دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا عزم دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا یقین دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا اعتماد دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا بھروسہ دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا سہارا دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا ساتھ دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا ہاتھ دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا دل دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا جذبہ دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا احساس دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا ولولہ دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا جوش دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا ارادہ دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا عزم دیا ہے۔ اس نے مجھے ایک نیا حوصلہ

"بالکل نہیں مارٹنگ۔ تم سودا نے جا کر رہے ہو۔" اختر بیگ گرجا۔

"تو نے ہمیشہ ہی ایسا کیا ہے۔" زرینہ نے ایک تیز لگا۔

"یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ ابھی تو ہمیں بہت وقت بتانا ہے۔ پھر تمہاری بات بھی تو ہے۔ تم نے اس گھر میں ملازمہ کے کام سے پہلے کیا تھا۔ اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہے مجھے کہ تم کیا کرتی رہی ہو۔ تم جانتی ہو کہ میں نے کبھی تمہارے کردار کے بارے میں کوئی سوال نہیں اٹھایا۔ کیا تم بھی کوئی ایسی ویسی بات ہے۔ اختر بیگ کی بات مجھے کے تال تھی۔

"تو۔ تو اس سور کی بچی نے مجھے تباہ برباد کر دیا ہے۔ میں اسے جان سے مار دوں گا۔" اختر بیگ نے کہا طرف جھپٹا لیکن درمیان میں ہی زرینہ نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"بس کی بات ہے کہ میری لاش پر ہی تم اس کو ہاتھ لگا سکو۔"

"چھوڑ دے مجھے۔" اختر بیگ نے جھٹکے سے گریبان چھڑاتے ہوئے کہا۔ "تجھے تو میں اس کے ساتھ دیکھ لوں گا۔" زرینہ نے اس کو دیکھا اور پھر اپنی آنکھیں سے بھیگنے لگا۔

"تمہیں میری محبت پر شک ہے تو تم نہیں جا سکتی۔ اختر بیگ۔ میں تمہارے لئے سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں اس پر تمہارا پیسہ نہیں لگنے دیتے ہیں۔ میں اپنی کمائی اپنے لئے ہی استعمال کروں گا۔ کسی عورت میں بتائی نہیں ہو سکتی۔"

"یہ بتاؤ کہ تم اس کے پیچھے کیسے آئے ہو۔ زرینہ نے پوچھا۔

"میں اس کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ میں تو اس کے گھر پر تھا۔ اس نے خود ہی مجھے فون کیا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ اس لئے میں نے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔ اس کی بات سن کر میں نے اس کو بتایا کہ میں اس کی مدد کروں گا۔ اس کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ وہ کہاں ہے۔ میں نے اس کو کہا کہ وہ وہیں رہے۔ میں اس کو لینے آ رہا ہوں۔ اس کے بعد میں نے اس کو لیا اور یہاں لے آیا۔ اختر بیگ نے جواب دیا۔

"تو اس سور کی بچی نے تجھے تباہ برباد کر دیا ہے۔ میں اسے جان سے مار دوں گا۔" اختر بیگ زرینہ کی طرف جھپٹا لیکن درمیان میں ہی زرینہ نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"بس کی بات ہے کہ میری لاش پر ہی تم اس کو ہاتھ لگا سکو۔"

"چھوڑ دے مجھے۔" اختر بیگ نے جھٹکے سے گریبان چھڑاتے ہوئے کہا۔ "تجھے تو میں اس کے ساتھ دیکھ لوں گا۔" زرینہ نے اس کو دیکھا اور پھر اپنی آنکھیں سے بھیگنے لگا۔

"تمہیں میری محبت پر شک ہے تو تم نہیں جا سکتی۔ اختر بیگ۔ میں تمہارے لئے سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں اس پر تمہارا پیسہ نہیں لگنے دیتے ہیں۔ میں اپنی کمائی اپنے لئے ہی استعمال کروں گا۔ کسی عورت میں بتائی نہیں ہو سکتی۔"

"یہ بتاؤ کہ تم اس کے پیچھے کیسے آئے ہو۔ زرینہ نے پوچھا۔

"میں اس کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ میں تو اس کے گھر پر تھا۔ اس نے خود ہی مجھے فون کیا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ اس لئے میں نے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔ اس کی بات سن کر میں نے اس کو بتایا کہ میں اس کی مدد کروں گا۔ اس کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ وہ کہاں ہے۔ میں نے اس کو کہا کہ وہ وہیں رہے۔ میں اس کو لینے آ رہا ہوں۔ اس کے بعد میں نے اس کو لیا اور یہاں لے آیا۔ اختر بیگ نے جواب دیا۔

"تو یہ سچ ہے کہ تم نے اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔" زرینہ نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ میں نے اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ میں اس کو اس حالت میں چھوڑ کر آیا تھا۔ اس کے بعد میں نے اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ اس کے ساتھ کچھ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی حالت ہی ایسی تھی۔" میں نے کہا۔

"تو اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔" اختر بیگ نے میری بات کو دہرایا۔ "تو پھر اس کے کپڑے کس نے پھاڑے ہیں۔ اس کے بال کس نے نوچے ہیں۔ اس کے جسم پر یہ زخم کس نے لگائے ہیں۔ اس کے ہونٹ کس نے کاٹے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ سب کچھ کس نے کیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ سب کچھ کس نے کیا ہے۔" اختر بیگ نے چیخ چیخ کر کہا۔

"میں نے کیا ہے۔ میں نے کیا ہے۔ میں نے کیا ہے۔" میں نے اختر بیگ کی آواز میں آواز ملا دی۔

"تو نے کیا ہے۔ تو نے کیا ہے۔ تو نے کیا ہے۔" اختر بیگ نے میری آواز میں آواز ملا دی۔

"ہاں۔

"اور تم اس نواب کی بیگم ہو گی کیوں؟" انسپکٹر نے مسکرا کر پوچھا۔ "آخر میں سیاہی کی بوتل کی تمام لکیریں ڈال چکا تھا۔ پھر وہ بچے ہوئے پانی کو کاغذ پر بہا رہا تھا۔ میں نے اختر بیگ کو دیکھا جس کی آنکھوں سے انتقام کی چنگاریاں اڑ رہی تھیں۔

"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے اختر بیگ۔ میں اس تھپڑ کی بھی سزا نہیں چاہتا جو میں نے تمہارے گال پر لگایا تھا۔ اصل میں میں تمہیں اس عورت کی حیثیت دکھانا چاہتا تھا جس نے تمہاری زندگی برباد کی ہے۔" میں نے اختر بیگ سے کہا۔

"مجھے اس عورت سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔" انسپکٹر نے کہا اور سیاہی زدہ کاغذ کو گھسیٹنے لگا۔ وہ بے حد اضطراب میں مبتلا دکھائی دیتا تھا۔ پھر ہم دونوں کو پولیس کی بند گاڑی میں بٹھایا گیا۔ زرینہ کے تمام پرزے جمع ہو گئے تھے اور اس کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں بھری تھیں۔

"نواب تھا تو کیا ہوا۔ ایک ایک کا حساب ہونا ہی تھا۔" اپنے قیدی کے ساتھ بیٹھتے ہوئے انسپکٹر نے کہا۔ میت کی تدفین جاری تھی۔ اور پھر گاڑی آگے بڑھ گئی۔

زرینہ کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ وہ یم بے ہوشی کے عالم میں تھی۔ بار بار بیٹھی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگتی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے اس سے اتنا زبردست انتقام لیا ہے۔ اب وہ کہیں کی نہیں رہی تھی۔ شاید عزت سے بھی نکال دی جائے گی۔ پولیس کے شکنجے سے تو خیر بہت آسانی سے نکل سکتی تھی۔ اس نے کوئی سنگین جرم نہیں کیا تھا لیکن غیرت کے قریب والے لوگ اب اسے اس غیرت میں نہ رہنے دیں گے اور اختر بیگ۔۔۔ وہ تو شاید اس کے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہ کرے۔

"ٹھیک ہے۔ یہ بھی اچھا ہوا۔" میں نے اطمینان سے سوچا "کیونکہ اب ایسی برفات کہیں کی۔"

گاڑی پولیس سٹیشن کی حالت میں پہنچ کر رک گئی اور ہم دونوں کو نیچے اتارا گیا۔ پھر زرینہ کو تو کہیں اور لیجایا گیا اور مجھے ڈی ایس پی کے آفس میں پہنچا دیا گیا۔ انسپکٹر نے ڈی ایس پی کو میرے بارے میں رپورٹ پیش کی۔

"خوب۔ تو حضرت پکڑے ہی گئے۔ سنا ہے کہ تم نے اس شہر میں تو بڑے کارنامے دکھائے تھے جہاں انہیں تم سیت پکڑا گیا تھا اب بھی اس آدمی کے بارے میں کچھ بتا سکیں گے جس نے پولیس کے سامنے خود کو ایک تاجر ظاہر کیا تھا اور جو ان کا مشکل تھا۔" ڈی ایس پی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر انسپکٹر کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "اس کا ایک اپ میں بند کر کے سیدھی گاڑی نکالو۔ اس کے بعد اس کا کیس چلائیں گے۔"

اور مجھے لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔ یہ بے عزتی بالکل غیر متوقع نہیں تھی۔ اور وہ اب مجھے اس کی بڑائی تھی۔ اشتعال کی شکل وہ کر یاد آ رہی تھی۔ انتظار کیفیات تھیں جنہیں لوگوں کی کمی کا بے بسی پر غم کے جذبات بھی ابھرنے لگتے تھے۔ کبھی اس پر غصہ آتا تھا لیکن میں نے رحم کے جذبات کو سختی سے دبا دیا۔ وہ بے وفا عورت تھی۔ وہ صرف ایک زر پرست عورت تھی جس کی نگاہ میں عزت و عصمت کی کوئی قیمت نہیں۔ کوئی بھی نوجوان اس کے لئے اختر بیگ یا عاطف ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی جیب بھری ہوئی ہو۔

پھر وہ لاک اپ میں گم گیا۔ شام کو پانچ بجے ڈی ایس پی کے دفتر لیجایا گیا جہاں بہت سے پولیس افسر موجود تھے۔ ڈی ایس پی نے سب کے ساتھ مجھ سے تعارف کیا۔ مجھے چائے منگا کر پلائی اور پھر مجھ سے پوچھا۔

"کیا آپ کا تعلق کسی باقاعدہ گروہ سے ہے؟"

مجھے ہنسی آنے لگی۔ لیکن پولیس کے بارے میں بہت کچھ سن چکا تھا۔ اس ہنسی پر میں اپنے دانتوں سے بھی محروم ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے غصہ کو سنبھالا اور صاف لہجے میں کہا۔

"میرا تعلق کسی گروہ سے نہیں ہے جناب۔ عرف اس عورت کی بے وفائی کا شکار ہو کر میں جرم کر بیٹھا ہوں۔ جسے بستر ساتھ گرفتار کیا گیا ہے۔"

"بے وفائی۔ لیکن اس کے دوست اختر بیگ نے تو ہمیں اس کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھا تھا۔"

"ہاں۔ وہ زر پرست عورت ہے۔ میں نے اس کا نشہ دوست بھیجا تو وہ میری ہو گئی۔"

"ہوں۔ لیکن مسٹر عارف۔ تم نے سیشو مشت کی قسم سے جو رقم حاصل کی تھی وہ تو دستیاب ہو گئی۔ مزید دولت حاصل کرنے کے لئے تم نے کیا کیا تھا۔ اتنی دولت تمہیں کہاں سے مل گئی کہ زرینہ اختر بیگ کو چھوڑ کر تمہاری ہو گئی۔" یہ اہم سوال تھا۔ طاہرت کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا تھا لیکن اس سوال کا جواب بھی دینا تھا۔ چنانچہ میں نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے بتایا تھا کہ میں ایک نواب زادہ ہوں۔ اس سلسلے میں اسے یقین دلانے کے لئے مجھے اداکاری کرنا پڑی تھی۔ میں نے اسے اپنی ریاست میں لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ میری گرفتاری کے بعد اس نے پولیس کو بتایا تھا کہ میں ایک نواب ہوں۔"

"اور تم نے اسے بتایا تھا کہ تمہارے پاس دولت کہاں سے آئی تھی؟"

"میں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"بہرحال مسٹر عارف۔ سیشو مشت کی قسم سے تم نے بڑی چالاکی تھی۔ لیکن اس کے علاوہ بھی تم نے کیا کیا ہے۔ بینک اکاؤنٹ زرینہ اختر بیگ کے نام سے کھلوا کر دوسری فرم پر اس کو دھوکا دیا اس سلسلے میں جلد ہی تمہارا ریمانڈ لیا جائے گا۔ اس اختر بیگ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال یہ ہے کہ اس کی بے وفائی سے بددل ہو کر میں نے قسم کھائی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اختر بیگ سے اس کی بے وفائی کا بدلہ لوں۔"

"اگر یہ سیشو مشت کی قسم سے نہ ڈراتے تو کیا تم ایسا کرتے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے انسپکٹر۔ اسے بند کر دو۔" ڈی ایس پی نے کہا۔

اور پھر مجھے لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔ ڈی ایس پی کے ساتھ جو پولیس افسر موجود تھے وہ بھی چلے گئے۔ شام کے کھانے کے بعد میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میرا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ کم از کم اب میں خود کو بہت ذہین محسوس کر رہا تھا۔ میں نے بھی زرینہ کا لطف اٹھایا تھا اور تو میں محسوس کر رہا تھا۔ میں نے بھی زرینہ کا لطف اٹھایا تھا اور اسے بے عزت کر دیا تھا اب وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ گئی تھی۔ پولیس سے بچ بھی جائے تو اب زندگی کس طرح گزارے گی۔

اور اتنی دیر کے بعد پہلی بار مجھے طاہرت کا خیال آیا۔ اور میں چونک پڑا۔ وہ یہاں سے نکلنے کا تو راستہ موجود ہے۔ میرا پاسپورٹ ہزار درجہ بہتر مدد کرے گا۔ یقیناً۔ اور یہ سوچ کر دل ایک خوشی کی لہر سے دوچار ہو گئی۔ بے اختیار میں نے پکارا۔

"طاہرت۔"

"طاہرت حاضر ہے۔" یہ سیشو دوست دوست کے نزدیک آواز سنائی دی۔ اور میں نے چونک کر اپنی بائیں طرف دیکھا۔ طاہرت بھی اسی انداز میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی گود میں کچھ سامان رکھا ہوا تھا۔ میرا دل خوشی سے معمور ہو گیا۔ طاہرت بھی مسکرا رہا تھا۔ میں دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔

"اوہ اب یہ کافی گرجائے گی۔" طاہرت نے جلدی سے تمباکو ایک طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

"کافی۔؟"

"ہاں۔ میں تو کھانے پینے کا سامان بھی لایا تھا۔ مگر تم نے

(illegible) کہا تھا۔ تم اس وقت کہاں تھے۔؟"

"(illegible) کے ساتھ ہی تھا۔ یہ سامان بھی کہاں کہاں گھسیٹتا پھرا ہے۔ تم نے کہا تھا کہ تم اس کو کافی پلاؤ گے۔ اس لئے کافی لیتا آیا ہوں۔ اس نے کہا تھا کہ تم اس کے ساتھ کیا کرو گے۔ میں نے کہا کہ تم اس کو ساتھ لے جاؤ گے۔ اس نے کہا کہ تم اس کو ساتھ لے جاؤ گے۔"

"تم نے زرینہ کو کیا کہا۔؟"

"ہاں یاد آیا۔ اس نے کہا تھا کہ میں اس کو ساتھ لے جاؤں گا۔ لیکن میں نے کہا کہ میں اس کو ساتھ لے جاؤں گا۔ اس لئے میں نے کہا کہ میں اس کو ساتھ لے جاؤں گا۔"

"کیا کہا ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس کو ساتھ لے جاؤں گا۔"

"وہ یہ بات تو تم نے اسے دیتے تھے۔ مگر میں نے اس کو ساتھ لے جانے کا کہا تھ

...ہے۔ ...ہے کہ ...سلام سے سکون کے
...ہوں ہیں۔ ۶
"...ہاں ہے ہیں ... ابھی سیٹ پر ہوں ہوں
...گیا۔ ...ہے کہ ...ایک ...ہوں گیا ...ہے۔ ...ہے ہوں
...کہ گئے ہے ہیں۔
"...ہے ...ہے ...ہے ...ہے ...ہے ...ہے ...ہے
...گئے۔ ...ہم ...گئے ...؟"
"...ہوں ...ہے ...ہے ...ہے ...ہے ...ہے ...ہے ...ہے
...ہے ...ہے ...ہے ...ہے ...ہے ...ہے

طوفان پیدا ہے لیکن خاصے فاصلے پر ہے۔ لیکن جہاز کو سفر کرنا ہوتا ہے۔"

"تب پھر سمندری سفر کیوں اچھا ہے گا۔" ہوٹل کے مشرقی قومی نے بات کرنا چاہی۔ طالوت نے کہا اور میز کو دوں جانے لگے پھر بولنے لگے تو انہوں نے کہا۔ طالوت سمندری سفر کی تکلیفوں سے بے خبر تھا۔ اسے اس بات کی بھی خوشی تھی کہ اب ایک انسان کی حیثیت سے اس کی بھی اپنی شخصیت ہوگی اور وہ انسانوں کے سے انداز سوچ سکے گا۔!

بیچ سمندر پر جہاز پہاڑ کے نکل آئے۔ اور ملک پر جہاز قریب کرتے ہوئے لگا بڑھنے لگے۔ گو رات جگ کر گزارنی تھی لیکن ایک نوکر شوق و خوش آئند خیالات اور سے خوشی ہوئی کہ فرصت بخش

جہاز دیکھنے کو ایک عجیب سی دلچسپی کا احساس ہو رہا تھا۔ ہم چھوٹے چھوٹے جہاز کے ذریعے گزرتے ہوئے تھے جو کشتی کے انسانوں پر خوش ہوتے تو سلام کا احساس ہوا۔ ہوا دوں کے قدم ایک ساتھ اٹھ گئے۔

"کیا خیال ہے، اسٹرکریں چلے۔" طالوت نے کہا اور ہی ہے ہوا۔ ہر ہستیاں ہو گئی۔ وقت بسر ہو کر جلنے منہ دھوئے اور پھر چبوترے پر سے ٹہلنے کے لیے نیچے آگئے۔ ریستوراں کے سامنے ایک ہری بھری جگہ تھی جہاں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ کھانے کا انتظار ہونے لگا۔ بیٹھنے کے بعد طالوت نے کہا "اب ہم پہنچ نکل آئے! اب ہمیں انتظار تھا" لیکن ہمیں آسے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم پیشہ ور فریق کس انداز سے حاصل کریں گے اس سوچنا ہمارا کام ہے۔ بات طالوت سے اچھے کی جہاں ضرورت نہیں تھی

"کیوں نہ گاؤں کی سیر کی جائے۔ یہ بھی معلوم کریں گے کہ کونسا جہاز کب کہاں جا رہا ہے۔" میں نے تجویز پیش کی۔

"تمہاس میں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔" طالوت نے کہا اور میں ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو روکنے لگا۔ ٹیکسی ہمارے قریب پہنچ گئی اور میں نے ڈرائیور سے بندرگاہ چلنے کے لیے کہا۔

"شاید تمہارے پاس کرنسی ختم ہو گئی ہے۔" ٹیکسی میں طالوت نے مجھ سے کہا اور میں مسکرا دیا۔

"ہاں۔ فلک پیما میں داخل کرتے وقت پولیس نے میری تلاشی لی اور سب کچھ واپس کر دیا تھا۔"

"تب یہ لو۔" اس نے چند نوٹوں کی دو گڈیاں میری جیب میں ٹھونس دیں اور میں ایک گہری سانس لے کر سڑک پر دیکھنے لگا۔ ڈرائیور کے کام شروع ہو چکے تھے۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ تک پہنچنے کے طالب میں پہنچ گئے۔ اور پھر ٹیکسی کو دل ادا کر کے آمد و رفت ہو گئی۔

میں طالوت کو لے کر اس علاقے کی طرف چلا جہاں سے جہازوں کا نظارہ کیا جاتا تھا۔ طالوت بڑی دلچسپی سے دریا کے کنارے کو دیکھ رہا تھا۔!

"تنہا دنیا میں زندگی گزارنا بہت مشکل ہے۔ ہمارا زندگی گزارنے کے لیے سخت محنت کرنی پڑتی ہے اور میں سمجھتا ہوں زندگی کو خزاں ہے لذت میں ملتی ہے۔ اور تم لوگ واقعی بہت محنت کرتے ہو ——— جدوجہد انسان کو معروف رکھتی ہے۔"

کے لوٹ آسانی سے گزر جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے مسائل مختلف ہیں۔ ہمیں سب کچھ آسانی سے نہیں مل جاتا ہے اس لیے ہمارے ہاں کی زندگی پر جمود طاری ہے۔" طالوت نے کہا۔ "تمہارے ہاں کی زندگی کی سہولیات بالکل بے لطف اور بے رنگ ہیں۔ ہاں دولت ہے۔ لیکن انسان کی خوشی دولت میں نہیں ہے۔"

"خوش ہونا چاہیے۔ اسے بہت کچھ کرنے کا موقع ملتا ہے۔" سمندر کے سینے پر چلنے والے یہ جہاز! اگر انسان کو سمندر پر چلنے کی قوت حاصل ہوتی تو وہ یہ جہاز کیوں بناتا۔ لیکن یہ کچھ کیسے خوبصورت جہاز بنائے گئے ہیں۔ آؤ۔ ان میں سے کسی جہاز کو اندر سے دیکھیں۔"

"اس طرح اجازت نہیں ملے گی۔"

"اجازت کی ضرورت ہی کیا ہے۔" طالوت نے کہا اور میری آنکھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور پھر جب اس کا ہاتھ ہٹا تو ہم ایک خوبصورت جہاز کے عرشے پر کھڑے تھے۔!

میں نے ایک گہری سانس لی۔ اور پھر طالوت کے ساتھ جہاز کی سیر کرنے لگا۔ اس وقت ہم لوگوں کی نگاہوں کے سامنے تھے اور ہمیں سوچنا پڑا تھا کہ کسی نے بازپرس کر لی تو کیا جواب دیا جائے گا۔ لیکن خوش قسمتی ہی تھی کہ کسی نے خاص طور سے ہماری طرف توجہ نہیں دی۔ جہاز کے خلاصی اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ انہوں نے سوچا کہ ہم کوئی حیثیت ہی رکھتے ہوں گے جو جہاز پر پہنچ گئے ہیں۔ ہم نے جہاز کے آرام دہ کیبن دیکھے اور طالوت نے اس پر خوش حال کو بہت پسند کیا۔

"ہم اسی جہاز سے سفر کریں گے۔" اس نے کہا۔

"تب آؤ۔ شیڈول میں دیکھتے ہیں کہ یہ جہاز کب روانہ ہوگا۔"

"کہاں۔ وہ والیں شکل پر چلیں۔" طالوت نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔"

"بس تو آنکھیں بند کرو۔" وہ بولا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ ہم کو دائیں بائیں آنکھوں کو ٹھنڈی سی جنبش کا احساس ہوا۔ اور پھر کچھ دیر تو ہی چلتے رہے جہاں سے جہاز پر گئے تھے۔ ہم جان گئے اب اس بات پر حیرت نہیں ہوتی تھی۔ یہ دولت کی طاقت تو تھی کائنات تھا۔ اس کے بے پناہ کا مظاہرہ تھا۔ ہم اس علاقے کی طرف بڑھ گئے جہاں چاٹ جہازوں کی آمد و رفت کی تفصیلات درج تھیں۔ جس جہاز پر ہم گئے تھے اس کا نام "ایس بلا بیا" تھا۔ فرانسیسی تجارتی کمپنی کا جہاز تھا۔ میری نگاہوں میں فرانس کی کہانیاں گھوم گئیں۔ حسین اور نہ ہوا دل لوگوں کی حسین ملک جسے میں نے انگریزی فلموں میں دیکھا تھا یا اس کے بارے میں پڑھا تھا۔ خود میری کبھی اتنی استطاعت نہیں تھی کہ اس ملک کی سیر کے بارے میں سوچ بھی سکوں۔

لیکن اب مجھے احساس ہو رہا تھا جیسے اس جہاز سے سفر کرنے کا امکان نہ ہو۔ یہ کیبن کی میز کرسیاں بہت قدیم معلوم ہوتی تھیں۔

میں نے طالوت کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "ہم فرانس چلیں گے طالوت۔"

"کیا مطلب۔؟" طالوت نے حیرت سے پوچھا۔ "اس جہاز سے سفر نہیں کرو گے۔؟"

"ہاں سے کریں گے۔ یہ فرانس جا رہا ہے۔"

"اور کسی شہر کا نام ہے۔؟"

"نہیں، ملک کا۔"

"کیا بہت خوبصورت ملک ہے۔؟"

"دیکھنے کے قابل۔؟"

"تو پھر چلو۔!"

"ایسے نہیں۔ یہ معصوم دوست۔ پاسپورٹ ویزے وغیرہ کا دردسر ہمیں نہیں گزارنا ہے۔ جہاز پر سوار ہو جائیں گے اور اس دوران کاغذی کارروائی بھی حاصل کر لیں گے۔"

"ہم سمجھ گئے کام کریں گے۔ لیکن کیا ہم اس جہاز کو آگاہ جانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔" طالوت نے کہا۔

"وہ ان انتظار کرو۔ اس کے بعد ہم اس پر سفر کا آغاز کریں گے۔"

"اب پھر یہ دن کہاں گزارو گے۔؟"

"کسی خوبصورت سے ہوٹل میں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" طالوت نے رضامندی کا اظہار کر دیا اور ٹیکسی والے کو ہدایت کر دی۔ اس نے ٹیکسی کو ایک طرف موڑ لیا۔ اور ہم جہاز سے دور ہوتے چلے گئے۔ ہم نے ٹیکسی والے کو ہدایت کی تھی کہ وہ ہمیں کسی اچھے ہوٹل میں لے چلے۔ ہم نے اپنے کپڑے تبدیل کیے تھے۔ ہم جانتے تھے کہ ہم نے ٹیکسی والے کو بہت زیادہ رقم ادا کی ہے۔ ٹیکسی والا ہمیں ایک ہوٹل میں لے آیا۔ ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی ٹیکسی سے اتر گئے۔ ہوٹل کے دروازے پر کھڑے ہوئے دربان نے ہمارا استقبال کیا۔ ہم نے اس سے کمرے کے بارے میں پوچھا۔

"ہر قسم کے کمرے موجود ہیں۔" دربان نے جواب دیا۔

"ہمیں ایک اچھا سا کمرہ چاہیے۔" طالوت نے کہا۔

"ضرور جناب۔ آپ تشریف لائیں۔" دربان نے کہا اور ہم ہوٹل کے اندر داخل ہو گئے۔ ہوٹل کا ماحول بہت خوبصورت تھا۔ ہر طرف قالین بچھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر خوبصورت تصاویر آویزاں تھیں۔ ہوٹل کا عملہ بہت مستعد نظر آ رہا تھا۔ ہم ہوٹل کے منیجر کے پاس پہنچے۔ طالوت نے اس سے کمرے کے بارے میں پوچھا۔ منیجر نے ہمیں ایک کمرہ دکھایا۔ کمرہ بہت خوبصورت تھا۔ طالوت نے کمرہ پسند کر لیا۔ اور منیجر نے ہمیں کمرے کی چابی دے دی۔ ہم کمرے میں آ گئے۔ کمرے میں ایک بڑا سا بستر بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف ٹیلی ویژن رکھا ہوا تھا۔ کمرے کی ہر چیز سے دولت ٹپک رہی تھی۔ طالوت صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے ٹیلی ویژن آن کر دیا۔ اور ٹیلی ویژن کے پردے پر ایک تصویر ابھر آئی۔ یہ ایک خبرنامہ تھا۔ خبرنامے میں ہمارے ملک کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ ہم نے ٹیلی ویژن بند کر دیا۔ اور طالوت سے کہا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں کچھ کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم نے کھانا کھا لیا ہے۔" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں نے کھانا کھا لیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ طالوت نے سر ہلا دیا۔ میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ اور ہوٹل کے ریستوراں میں آ گیا۔ ریستوراں میں بہت سے لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے ایک ویٹر کو بلایا۔ اور اس سے کھانے کے بارے میں پوچھا۔ ویٹر نے مجھے کھانے کی فہرست دکھائی۔ میں نے کھانے کا آرڈر دیا۔ اور ویٹر کھانا لینے چلا گیا۔ میں نے ریستوراں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لیا۔ ان میں کچھ لوگ ایسے تھے جو ہوٹل کے مستقل مہمان معلوم ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ ہوٹل کا عملہ بہت مؤدب تھا۔ ان کے چہروں سے دولت ٹپک رہی تھی۔ ان کے لباس بہت قیمتی تھے۔ ان کے ہاتھوں میں قیمتی گھڑیاں تھیں۔ ان کی انگلیوں میں ہیرے جگمگا رہے تھے۔ ان کے ساتھ جو عورتیں تھیں وہ بھی بہت قیمتی لباس میں ملبوس تھیں۔ ان کے جسموں پر بھی زیورات تھے۔ ان کے چہروں پر بھی دولت کی چمک تھی۔ ان کے ہاتھوں میں بھی قیمتی گھڑیاں تھیں۔ ان کی انگلیوں میں بھی

لیا تھا کہ ۔۔۔ پھر ایک عجیب سا خیال اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برسا تھا۔ اس نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ اس نے اپنے ہاتھ کی پشت سے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھا تھا۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"طاقت ۔۔۔" اس نے طاقت کا نام دہرایا۔

"ہوں ۔۔۔ وہ ایک لڑکی ہے۔"

"دیکھو ۔۔۔" میں نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں کے حصار میں لے کر کہا تھا۔ "میں نے اس کی ایک جھلک دیکھی ہے۔ پھر اس نے مجھے اس کا اخبار اٹھا کر دیا تھا۔ اس کی ایک تصویر چھپی تھی۔ وہ واقعی بہت حسین تھی۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ اس کے ہونٹ بھرے بھرے تھے۔ اس کا چہرہ بڑا دلکش تھا۔ اس کے بال بڑے گھنے تھے۔ اس کی گردن صراحی دار تھی۔ اس کے شانے بڑے خوبصورت تھے۔ اس کا سینہ ۔۔۔"

"بس ۔۔۔ بس ۔۔۔" اس نے میرے ہاتھ کو جھٹک دیا تھا۔ "میں نے تمہیں بات کا مطلب سمجھانے کے لیے کہا تھا۔ میں نے تمہیں اس کی تصویر نہیں دکھائی تھی۔ میں نے تمہیں اس کا جسم نہیں دکھایا تھا۔ میں نے تمہیں اس کی روح دکھائی تھی۔ میں نے تمہیں اس کی آنکھوں میں جھانکنے کو کہا تھا۔ میں نے تمہیں اس کی آنکھوں کی گہرائی دیکھنے کو کہا تھا۔ میں نے تمہیں اس کی آنکھوں کی وسعت دیکھنے کو کہا تھا۔ میں نے تمہیں اس کی آنکھوں کی

طالوت

کی سکھیاں بھی خوشی کی چمک تھی اس کے گال بھر جاتے تھے وہ شرمانے کی کوشش بھی کرتی کہ قاصد اس کے سامنے وہ انوٹھ گئی۔ اس نے وہی انوٹھ طالوت کے سامنے پھر دوہرایا جسے وہ گا رہی تھی۔ اس حصے میں محبوب کے من کا ذکر تھا۔ طالوت گال پھلائے گردن ہلا رہا تھا۔ میں نے اس کے کہنی ماری اور طالوت چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ یہ ہی بات اس کی کچھ میں نہیں آئی تھی۔ تب میں نے جیب سے سونے کا ایک نوٹ نکال کر طالوت کے گال پر رکھ دیا۔ قاصد نے نوٹ لیا اور زور سے طالوت کا گال نوچ لیا

طالوت کے ذہن میں کوئی جہاز قرار نہ کرنے لگی تھی۔ اپنا چہرہ پان کی پچکاری قاصد کے اوپر اس پر پڑی اور قاصد ہنس کر پیچھے ہٹ گئی۔ کمسن لڑکی کی حرکت ہوتی تو شاید وہ ناراض ہوں سکتی تھی لیکن آخر طالوت کی شخصیت پھر سو کا نوٹ۔ وہ ہنس پڑی۔ اور طالوت مرجھا گیا تھا۔ خوفزدہ لگا ہوا تھا اس کی شکل دیکھنے لگا۔ قاصد نے ہو کر اپنا لباس صاف کرنے لگی تھی۔ مجھے بھی اس حادثے کا احساس تھا۔ میں نے جلدی سے ایک اور نوٹ نکال کر قاصد کی گود میں ڈال دیا۔ اس دیر میں لڑکی اگالدان لینے لگی تھی۔ طالوت ہنس کر اگالدان لے کر آگیا اور میں نے اسے اشارہ کیا کہ وہ پانوں کی مصیبت سے نجات حاصل کرلے بات طالوت کی سمجھ میں آگئی اور اس نے پیانہ اگالدان میں خالی کردیا۔

قاصد نے اپنا لباس صاف کیا۔ لیکن شوخ طالوت کے سامنے سے اٹھنے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ چنانچہ اس نے دوسرا مصرع شروع کردیا اور طالوت مسکرانے لگا۔

"یہ تو ہیں ہے نواب صاحب۔" اچانک ایک طرف سے آواز ابھری۔ "گویا ہم لوگوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔" آواز کافی زوردار تھی۔ میں نے چونک کر آواز کی طرف دیکھا۔ پگڑ، شیروانی میں ترچھی ٹوپی لگائے بڑی بڑی مونچھوں والے ایک صاحب بیٹھے تھے شکل سے چھٹے ہوئے بدمعاش نظر آتے تھے۔ کئی مصاحب آلتی کے گرد موجود تھے اور انہیں میں سے ایک نے یہ بات کہی تھی۔ نواب صاحب کا بھگانی کرتا جامہ زرد پڑ گیا۔ ان کی بڑی بڑی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ انہوں نے فوراً سو روپے کا ایک نوٹ نکالیں میں تھاما۔ اور گرجدار آواز میں بولے۔

"ادھر آجاؤ لڑکی۔" قاصد کے چہار بھری نگاہ طالوت پر ڈالی اور پھر وہی نغمہ گاتی ہوئی اٹھ گئی۔ اب وہ نواب صاحب کے سامنے جا رہی تھی

"یہ کیا ہوا۔" طالوت نے پوچھا۔

"یہ عورتیں دولت کی غلام ہوتی ہیں، جہاں نوٹ دیکھے لپک پڑیں۔ آؤ انہیں یہاں سے۔"

"اے واہ۔ دیکھئے تو یار۔ اچھی لگ رہی ہے۔" طالوت نے کہا اور پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹ نکال لیا۔ لڑکی نے نواب صاحب سے نوٹ لے لیا تھا۔!

"اب واپس آجاؤ۔" طالوت نے بھی زور سے آواز لگائی اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ طالوت اس رقص و سرود میں پوری طرح کھو گیا تھا۔ اس لئے اب اسے یہاں سے اٹھا لے جانا مشکل تھا۔ چنانچہ

میں نے اگلی نشست بک کردی۔ لیکن قاصد وہاں سے اٹھی کیونکہ نواب صاحب نے اسے مٹھی میں نوٹ نکال لیا تھا۔ قاصد نے مسکراتی نگاہوں سے طالوت کی طرف دیکھا اور پھر نواب صاحب کی طرف رخ کرکے گانے لگی۔ میں نے طالوت کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ شرما رہا تھا۔ طالوت کو غصہ آگیا تھا! دوسرے لمحے طالوت نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر سامنے رکھ لی۔

"ادھر آجاؤ قاصد۔" اس نے کہا اور قاصد کے اس طرف دیکھا۔ آنکھوں میں نوٹوں کی گڈی دیکھ کر چمک ——— پیدا ہوگئی تھی، وہ مضطربانہ انداز میں پہلو بدلنے لگی پھر اس نے اس کی دلجوئی کا اشارہ کیا جو اگالدان لے کر طالوت کے پاس آئی تھی اور لڑکی سمجھتی ہوئی طالوت کے ساتھ آبیٹھی۔

"میں کون ہوتی ہوں نواب صاحب۔" اس نے طالوت کے مخاطب کرکے کہا۔

"اسے جاؤ۔" طالوت نے سخت لہجے میں کہا اور ایک اور گڈی نکال کر سامنے رکھ لی۔

"دیکھو نواب صاحب بلا رہے ہیں۔" انگوٹھا دکھاتی ہوئی قاصد نے پھر طالوت کی طرف گڈی دیکھ کر دل اس کی ہوگئی تھی۔ گھبرائی ہوئی قاصد نے پھر طالوت کی طرف دیکھا اور اٹھنے کی کوشش کی! لیکن موٹے لکڑے نواب صاحب نے بھی ایک گڈی نکال کر اپنے سامنے رکھ لی۔ طالوت اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے گڈی جیب سے نکال کر رکھ لی۔ طالوت کو واقعی غصہ آگیا تھا۔ اس بار اس نے ہاتھ ڈالا اور پھر وہ نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ڈھیر کرنے لگا۔ آٹھ گڈیاں اس نے سامنے سجا دیں جو اس کی اور ایک دونوں کی جیبوں میں سما کر بھی نہیں آسکی تھیں۔

میں نے ایک سانس میں قاصد کو جو طعنہ دیا تھا، مجھے افسوس ہوا دیکھا۔ وہ بے چارہ شاید بے ہوش ہوگیا تھا، وہ سکتے میں سا آگئے تھے تمام سازندے منہ پھاڑے نوٹوں کی گڈیوں کو دیکھ رہے تھے تماشبین بھی آنکھیں پھاڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ مونچھوں والے نواب صاحب کے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ سکتے کے عالم میں تھے نواب صاحب نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"کیا بدتمیزی ہے نواب صاحب۔ آداب محفل سیکھیں۔" مانکو اب پوری طرح طالوت کی انوٹھ ہو چکی تھی۔

"مجھ اس بات کا افسوس ہے۔ اس کمل کے پھوکرے کی یہ مجال کہ نواب

"ہے۔" سکندر نے کہا۔ "بالکل اس کے ایک ملاقاتی نے آکر اسے اطلاع دی کہ کوئی اجنبی اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اس نے اپنا چہرہ کھڑکی سے باہر نکالا اور اس کا سر تن سے جدا ہو کر گر پڑا۔ دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے۔ کسی کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ کام کس کا ہے۔ اس کے بعد جو کوئی بھی اس سے ملنے آتا، اس کا سر اسی طرح تن سے جدا ہو کر گر پڑتا۔ ایک دن ایک شخص نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا تھیلا تھا اور اس کے چہرے سے غیب کی نگاہیں لگ رہی تھیں۔ اس کے تمام ساتھی اس کی طرف لپکے۔ پھر کچھ ہوئے کا خوف لگا اور نوابِ چیتی کے جانباز ساتھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ وہ اجنبی جو تھے اور تھیلے میں لگا رہے تھے اور نوابِ چیتی بوڑی وقت موت کے سے کیل چلا رہے تھے۔

"آؤ۔" طاقت نے کہا اور ہم دونوں لوگوں کے ہجوم سے الجھتے گرتے پڑتے گاڑی میں پہنچ گئے۔ بل ادا کر کے ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی اور اس میں ناکام رہا۔ ایک دو بار کوشش کرنے کے بعد اس نے گاڑی سے اتر کر بونٹ اٹھایا اور انجن کا معائنہ کرنے لگا۔ میں نے طاقت سے کہا۔ "یہ تو بڑی مصیبت ہو گئی۔ اب کیا ہوگا؟"

"فکر نہ کرو۔" طاقت نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ "کیا بات ہے میرے جان۔" اس نے آنکھ مار کر کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ تم اور رنگ رلیوں میں مست تھے اور چلتے کے وقت یاد دلایا۔ میرے بگڑے ہوئے لہجے پر کہا۔

"ہاں یار۔ معذرت خواہ ہوں۔ اس وقت میں واقعی تمہاری طرف توجہ نہیں دے سکا تھا۔ یہ حال کیسے ہوا؟"

"لعنت ہے اختیار صنف نازک نے ڈبو دیے گی۔"

"نہیں بھائیوں کی وجہ سے تو اچھی مصنوعی دنیا چھوڑی ہے یہاں۔ چلو اسے دیکھ لو۔ میں تمہاری مدت کرتا ہوں۔" اس نے ایسے انداز میں کہا کہ میرا غصہ کافور ہو گیا۔

"تو تو اپنی پیاری طوائفوں کی وجہ سے محفوظ ہے سو لیکن ایسے میں کہ ان کو کوئی جانتا نہ ہو گی ہوگا۔ اور پھر وہ کس بڑھیا کے ایسے بوڑھے کو جانتی تھی۔

"وقت نکلتا گیا اور پیسے وہ" ماں بچ گئے۔ کیا وہ تم سے اتنی بھی نہ بچ سکی۔"

"تم تو بڑے دوست نکلے۔ لیکن اس میں تمہاری کیا غلطی ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"اگر تم وہاں نہ ملے جاتے تو تم کیا کرتے؟" اس نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"کیا کہوں اس بارے۔ خاطر اب تم ان لوگوں سے نمٹ لو۔ میں ابھی ٹیکسی لاتا ہوں۔ اس سے آگے کچھ نہ کہو گے تو تمام آدمی اس کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد سنجیدہ ہو کر کہا۔

"کیا معاملہ ہے تمہارا؟" طاقت نے تیز نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کیا تم رشیم سے متاثر ہوتے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"تم متاثر ہونے کی بات کرتے ہو۔ میں تو اس کے تصور سے کانپ جاتا ہوں۔ کیا باتوں مارتی کسی معصوم اور محبت کرنے والی لڑکی کو اس طرح دم گھونٹ کر مار دیتا ہے۔ اپنا سب کچھ اسے قربان کر دیا۔ کچھ بھی نہ بچا سکی۔ اس کے بعد بھی کسی کو اس پر اعتماد ہو سکے گا۔ نہ جانے کتنی اس چند محاملات میں کیا جادو کر دیا ہے۔ یار تم سچ کہو جو میں نے کچھ بھی کیا ہو۔ بس یہ اس کی محبت ہے۔" طاقت نے مصر ہو کر کہا۔

"طاقت۔ طاقت۔ ہوش میں آؤ۔ تم ایک طوائف سے متاثر ہو رہے ہو۔ جو ہمارے یہاں سانپ سے زیادہ خطرناک سمجھی جاتی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو مارٹ۔ وہ خوبصورت لڑکی۔"

"خوبصورت ناگن کہو۔"

"کیوں۔ بالآخر کیوں؟"

"اوہ میرے بھولے دوست۔ وہ طوائف ہے۔ دولت کی پیاسی۔ اس کی نگاہ میں صرف دولت سب کچھ ہے۔ جتنی زیادہ جیسے ہیں، دولت پر اتنی ہی اس کی محبت حاصل ہوگی۔ وہ دولت کے علاوہ کسی چیز سے محبت نہیں کرتی۔"

"میں اس کا مکان سونے چاندی سے بھر دوں گا۔" نوٹوں کے انبار لگا دوں گا اس کے سامنے۔" طاقت نے کہا۔

"پھر اس سے کیا ہوگا۔ وہ طوائف ہے۔ طوائف ہی رہے گی طوائف اپنی فطرت کو کبھی بدل نہیں سکتی۔"

"تمہاری منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔ طوائف ہے۔ طوائف ہی رہے گی۔ تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ مجھ سے محبت تو کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔"

"دیکھو طاقت۔ تم اس دنیا سے ناواقف ہو۔ اور تمہارے یہ کہنے پر میں یہ کہہ کر دنیا سے گریز کروں کہ میں تمہیں اپنی دنیا سے روشناس کراؤں۔ لہٰذا تم میری بات پر توجہ دو۔ تو میں تمہیں سچ مچ دنیا سے روشناس کرا دوں گا۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں اس دنیا کو میں تمہیں زیادہ جانتا ہوں۔"

"میرے دوست۔ تم نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ میں تمہاری دنیا سے ناواقف ہوں۔ لیکن اس میں تمہاری کیا غلطی ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"اگر تم وہاں نہ ملے جاتے تو تم کیا کرتے؟" اس نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"کیا کہوں اس بارے۔ خاطر اب تم ان لوگوں سے نمٹ لو۔ میں ابھی ٹیکسی لاتا ہوں۔ اس سے آگے کچھ نہ کہو گے تو تمام آدمی اس کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد سنجیدہ ہو کر کہا۔

"کیا معاملہ ہے تمہارا؟" طاقت نے تیز نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کیا تم رشیم سے متاثر ہوتے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"تم متاثر ہونے کی بات کرتے ہو۔ میں تو اس کے تصور سے کانپ جاتا ہوں۔ کیا باتوں مارتی کسی معصوم اور محبت کرنے والی لڑکی کو اس طرح دم گھونٹ کر مار دیتا ہے۔ اپنا سب کچھ اسے قربان کر دیا۔ کچھ بھی نہ بچا سکی۔ اس کے بعد بھی کسی کو اس پر اعتماد ہو سکے گا۔ نہ جانے کتنی اس چند محاملات میں کیا جادو کر دیا ہے۔ یار تم سچ کہو جو میں نے کچھ بھی کیا ہو۔ بس یہ اس کی محبت ہے۔" طاقت نے مصر ہو کر کہا۔

"طاقت۔ طاقت۔ ہوش میں آؤ۔ تم ایک طوائف سے متاثر ہو رہے ہو۔ جو ہمارے یہاں سانپ سے زیادہ خطرناک سمجھی جاتی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو مارٹ۔ وہ خوبصورت ناگن۔"

"خوبصورت ناگن کہو۔"

"کیوں۔ بالآخر کیوں؟"

"اوہ میرے بھولے دوست۔ وہ طوائف ہے۔ دولت کی پیاسی۔ اس کی نگاہ میں صرف دولت سب کچھ ہے۔ جتنی زیادہ جیسے ہیں، دولت پر اتنی ہی اس کی محبت حاصل ہوگی۔ وہ دولت کے علاوہ کسی چیز سے محبت نہیں کرتی۔"

"میں اس کا مکان سونے چاندی سے بھر دوں گا۔" نوٹوں کے انبار لگا دوں گا اس کے سامنے۔" طاقت نے کہا۔

"پھر اس سے کیا ہوگا۔ وہ طوائف ہے۔ طوائف ہی رہے گی طوائف اپنی فطرت کو کبھی بدل نہیں سکتی۔"

"تمہاری منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔ طوائف ہے۔ طوائف ہی رہے گی۔ تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ مجھ سے محبت تو کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔"

"دیکھو طاقت۔ تم اس دنیا سے ناواقف ہو۔ اور تمہارے یہ کہنے پر میں یہ کہہ کر دنیا سے گریز کروں کہ میں تمہیں اپنی دنیا سے روشناس کراؤں۔ لہٰذا تم میری بات پر توجہ دو۔ تو میں تمہیں سچ مچ دنیا سے روشناس کرا دوں گا۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں اس دنیا کو میں تمہیں زیادہ جانتا ہوں۔"

ہے لیکن وہ تمہیں کیا جانے۔ اس کا تو یہ کوئی انتظام ہی نہیں ہے۔"

مسکرا کر کہا۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" ریشم مجھے مضطرب ہوتے ہوئے بولا۔

"مجھے نہیں۔ ریشم دوست کو کچھ ہو گیا ہے۔ جب سے طاقت نے سمندر کی گہرائی کا ذکر کیا ہے۔ اس کے چہرے پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ کسی اور دنیا میں پہنچ گیا ہو۔ ہم سے بہت دور۔ ہم اسے دیکھ رہے ہیں لیکن وہ ہمیں نہیں دیکھ رہا۔ ہم اسے پکار رہے ہیں لیکن وہ ہماری آواز نہیں سن رہا۔ ہم اسے چھو رہے ہیں لیکن وہ ہمارا لمس محسوس نہیں کر رہا۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ ہمارے درمیان موجود ہی نہیں ہے۔ وہ کہیں اور ہے۔ بہت دور۔ ہم سے بہت دور۔"

ریشم کی آنکھیں نمی سے چمکنے لگیں۔ اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ اس کے چہرے پر بھی اداسی کے سائے لہرا رہے تھے۔ طاقت نے ان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی نمی تھی۔ اس نے ریشم کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "ریشم دوست۔ تم بھی۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ میں تو تمہیں بہت بہادر سمجھتا تھا۔ تم تو ہر مشکل کا مقابلہ کرتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کا حل نکالتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو آسان بنا دیتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنسی میں اڑا دیتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنستے ہنستے حل کر لیتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنستے ہنستے عبور کر لیتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنستے ہنستے پار کر لیتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتے ہو۔"

پھر وہ رکا۔ ہاتھ اٹھا کر آگے بڑھا اور ریشم کی بھیگی ہوئی آنکھوں کو صاف کرنے لگا۔ ریشم نے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ "دوست۔ تم نے ٹھیک کہا۔ میں واقعی بہادر ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کا مقابلہ کرتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے حل کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے عبور کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے پار کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ لیکن یہ مشکل۔ یہ مشکل ایسی ہے جس کا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں بے بس ہو گیا ہوں۔ میں لاچار ہو گیا ہوں۔ میں مجبور ہو گیا ہوں۔ میں کمزور ہو گیا ہوں۔ میں ہار گیا ہوں۔ میں ٹوٹ گیا ہوں۔ میں بکھر گیا ہوں۔ میں ریزہ ریزہ ہو گیا ہوں۔ میں ختم ہو گیا ہوں۔ میں فنا ہو گیا ہوں۔ میں مٹ گیا ہوں۔ میں نابود ہو گیا ہوں۔ میں معدوم ہو گیا ہوں۔ میں ناپید ہو گیا ہوں۔ میں نیست و نابود ہو گیا ہوں۔ میں نیست و نابود ہو گیا ہوں۔"

ریشم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ اس کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگا۔ طاقت نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ "ریشم دوست۔ تم تو ہر مشکل کا مقابلہ کرتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنستے ہنستے حل کر لیتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنستے ہنستے عبور کر لیتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنستے ہنستے پار کر لیتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتے ہو۔ تم تو ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتے ہو۔"

ریشم نے سر اٹھایا۔ "دوست۔ تم نے ٹھیک کہا۔ میں واقعی ہر مشکل کا مقابلہ کرتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کا حل نکالتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے عبور کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے پار کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ لیکن یہ مشکل۔ یہ مشکل ایسی ہے جس کا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں بے بس ہو گیا ہوں۔ میں لاچار ہو گیا ہوں۔ میں مجبور ہو گیا ہوں۔ میں کمزور ہو گیا ہوں۔ میں ہار گیا ہوں۔ میں ٹوٹ گیا ہوں۔ میں بکھر گیا ہوں۔ میں ریزہ ریزہ ہو گیا ہوں۔ میں ختم ہو گیا ہوں۔ میں فنا ہو گیا ہوں۔ میں مٹ گیا ہوں۔ میں نابود ہو گیا ہوں۔ میں معدوم ہو گیا ہوں۔ میں ناپید ہو گیا ہوں۔ میں نیست و نابود ہو گیا ہوں۔"

طاقت نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ "ریشم دوست۔ تم نے ٹھیک کہا۔ میں واقعی ہر مشکل کا مقابلہ کرتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کا حل نکالتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے عبور کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے پار کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ لیکن یہ مشکل۔ یہ مشکل ایسی ہے جس کا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں بے بس ہو گیا ہوں۔ میں لاچار ہو گیا ہوں۔ میں مجبور ہو گیا ہوں۔ میں کمزور ہو گیا ہوں۔ میں ہار گیا ہوں۔ میں ٹوٹ گیا ہوں۔ میں بکھر گیا ہوں۔ میں ریزہ ریزہ ہو گیا ہوں۔ میں ختم ہو گیا ہوں۔ میں فنا ہو گیا ہوں۔ میں مٹ گیا ہوں۔ میں نابود ہو گیا ہوں۔ میں معدوم ہو گیا ہوں۔ میں ناپید ہو گیا ہوں۔ میں نیست و نابود ہو گیا ہوں۔"

ریشم نے سر اٹھایا۔ "دوست۔ تم نے ٹھیک کہا۔ میں واقعی ہر مشکل کا مقابلہ کرتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کا حل نکالتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے عبور کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے پار کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ لیکن یہ مشکل۔ یہ مشکل ایسی ہے جس کا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں بے بس ہو گیا ہوں۔ میں لاچار ہو گیا ہوں۔ میں مجبور ہو گیا ہوں۔ میں کمزور ہو گیا ہوں۔ میں ہار گیا ہوں۔ میں ٹوٹ گیا ہوں۔ میں بکھر گیا ہوں۔ میں ریزہ ریزہ ہو گیا ہوں۔ میں ختم ہو گیا ہوں۔ میں فنا ہو گیا ہوں۔ میں مٹ گیا ہوں۔ میں نابود ہو گیا ہوں۔ میں معدوم ہو گیا ہوں۔ میں ناپید ہو گیا ہوں۔ میں نیست و نابود ہو گیا ہوں۔"

واقعی بے بسی طاری ہو گئی تھی۔ وہ بے بسی اور اداسی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر مایوسی کے سائے لہرا رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں نمی تھی۔ ان کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ ان کے دل بیٹھ رہے تھے۔ ان کے حوصلے ٹوٹ رہے تھے۔ ان کے ارادے بکھر رہے تھے۔ ان کے عزم ریزہ ریزہ ہو رہے تھے۔ ان کے ہمت ختم ہو رہے تھے۔ ان کے جذبے فنا ہو رہے تھے۔ ان کے ولولے مٹ رہے تھے۔ ان کے جوش نابود ہو رہے تھے۔ ان کے ہوش معدوم ہو رہے تھے۔ ان کے ہوا ناپید ہو رہے تھے۔ ان کے ہواس نیست و نابود ہو رہے تھے۔

ریشم نے سر اٹھایا۔ "دوست۔ تم نے ٹھیک کہا۔ میں واقعی ہر مشکل کا مقابلہ کرتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کا حل نکالتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے عبور کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے پار کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ لیکن یہ مشکل۔ یہ مشکل ایسی ہے جس کا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں بے بس ہو گیا ہوں۔ میں لاچار ہو گیا ہوں۔ میں مجبور ہو گیا ہوں۔ میں کمزور ہو گیا ہوں۔ میں ہار گیا ہوں۔ میں ٹوٹ گیا ہوں۔ میں بکھر گیا ہوں۔ میں ریزہ ریزہ ہو گیا ہوں۔ میں ختم ہو گیا ہوں۔ میں فنا ہو گیا ہوں۔ میں مٹ گیا ہوں۔ میں نابود ہو گیا ہوں۔ میں معدوم ہو گیا ہوں۔ میں ناپید ہو گیا ہوں۔ میں نیست و نابود ہو گیا ہوں۔"

طاقت نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ "ریشم دوست۔ تم نے ٹھیک کہا۔ میں واقعی ہر مشکل کا مقابلہ کرتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کا حل نکالتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے عبور کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے پار کر لیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ میں واقعی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے ختم کر دیتا ہوں۔ لیکن یہ مشکل۔ یہ مشکل ایسی ہے جس کا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں بے بس ہو گیا ہوں۔ میں لاچار ہو گیا ہوں۔ میں مجبور ہو گیا ہوں۔ میں کمزور ہو گیا ہوں۔ میں ہار گیا ہوں۔ میں ٹوٹ گیا ہوں۔ میں بکھر گیا ہوں۔ میں ریزہ ریزہ ہو گیا ہوں۔ میں ختم ہو گیا ہوں۔ میں فنا ہو گیا ہوں۔ میں مٹ گیا ہوں۔ میں نابود ہو گیا ہوں۔ میں معدوم ہو گیا ہوں۔ میں ناپید ہو گیا ہوں۔ میں نیست و نابود ہو گیا ہوں۔"

...گرفتہ ہو جاتے ہیں۔"

"...ہی ہوتی ہے۔" ...ہوئے کہا۔

"...ہی ہوتی ہے۔ ...ہوتے ہوتے ...ہو جاتی ہے۔ ...ہو جاتی ہے۔ ...ہو جاتی ہے۔

"میں چل، آپ انتظار کریں اور اگر آپ کریں تو چائے
منگوا لیں۔" طاقت نے پیشکش کی۔
"اوہ۔" وہ مسکرائی۔ "بہرحال میں چائے پیوں گا۔"
"آپ کی مہربانی کہ میں حوصلہ ہو گی۔" طاقت نے مسکراتے
ہوئے کہا اور وہ بھی مسکرا دی۔ طاقت نے سوچا اس کی طرف بڑھا جائے
تو وہ کیا کہے گی۔ اس نے جواب دیا ہو گا کہ کافی پیشہ ہے۔ لیکن
طاقت نے اس کی آنکھوں میں کچھ اور ہی دیکھا تھا۔ لگتا تھا کہ شکست کا سوچ
کر وہ اداس ہو گئی ہے۔ ویٹر نے آ کر چائے رکھی اور طاقت نے
محسوس کیا کہ وہ اس کی موجودگی سے بیزار ہو رہی ہے۔ اس نے
چائے کا ایک گھونٹ لیا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔
"میں چلتا ہوں۔" طاقت نے کہا۔ "آپ کی چائے کا شکریہ۔"
"شکریہ۔" وہ بولی۔
"شادی شدہ ہیں آپ۔" اس نے پوچھا۔
"نہیں۔" طاقت جلدی سے بولا۔
"ملازمت تلاش کر رہے ہیں۔" وہ پھر استہزائیہ انداز میں بولی۔
"بچا کچھ ہیں۔" طاقت جلدی سے بولا۔
"تب پھر میرے ساتھ چلئے۔ میں آپ کو مسکراہٹوں کے کچھ نمونے
فراہم کر دوں گی۔" اس نے دعوت دے ڈالی اور میرا دل دھک سے رہ گیا۔
تمام شکوک مجھ گئے۔ اس کے پیشہ کے بارے میں کوئی شک نہیں رہا
تھا۔ میں اس کے دعوت دینے کے انداز کو سمجھ گیا تھا۔ سستی نیلامی کو تقویت مل گئی۔ طاقت نے میری طرف دیکھا۔
"چلیں۔" اس نے پوچھا۔
"چلو۔" میں نے بادل نخواستہ سر ہلا دیا اور طاقت نے پیسے
ادا کرنے کے لئے گھنٹی بجائی جیسے کوئی اندر کمرے میں ہو۔ کل سے لگی گئی
گوری بولی۔ "کیا میں روک سکتا ہوں۔ میرا بل بھی ہے۔"
"یقیناً۔" اس نے کہا اور ٹیبل نمبر نو کی طرف بڑھ گیا۔ گوری
کی چاندی طاقت کے سامنے تھی کہ میں نے بل ادا کیا اور کار اس کے پیچھے
طاقت میں داخل ہو گئے۔ پہلی منزل کے ایک کمرے میں اس نے دستک دی
اور ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھول دیا۔ میں نے بوڑھی کا حلیہ بغور
دیکھا۔ پرانے طرز کی عورت تھی۔ چہرے پر ایک مدت پرانی جھریوں والی سنجیدگی
تھی۔ دروازہ کھول کر سفید دوپٹے سے چہرہ چھپاتے ہوئے واپس ہو گئی۔
وہ ہماری طرف مڑ کے مسکرائی۔ "آیئے۔" اس نے کہا
کے لہجے سے جھلک رہا تھا اور ہم اس کے ساتھ چل پڑے۔ وہ ہم دونوں کو
لے کر ایک کمرے میں پہنچ گئی۔ کمرہ میں معمولی فرنیچر تھا۔ ایک سنگل بیڈ
سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ چھت میں ایک پنکھا لگا ہوا تھا۔ دیوار پر ایک
سفید تھی۔ حالانکہ عورت کے جسم پر ہلکی سی جھریاں تھیں لیکن اس کے تناسب
میں کسی عمر رسیدہ عورت کا تصور نہیں ابھرتا تھا۔ اس نے پنکھا کھول دیا۔ اور ہمیں
کرسیوں پر بیٹھنے کی پیشکش کر دی۔
"اجازت ہو تو میں تبدیل کر آؤں۔" اس نے پوچھا۔
"ہاں۔ ہاں ضرور۔" طاقت نے کہا۔ اور وہ کمرے سے نکل گئی
اس کے چلے جانے کے بعد طاقت نے ایک گہری سانس لی اور میری طرف
دیکھنے لگا۔ "تم بہت خاموش ہو عارف۔"
"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس میں اس عورت کے بارے
میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا ہوں۔"
"میں بھی نہیں لگا سکا۔ ایک منٹ رکو۔ میں ذرا مکان کا
جائزہ لے لوں۔" طاقت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ طاقت چھڑی
کرسی سے اٹھا گیا اور باہر نکل گیا۔ میں جانتا تھا کہ باہر نکلتے ہی وہ دروازے
کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو گیا ہو گا۔ بہرحال اس کے جانے کے بعد میں بیقراری
محسوس کرنے لگا۔ تین چار منٹ گزر گئے۔ پھر میں نے طاقت کو اندر آتے
دیکھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر میں چونک پڑا۔ نہ جانے کیوں طاقت کا چہرہ اترا
ہوا تھا۔

"وہ واپس آ رہی ہے۔" اس نے کہا اور جلدی سے کرسی پر بیٹھ
گیا۔ میں اس کے تاثرات سے کچھ اندازہ لگانا چاہتا تھا لیکن ہر تاثر
کچھ پوشیدہ ہو گیا تھا۔ اس لئے میں خاموش رہا۔ باہر قدموں کی آہٹ
سنائی دی اور پھر دروازہ کھلا۔ اس نے گلابی رنگ کا ایک ڈھیلا ڈھالا
سا گاؤن پہن رکھا تھا۔ اس کے بال بندھے ہوئے تھے۔ وہ مسکراتی ہوئی ہمارے
پاس ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔
"معاف کیجئے۔ لباس تبدیل کرنے میں دشواری ہو گئی۔ آپ کو
انتظار تو نہیں کرنا پڑا۔" اس نے پوچھا۔
"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ طاقت خاموش تھا اس کے
چہرے کا غم انگیز کیفیت برقرار تھی۔
"آپ کے ساتھی شاید بور ہو گئے۔" وہ طاقت کی طرف گہری
نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔
"آپ سے مل کر کون بور ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔
پھر اس نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کیا اور بولی۔ "آیئے میری پیٹ جایئے۔ اپنے میں
آپ کے جوتوں کے تسمے کھول دوں۔ باہر دھوپ بہت ہے اب شام کو ہی
جایئے۔" میں اٹھ گیا۔ اور اس نے مجھے صوفہ پر بٹھا دیا پھر وہ طاقت
کو بھی اشارہ کر کے اٹھا لائی اور اسے بھی تھوڑے فاصلے پر بٹھا کر
خود درمیان میں بیٹھ گئی۔ اس کی خواہش تھی کہ ہم ابتدا کریں۔ کمرے کے
نیم تاریک ماحول میں فضا کچھ اور نشہ آور ہو گئی تھی۔ میں نے طاقت کی طرف
دیکھا اور پھر میں اٹھتے ہوئے بولا۔
"مجھے کسی دوسرے کمرے میں بٹھا دیں۔ میرے ساتھی کا دل بہلا رہیں
نہ جائے گا یوں۔ تو اس نے کہا۔ لیکن طاقت بھی میرے ساتھ ہی
اٹھ گیا۔ اس نے مجھے دوبارہ کرسی پر بٹھایا اور پھر خود بھی ایک کرسی پر بیٹھتے
ہوئے بولا۔
"تکلف برطرف عورت۔ ہمیں آپ کو کیا پیش کرنا ہو گا۔"
عورت نے ایک دم نظریں جھکا لیں اس کے چہرے کا رنگ بدل
گیا تھا۔ لیکن پھر اس نے وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ "میری خدمت سے
خوش ہو کر جو دل چاہے دے جایئے گا۔ میں۔ میں سودا نہیں کرتی۔"
"پھر بھی۔" طاقت نے اصرار کیا۔
"وہ کیا ہوا۔ میں سودا نہیں کرتی۔" عورت کی آواز سے
رنجش عیاں تھی۔
"عورت کا تعین آپ کس طرح کریں گی۔" طاقت نے پوچھا
سوال کیا اور وہ پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔
"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔" اس نے کہا۔
"تب پھر ایسا کرتے ہیں کہ ہم آپ سے کچھ نہیں لیں گے اور ایک چیز مفت
کریں گی۔ مگر اگر کوئی چیز آپ کو اچھی لگے تو اپنے سودا کرنے کی جائیں سودا کر لیا
آپ ہمیں کہہ دیا کیجئے گا۔"
"کشش۔ تیز۔ شاید میں آپ کو سمجھ نہ سکوں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔
"ہاں۔ کیونکہ آپ کو اپنے متعلق بہت کچھ معلوم نہیں ہو گا۔"
دیکھئے آپ کی بائیں چھاتی سے دودھ ٹپک رہا ہے۔ اگر چاہیں تو آپ کے نوزائیدہ بچے کا
دودھ کا حصہ نوالیاں ہے۔" طاقت نے غیرت تک لہجے میں کہا اور وہ چونک
پڑی۔ میری نگاہ بھی اٹھ گئی تھی۔ میں نے اس کے بھیگے ہوئے بلاؤز پر
سمت ایک نشان دیکھا۔
اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں شرمندگی کے آثار نظر آنے
تھے۔ "سس۔ سوری۔ میں بھی آئی۔" وہ جھینپ سے گئی۔
"بیٹھ جاؤ۔" طاقت کا لہجہ گمبھیر تھا۔ وہ اٹھنے لگی اور پھر بیٹھ
اس کے قدم بے جان ہو گئے ہوں۔ وہ سہمی ہوئی نظروں سے طاقت کی طرف دیکھنے لگی
ہم دونوں کو دیکھنے لگی۔ میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔
"آپ کو بھوری خواہش کا اظہار کرنا چاہیے۔" طاقت نے نرم
لہجے میں کہا اور وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔
"آپ شادی شدہ ہیں۔" طاقت نے پوچھا اور اس نے
گردن جھکا لی۔ "اگر آپ کے یہاں موجود گی آپ کے پہلے شوہر کو
"نہیں نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔
"تب پھر میرے سوالات کے جواب دیں۔"
"ہاں۔" اس نے خشک سی آواز میں کہا۔
"آپ کے شوہر کہاں ہیں۔" طاقت نے دوسرا سوال کر دیا۔
میں جیران تھا آخر طاقت کر کیا رہا ہے۔ اس وقت وہ ایک مشکوک
تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں تشنگی کے
اثرات دیکھے۔ اس کی آنکھیں کہ ہلکی سی تھیں جیسے پر اسرار تاثرات
پیدا ہو گئے تھے اس نے طاقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
"میں تو بیوہ ہوں۔" وہ نپی تلی کہہ رہی تھی۔
"یہ بھی صورت کو ہوا ہے۔"
"میرے شوہر کی ہاں ہے۔"
"بچے۔"

اس سوال پر وہ چپ ہو گیا۔ پھر اس نے اسی انداز میں جواب دیا
"میرا بھائی۔"
"اس کو کیا ہوا ہے۔"
"بیمار ہے۔" اس نے جواب دیا
"ایک ہی بھائی ہے۔"
"ہاں۔ اور یہ تیسری دفعہ ہے کہ اس نے مجھے موت کے منہ میں دھکیلا ہے۔ پہلی دفعہ تو میں بچ گیا۔ لیکن اب نہیں بچوں گا۔ اس نے وہ چھری جو اپنوں کو ہمیشہ غلط جگہ پر لگاتا ہے، میرے سینے میں گھونپ دی ہے۔ میں اب نہیں بچوں گا۔"
"تم نے یہ تیسری دفعہ کیسے کہا۔ اس نے تمہیں کتنی دفعہ مارا ہے۔"
"ایک دفعہ اس نے میرے باپ کو مارا۔ پھر میری ماں کو۔ اور اب مجھے۔"
"تم نے اس کو کچھ نہیں کہا۔"
"کیا کہتا۔ وہ میرا بھائی ہے۔ اس نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔ میرے باپ نے میری ماں کو مارا۔ اس کا بدلہ اس نے میرے باپ سے لیا۔ اور میری ماں نے میرے باپ کو مارا۔ اس کا بدلہ میری ماں سے لیا۔ اب میرا بھائی مجھے مار رہا ہے۔ اس کا بدلہ میرا بیٹا اس سے لے گا۔ اور میرا بیٹا میرے بھائی کے بیٹے کو مارے گا۔ اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ کبھی ختم نہیں ہوگا۔"
وہ رونے لگا۔ اس نے اپنے آنسو نہیں روکے۔ اس کے آنسو اس کے چہرے پر بہتے رہے۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ بولتا رہا۔ اس کی آواز میں درد تھا۔ اس کے لہجے میں دکھ تھا۔ اس کے الفاظ میں کرب تھا۔ اس کے چہرے پر اذیت تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس کے پاؤں لرز رہے تھے۔ اس کے سینے میں سانس اٹک رہی تھی۔ اس کے گلے میں الفاظ پھنس رہے تھے۔ اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس کے کندھے ڈھلکے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس کے پاؤں لرز رہے تھے۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کے چہرے پر اذیت تھی

ہے۔ اسے بتانا تو ہوگا۔"

"میں یہی بتانا نہیں چاہتا۔ بتانا تو کیا کسی سے ملنا بھی نہیں چاہتا۔ اگر ہم وہاں گئے تو ہر شخص ہمیں دیکھے گا۔ ہمیں دیکھ کر وہاں جمع ہو جائے گا۔ ہر شخص ہم سے سوال پوچھے گا۔ ہم کیا کہیں گے؟"

"ہم کہیں گے کہ ہم سیاح ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ یہاں کی سیر بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس لئے ہم یہاں آ گئے۔ ہم کہیں گے کہ ہم نے سنا ہے کہ یہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں

اس پر طاری ہو گیا تھا۔ وہ اب اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ لیکن اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ اب اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اس کی ہتھیلی کی نرمی اور گرمی محسوس کر رہا تھا۔ اس کی انگلیوں کی نرمی اور گرمی محسوس کر رہا تھا۔ اس کی انگلیوں کی نرمی اور گرمی محسوس کر رہا تھا۔

لیکن جب وہ بستی سے نکل کر کھلے میدان میں آ گئے تو اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اور اس کے بعد وہ اس سے آگے آگے چلنے لگی۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

اور پھر وہ اس کے برابر آ گئی۔ وہ اس کے برابر آ گیا۔ وہ اس کے برابر آ گئی۔ وہ اس کے برابر آ گیا۔ وہ اس کے برابر آ گئی۔ وہ اس کے برابر آ گیا۔

اور پھر وہ اس سے آگے نکل گئی۔ وہ اس سے آگے نکل گیا۔ وہ اس سے آگے نکل گئی۔ وہ اس سے آگے نکل گیا۔

اور پھر

ہوا تھا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی بیوی اس کے ساتھ نہیں ہے۔ وہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔ وہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔ وہ

"تمہیں لگتا ہے۔؟"

"اصلی تو۔ تم۔ میں۔ جانتے ہو اصلی۔؟"

"ہاں۔ اسی لیے پوچھ رہا ہوں۔" اس نے کہا تو طاقت نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سنجیدہ تھا۔ وہ سمجھ گیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے نظریں جھکا لیں۔ وہ سچائی سے نہ بچ سکا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سچ جان گیا تھا۔ وہ سچائی کو جان گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اس نے سچ کو پہچان لیا تھا۔ وہ سچائی سے نہ بچ سکا تھا۔ وہ سچائی کو جان گیا تھا۔ پھر اس نے نظریں جھکا لیں

"کل ہم دونوں کے ساتھ یہ ہوا تھا تو کیا ہوا تھا؟"

"میں نے نہیں پوچھا تھا۔"

"ہاں۔ کسی نے نہیں پوچھا ہوگا۔ اور اس سے کوئی دوستی نہیں رکھے گا۔"

"میں تمہاری گواہی دوں گا۔ آج تم حیرت زدہ کی کیفیت سے گزر رہے ہو۔ میں اس پر حیران نہیں ہوں۔ تم سب کے خلاف احتجاج کر رہے ہو۔" طاقت نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"مگر یہ سب سے "تو کیا تم سب پسند کرتے ہو؟"

"نہیں۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ اس سے یہ کہاں معلوم ہوتا ہے کہ کون کیا ہے۔ ہر چور، ڈاکو اور قاتل ایک گروپ میں شامل ہو جائے گا۔ پھر فتنہ شروع ہو جائے گا۔ طاقت کا بے رحم کیسے کے ہاتھ میں آ جائے گی۔ ہر ایک دوسرے کو مارنے لگے گا۔"

"یہ کون نہیں ہے۔" تھوڑی دیر کے بعد طاقت نے پوچھا۔

"دولت کا نشہ۔ دولت کی قوت کا ادراک۔ جو انسان کی پرستش کو جنم دیتا ہے۔ یہ طاقت کے نوٹوں کے اوپر شیطانیت ننگی ہو جاتی ہے۔ شرافت کے پاؤں چاٹ رہے ہوتے ہیں۔ یا پھر جنس بھوکوں کے سامنے کا نشہ ہے۔ وہ صرف ہر ننگ دیکھتے ہیں اور تمام انسان ان کے آگے ڈھیر ڈال کر بچھ جاتی ہیں۔ طاقت کا یہ نشہ ہے۔" میں نے کہا۔

"اور کیسی بات بتا گئی ہے۔ دیکھ۔ دیکھ۔ پیچھے دیکھ۔" اس نے اشارے پر تھوکنے والی عورت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ حیرت نہیں ہے۔ اگر تم سے طاقت کچھ چرا لے جو شراب کی ایک بوتل ہو تمہاری "رقم" چوری ہو گئی تھی۔ ٹھیک ہے۔ تو تمہارے لئے بہت مہنگا حصول ہے۔"

"اوہ بابا۔ نہیں بھائی۔ یہ نہیں چاہئے۔ کچھ اور تلاش کرو۔" طاقت نے گھبراتے ہوئے انداز میں کہا۔ اسے لگے سنی گئی۔ اس کے بعد ہم خاموشی سے ریہاں خیر نہیں دیکھتے ہے۔ طاقت کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ دیکھتے کتنی دیر گئے۔ قصہ ختم ہوا۔ اور تماشائی اٹھنے لگے۔ تب ایک بوڑی بڑی مونچھوں اور خوفناک چہرے والا آدمی سیدھا ہمارے قریب آ گیا۔

"مسٹر حیات۔" اس نے کہا اور ہم نے ختم کرنے کی تاری دیکھا۔

"کیا مطلب۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ آپ کے لئے ہے۔" اس نے ایک لفافہ میری طرف بڑھایا۔ اور پھر تیزی سے ایک طرف ہو گیا۔

"شاید لفافے میں تھا۔" طاقت نے کہا۔ اسے پھر کہانی کا حصہ بننے کا شوق ہو گیا۔ نہ جانے کس خیال سے میں نے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔ ہم دونوں باہر نکل آئے۔ میں نے سوچا کہ اس کا شکریہ ادا کر کے اپنے گھر لوٹ آئے۔

"اب تو اپنے اپنے گاؤں ہی چلیں گے۔" طاقت نے کہا۔

"لیکن۔"

"لیکن۔" طاقت نے غور سے دیکھا۔ پھر کچھ سوچنے لگا۔

"غلام۔" طاقت نے ایک لڑکے کو آواز دی۔ غلام حاضر ہو گیا۔ رام کی آواز کانوں کی پچھلی نشست سے سنائی دی۔

"واپس چلو۔"

"ہم ٹھیک چل رہے ہیں۔ میں نے وہ کوٹھی سرحد حیات کے نام سے حاصل کر لی ہے۔"

"حیات۔" میں چونک پڑا۔ اس مونچھوں والے نے مجھے حیات کے نام سے ہی مخاطب کیا تھا۔ لیکن وہ کون تھا۔ میں نے جیب میں لفافہ ٹٹولا۔ لفافہ موجود تھا۔ بہر حال میں نے کچھ نہ کہا۔ اور کار ڈرائیو کرتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک خوبصورت کوٹھی میں داخل ہو گئے۔

"کوٹھی کا جائزہ لیں گے۔ مجھے سخت تھکاوٹ ہے۔" طاقت نے کہا اور پھر رام کی طرف مڑ کر بولا۔ "خواب گاہ کس طرف ہے۔" سامنے ہی موجود ہے آقا۔" رام نے جواب دیا اور طاقت اپنی خواب گاہ کی طرف چلا گیا۔ موٹل کی بات اور تھی لیکن یہاں ہمارے لئے دو الگ الگ خواب گاہیں موجود تھیں۔ اس وقت طاقت خیمے کے نشے میں چور تھا۔ اس لئے اس سے کوئی بات کرنا فضول تھی۔ میں اپنی خواب گاہ میں آ گیا جہاں آرام و آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔ میں جانتا تھا کہ رام کے لئے جب مشکل نہیں تھا۔ اس نے پلک جھپکتے میں یہ سب کچھ کر لیا تھا۔ ظاہر ہے وہ اس دنیا کا انسان نہیں تھا۔

میں نے ایک الماری سے ایک خوبصورت بیگ نکالا جو ہانکی جیسے باپ کا تھا ——— اسے پھر کوئی ہم ہی ہمارا مالک ہو گیا۔ بہت عجیب دن گزرا تھا آج کا۔ بے شمار واقعات سے پُر۔ اتنے واقعات کسی ایک دن میں کبھی نہ رونما ہوئے ہوں گے۔ میں صبح سے اب تک کے واقعات پر نگاہ ڈالوں گا۔ اور پھر میری نگاہیں میں گھسے بیٹھ گئے کی مانوسی میں ایک سفید چہرہ ابھر آیا۔ نرگس۔ ہاشم وہ حسین تھی۔ انتہائی خوبصورت! اور ——— میری پہلی زندگی میں تو اس جیسی لڑکیوں کا تصور ایک خواب

تھا۔ میں ان کی طرف دیکھنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن حالات بدل گئے تھے۔ میں نرگس کا حصول ناممکن نہیں تھا۔ اس کا باپ اسٹیل گروپ کا مالک تھا۔ اگر چاہتا تو طاقت کے زور سے دولت کے انبار لگا دیتا اور میں یہاں میں اسٹیل گروپ خرید سکتا تھا۔ اسی صورت میں نرگس میری ہو سکتی تھی۔ لیکن اس میں صرف ایک قباحت تھی نرگس سے شادی کر کے میں گھر بار تو آباد کر سکتا تھا۔ طاقت حیات دولت تو نہیں گزار سکتا تھا۔ ہم دونوں نے دنیا دیکھنے کا پروگرام بنایا تھا۔ مجھے بہر حال طاقت کا ساتھ دینا تھا۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے میری زندگی بچی تھی۔ اس کے علاوہ ہم ایک سیارہ پر گئے تھے کسی ملکی کے مستقل شہری نہیں بن سکتے تھے تو دھوکا دہی ہوگی۔ نہیں نرگس کے ساتھ گھر بسانا ممکن نہیں ہوگا۔ طاقت کی اجازت سے میں اس سے مشرق کر سکتا تھا۔ اعلیٰ پیمانے پر کر سکتا تھا۔ طاقت اس کے لئے مجھے بہ آسانی دنیا کا دیتا۔!

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ مجھے اپنا ذہن بدلنا ہوگا۔ نرگس سے جب تک دوستی چلی ہے، مجھے طاقت کے ایثار کا خیال کر کے اس کی طرف سے ذہن کو یکسر لئے چھوڑ دینا تھا۔ اس کا بندوبت ہمارا کی ضروری ہے۔ یہ بندوبت مجھے ہی کرنا ہے۔

"اچھا شاطاقت۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر سوچا۔ ایک معمار کی طرح میرے ذہن میں آگ تھی۔ نرگس میری بیوی نہیں تھی۔ نہ ہی مستقبل میں میرا ایسا کوئی پروگرام تھا۔ اس لئے وہ ہم ظرف کی مشترکہ بیوی ہوگی۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ طاقت بھی جب اس سے لطف اندوز ہو گا تو میری بیوی سے لطف اندوز ہو گا! میں اسے اس کے لئے مجبور کروں گا! میں نے فیصلہ کر لیا اور اس فیصلے کے بعد میں مطمئن ہو گیا۔ تب میں نے سونے کے لئے کروٹ بدلی۔!

اور کروٹ بدلتے ہی میرے ذہن میں وہ لفافہ گھس آیا جسے میں تھوڑی دیر کے لئے بھول گیا تھا۔ میں جلدی سے اٹھ گیا۔ اپنے کوٹ کی جیب سے میں نے لفافہ نکال لیا اور اسے چاک کرنے پر ایک پرچہ برآمد ہوا۔ پرچے پر صرف چند الفاظ لکھے تھے!

"مسٹر حیات۔ کل رات کو آٹھ بجے ہمارے فون کا انتظار کریں۔ ہمیں آپ سے ضروری بات کرنی ہے!

ایکس۔ وائی۔ زیڈ"

"کیا بات ہوئی۔" میں نے سوچا۔ "کون ہے۔ کیا چاہتا ہے

ویسے بات کر کے مخاطب کرنا عادت تھی۔ شاید انہوں نے اس کو ظلی کے باہر لگی ہوئی تختی پڑھ لیا ہو۔ اس کا نام اخلاق لکھا تھا۔ اخلاق نے دروازہ کھولا۔ صحت سے اچھا آدمی تھا۔ ہم کو دیکھ کر اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کیا چاہتا تھا۔ اخلاق نے کہا۔ "آپ کو کیا چاہئے۔" سپرنٹنڈنٹ پولیس نے مجھے اس علاقہ سے نجات دلا دی تھی۔ اس کے بعد میں نے اپنے کپڑے بدلے اور نہا دھو کر سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس پہنچ گیا۔ میرے ساتھ ہی ایک اور آدمی بھی تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی۔ میں نے اپنے کپڑے کے اندر سے ایک پستول نکالا۔ اور اس کی نال پر سائلنسر لگا دیا۔ پھر میں نے اس کے ہاتھ میں پستول تھما دیا۔ اور اس کے بعد باہر نکل آیا۔ ظلی کے کپڑے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اجازت طلب کی۔

"آ جاؤ۔ میری جان۔ میرا بس چلے تو میں تمہیں اپنی جان بھی دے دوں۔ تم نے جو کچھ کیا ہے وہ طاقت کی تسخیر ہوتی آواز سنائی دی۔ اور میں ایک گہری سانس لے کر اندر داخل ہو گیا۔ طاقت ایک عالیشان بیڈ پر گاؤن میں آرام کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا۔ وہ نشے میں تھا۔ اس کا ہاتھ ایک بوتل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کیوں۔ رات کیسی گزری۔؟"

"کوئی دلچسپ پریشان کن۔ اس کے بعد پُرسکون۔" میں نے جواب دیا۔

"خوب۔ خوب۔ جلدی سے وضاحت کرو۔ اور ہاں پہلے مشروبات۔؟"

"پوچھنے کی کیا بات ہے؟" میں نے کہا اور طاقت نے ایک طرف لگا ہوا سوئچ دبا دیا۔

"ایک بات بتاؤ۔ یہاں ملازم ہیں یا صرف مقامی ہیں۔" غلام۔!"

"سب تمہارے ہی غلام ہیں میری جان۔ لیکن تم کو کیا ہوا۔" انہیں یہاں کے اصول سکھانے پڑیں گے۔" طاقت نے جواب دیا اور پھر ایک آدمی کے اندر آنے پر اس نے جانے کے لئے کہا۔ میں خاموش رہا۔ اس آدمی کے باہر جانے کے بعد میں سوچتا رہا تھا۔!

"اس لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔!"

"خوب سوچ رہے ہو گے۔ کافی خوبصورت تھی۔"

"اس کی خوبصورتی کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔ بلکہ صرف یہ خیال تھا کہ وہ تمہیں بھی پسند ہے۔"

"میرا خیال ہے اس بات پر جھگڑا ہو جائے گا۔" طاقت نے مسکرا کر کہا۔ "میں کچا پکا ہوں کہ اب مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اب میں کسی پر عاشق ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تمہیں بھی کسی پر عاشق نہیں

کھانے لگے۔ میں خاموش کھڑا رہا۔

"تم نے بیٹھنے سے انکار کیوں کیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"میں کھانا نہیں کھاتا کبھی۔"

"کیوں بھئی۔؟"

"دیکھئے نا۔ اگر میری ماں کی تعزیت پر کوئی شخص دعوت کھائے تو کیا وہ اچھا لگے گا؟"

"نہیں ہو سکتا۔ مگر نہیں ہو سکتا۔" طاقت نے تعجب سے گھور کر کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔ ہم دونوں کو بھوکا رہنا پڑے گا۔" میں نے مجبور آواز میں کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" طاقت نے دونوں ہتھیلیوں کی آپس میں رگڑ کر ہوا میں اڑا دیا۔ اس نے پیٹھ پھیر کر اپنی ماں سے کہا۔ وہ اٹھ کر چلنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "ماں جی! آپ کھانا کھا لیں۔ میں آپ کی خاطر کھا لیتا ہوں۔"

"نہیں بیٹا۔ میں نہیں کھا سکتی۔" وہ روتی ہوئی چلی گئی۔

"طاقت نے ہونٹ بھینچ لئے۔ کون ہو سکتے ہے؟"

"میں بھی نہیں کھا سکتا۔"

"تمہیں آٹھ دینے میں بھی پانچ منٹ باقی ہیں۔ ابھی ہے ماں کو آٹھانے کے لیے جاؤ۔" طاقت نے چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگا کر منہ کھول لیا اور جب بھی چائے پینے لگا چائے پیتے پیتے وہ سسک کر رو پڑا۔ "وہ بے تحاشہ رونے لگا۔ خاص طور سے یہ خیال۔ اور اس کی تقریر یاد کر کے کیوں بھئی تم نے؟"

"وہ۔ "طاقت نے ہونٹ سکوڑ لیے۔ "کون ہو سکتا

اتنی دیر میں وہ کار میرے گھر کے سامنے آ کر رکی تھی۔ میں نے کہا اور میں اس بات سے بالکل لاعلم تھا کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ پھر میں نے اسے میرے ساتھ لگے ہوئے دیکھا۔ اور میں نے اسے اپنی کوٹھی کا پتہ بتایا۔

"اگر تم کسی مشکل میں ہو تو آ جانا۔" میں نے جواب دیا۔

"اب ٹھیک ہے۔ اپنی کہنے کے بعد آنا۔" میں نے کہا۔

پہلے کہنے لگی۔ "اچھا۔" اس نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"اچھا۔ پرنسز کی سالگرہ ہے۔ اتوار کو۔" اگرچہ اس نے کوئی بات نہیں کی تھی لیکن اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ پھر اس نے کہا۔ "میں ضرور آؤں گی۔" اس نے کہا۔ "میں ضرور آؤں گی۔" اس نے کہا۔

"میں ضرور آؤں گی۔" اس نے کہا۔

"میں ضرور آؤں گی۔" اس نے کہا۔

"

جیسے تھے۔ ہر لوگوں کا بھرا پرا گھر تھا۔ اس نے فوراً ہی کہہ دیا
تھا اور مزید وضاحت چاہی تھی۔ جمالی دیہات کے
آدمی کی آنکھیں بہت پھیلی اور ایک سیکنڈ کی دیر تھی۔ سرگوشانہ سا
سے سنی گئی ہو۔ لگتا تھا۔ بہت مدت تک اس واقعہ کی دہشت
باقی رہے گی۔

"ویلپ۔" اس نے بمشکل ہونٹ کھول کر کہا۔ یہ آواز وہ نہیں تھی
جو اس نے فون پر سنی تھی۔

"ویلپ۔" اس نے اٹھ کر ایک ہاتھ سے ریسیور تھام لیا۔

"پہلے پہل تو آپ بتائیں گے ہم کون ہیں؟"

"میرا نام شیکسپیئر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"مسٹر شیکسپیئر کون ہیں؟"

"میرے پتا تھے۔" میں نے برجستہ جواب دیا۔

"خوب۔ آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوگی مسٹر شیکسپیئر۔ لیکن
آپ ملیں گے کہاں۔ یہ یقینا ہے۔ ہم دونوں مقامی حیثیت
گروہ کا ہونا ضروری ہے۔"

"پہلے پہل میں آپ کی ملاقات جانتا ہوں مسٹر شارق۔"

شیکسپیئر نے کہا۔

"اپنے بارے میں کچھ بتانے سے قبل میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ
نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے۔"

"قصہ یہ ہے۔" شیکسپیئر نے کہا۔ "میرا ایک دوست تھا۔ وہ
ہے ہو گیا۔ فلینا۔ کیا تم اسے جانتے ہو گے؟"

"مسٹر۔" میں نے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ اس کی موت
کی خبر پھیل گئی۔ اس کا ایک ہوٹل ہے۔ شراب اور عورتوں کا۔ اس
پھر اس نے ہوٹل میں شراب پینی اور ایک نوجوان لڑکی کو
مارنے لگا۔"

"شکریہ۔ مجھے نہیں پتا۔" میں نے کہا۔

"وہ۔ مسٹر شارق۔ فلینا مرنے سے پہلے اس دوست عورت کو
نہیں کیا ہے۔ ہم آپ کے وقت سے بہت معذرت خواہ
ہیں۔" شیکسپیئر نے کہا۔

"وقت ہے لیکن یہ بھی وقت ہے کہ میں نہیں بتا۔" میں نے
جواب دیا۔

"تعجب ہے۔ گونگا اشارے سے سمجھ آنے والے شرابی پیتے جملہ

بھال آپ کیا پینا پسند کریں گے۔"

"مسٹر شیکسپیئر۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے آپ سے ہمدردی
ہم معلوم ہوتے ہیں ان کا شکر۔ لیکن مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے مجھے کیوں
بلایا ہے۔ اس طرح سے بات نہیں ہو گی۔ آپ کو اندازہ ہو گا کہ میں کیا
سکتے ہیں اور جب تک یہ واضح نہ ہو۔ میں آپ کی دعوت کیسے قبول
کر سکتا ہوں۔"

شیکسپیئر نے اپنا گلاس اٹھا لیا۔ اس میں سے دو گھونٹ پی لینے کے
بعد اس نے ہونٹ صاف کئے اور پھر بولا۔ "ڈاکٹر جمالی کی لڑکی
زرگس جمالی کے بارے میں آپ سے کچھ گفتگو کرنی ہے۔"

"وہ۔" میں نے چونک کر کہا۔ "طلاق۔"

"مکمل تعارف بولو ہے مسٹر شارق۔ کہ ہمیں اس لڑکی کی ضرورت
ہے۔ دراصل جمالی ہی کام ہے۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ میں جملہ انٹیلی جنس ایجنسی
مزدوروں کو لڑکیاں سپلائی کرتے ہیں۔ تمام پاس فیر کمپنی کے ڈائریکٹر
آتے رہتے ہیں۔ خدمت کے مطابق ہم معقول قیمت وصول کرتے ہیں۔ ہمارے
ایجنٹ۔ اس کے علاوہ مقامی طور پر بھی جمالی کا کاروبار ہے۔ اپنے طور پر ہم کبھی
کبھی ایسی لڑکیوں کو حاصل کرتے ہیں۔ جن کی بھرپور قیمت وصول ہو جاتی۔ انھیں
میں زرگس جمالی ہے۔ ڈاکٹر جمالی اشیل کنگ کا بیٹا ہے۔ اس کے پاس بے پناہ
دولت ہے۔ اگر وہ اپنی دولت کا ایک حصہ ہمیں دے دے تو اس پر کیا آنچ
آجائے گی۔ مثلاً۔ دس کروڑ۔ اس کے لئے بہت بڑی رقم نہیں ہے۔ اگر
پچیس فیصد نہیں مل جائے گا۔ میرے خیال میں اس کے بعد نہیں پھر کی زندگی
دولت کے حصول کے لئے جدوجہد نہیں کرنی ہو گی۔"

مسٹر شیکسپیئر رواں ہو گئے تھے۔ اس کا سلسلہ کلام ٹوٹا تو
بھرویں کے نرغے میں آ گیا ہوں۔ جملہ دولت کے لئے میدان جنگ میں آ گیا ہوں۔
لیکن پھر مجھے ملاقات کا خیال آیا اور میں جھول گیا۔ بیئر پارٹی میں ایک ایسی دعوت
تھی جو ان لوگوں پر بھاری تھی۔ چنانچہ مجھے خود زندہ ہونے کی کیا ضرورت تھی۔

"مگر تم پھر وہ فروخت ہو۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ ہاں اور گھٹیا قسم کا ہے۔ تم ہیں انٹرنیشنل ٹریڈ نہ کہتے
ہیں۔ بردہ فروشی تو ایک محدود دائرہ ہے۔ ہم سمگلنگ کرتے ہیں۔ قتل کرتے
ہیں ہر وہ کام کرتے ہیں جس سے دولت حاصل ہو سکے۔ بہت سے لوگ میرے
جانے پہچانے ہیں۔ بلکہ بڑے لوگ ہیں۔ ہم نے انھیں اور ان کے بچوں کو پالا ہے
ہے کسی کو جوان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ جائے۔ عیش و عشرت کی زندگی گزارتے
ہیں۔ ٹھیک ہے تم بھی اچھی حیثیت رکھتے ہو۔ لیکن اس میں لاکھ سے تباہ

ہو جانے والے مجھے ہوشیاری سے کام لینا چاہیئے۔ مگر کسی حالت میں بھی تم واقعہ
بالکل نہ بدلو گے۔"

"میں گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ کسی وقت اس نے سر اٹھایا۔ پھر کہا
نے کہا۔ "مجھے سوچنے کا موقع دو گے مسٹر شیکسپیئر؟"

"کتنا وقت درکار ہے۔" اس نے پوچھا۔

"کل صبح جواب دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم کھانا کھانا پسند کرو گے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"فلینا۔ کھانے کا بندوبست کرو۔ مسٹر جہاں کو کوئی تکلیف
نہ ہونے پائے۔" شیکسپیئر نے کہا اور اپنے گلاس میں بچی ہوئی شراب ختم کر
کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ میری طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "ایجنٹ پھر ایک بزنس مین کی
حیثیت سے گفتگو ہو گی۔ باہوں مسٹر شارق۔ میری پیشکش پر جذبات سے بہت
کر سوچنا۔ تم خوبصورت آدمی ہو۔ بات صاف صاف کرنی تمہیں نہیں ہے گی۔
ممکن ہے اس کے بعد بھی ہم تم سے کام لیں۔ ہمیشہ تمہیں فیصد تمہارا۔ ہم اپنے
آدمیوں کو بھرپور معاوضہ دیتے ہیں۔ اگر انھیں اندازہ ہو کہ جو کچھ انہوں نے کیا
اس سے انہیں کیا ملا۔" اور پھر وہ باہر نکل گیا۔

میں نے ایک گہری سانس لے کر فلینا کی طرف دیکھا۔ وہ سکڑا
تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں بے پناہ کشش تھی۔

"مسٹر شیکسپیئر نے غلط نہیں کہا ہے مسٹر شارق۔ کسی ایک لڑکی
کے لئے اتنی مستقبل برباد کر دینا بہت بڑی حماقت ہے جبکہ دولت حاصل
کرنے کے بعد ایک سے ایک حسین لڑکی تمہارے قدموں میں ہو گی۔ آؤ کھانا
کے کمرے میں چلیں۔" اس نے بے تکلفی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور میں
خاموشی سے اس کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"ایک بات اور بتا دو۔" اس نے دائیں چلتے ہوئے سرگوشی
کی۔ "یہاں قدم قدم پر سپیشل نشانہ باز موجود ہیں۔ جو ان بات پر بھی
رہتے ہیں۔ پتا چلا کہ کوئی بھی کوشش نقصان دہ ہو گی۔" اس نے مگر میری طرف
دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "میری بات کا یقین اس طرح کرو۔" اس
نے میرا ایک بیٹ لے کر فضا میں اچھال دیا۔ فائر کی کے کئی دھماکے
ہوئے اور بیٹ میں نصف درجن سوراخ ہو گئے۔ یہ اندازہ نہیں ہو سکا
تھا کہ گولیاں کہاں سے آئی ہیں۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر دل ہی دل میں اس لڑکی کا
شکریہ ادا کیا جس نے مجھے اس بات سے آگاہ کر دیا تھا۔ ورنہ مکمن تھا کہ میں

ان الفاظ میں بھی سپاٹ لہجہ کی سکتی ہوں ہے ساتھ ہی ہمیں گی اور پھر ہم دونوں ایک دوسرے کے ہو کر رہ جائیں گے۔ ہم نے ایک دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہم نے ایک دوسرے کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔ ہم نے ایک دوسرے کو کبھی نہیں چھوا تھا۔ ہم ایک دوسرے کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی رہیں گے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی رہیں گے۔

میں نے یہ تلخی سے کہا تھا۔ وہ خاموش رہا تھا۔ اس وقت مجھے اس کی خاموشی بہت بری لگی تھی۔ میں نے کہا تھا۔ "تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟"

"میں کیا بولوں؟" اس نے کہا تھا۔ "تم نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی رہیں گے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی رہیں گے۔"

"تو پھر تم نے مجھے یہ کہانی کیوں سنائی تھی؟" میں نے کہا تھا۔ "تم نے مجھے یہ کہانی کیوں سنائی تھی؟"

"میں نے تمہیں یہ کہانی اس لیے سنائی تھی کہ تم نے مجھے اپنی کہانی سنائی تھی۔ میں نے تمہیں یہ کہانی اس لیے سنائی تھی کہ تم نے مجھے اپنی کہانی سنائی تھی۔ میں نے تمہیں یہ کہانی اس لیے سنائی تھی کہ تم نے مجھے اپنی کہانی سنائی تھی۔"

"تو پھر تم نے مجھے اپنی کہانی کیوں سنائی تھی؟" میں نے کہا تھا۔ "تم نے مجھے اپنی کہانی کیوں سنائی تھی؟"

"میں نے تمہیں اپنی کہانی اس لیے سنائی تھی کہ تم نے مجھے اپنی کہانی سنائی تھی۔ میں نے تمہیں اپنی کہانی اس لیے سنائی تھی کہ تم نے مجھے اپنی کہانی سنائی تھی۔ میں نے تمہیں اپنی

پھر اس کا چہرہ سنگدلی سے مسخ ہو گیا۔ وہ غرایا۔

"میں تمہیں ایک موقع اور دیتا ہوں۔ بولو، کیا ہے تمہارا فیصلہ؟"

اپنے اوپر قابو پا لینے کی خاطر وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ زندگی اور موت کی جنگ کی طرح ہے۔ اسے لگا کہ زندگی کی توقع ہے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ ایک بے رحم اور سنگ دل شخص کا دل موم ہو جاتا ہے۔ وہ اس کے رحم و کرم کا منتظر ہے۔ اس کی جیت سے کوئی فائدہ نہیں۔ عزت اسے بچا کر کیا کرے گی جب وہ ہی نہ رہے۔ اس نے ہار مان لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اس کے گلے سے ایک کمزور سی آواز نکلی۔

"میں ہار مانتی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"بہت اچھا۔ یہ عقلمندی کی بات ہے۔" شیکسپیئر نے کہا۔

"چلو اب چلو۔ میں نے تمہارے لیے بہت کچھ کیا ہے۔"

"نہیں شیکسپیئر۔ ابھی نہیں۔" ڈیوٹی نے کہا۔ اس کی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ شیکسپیئر نے اسے غور سے دیکھا۔ "وہ کسی کھسکے کو کھڑا ہو گیا۔ اس کے کسی بھید کو۔ میں شیکسپیئر کے ساتھ باہر نکل گیا۔ وہ خاموشی سے بگھی کی ایک طرف چل پڑی اور میں ایک کونے کے سائے میں دونوں کو دیکھنے لگا۔

"مجھے صرف دو منٹ کی مہلت چاہیے۔" ڈیوٹی نے کہا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتے تو پھر میری بات سن لو۔"

"مسٹر شیکسپیئر۔ مجھے آپ کے گھٹنے کو ہاتھ لگانے کا بڑا شوق تھا۔ میں لڑکپن کی ہر دوڑ میں اس کی خاطر دوڑی۔ مگر کبھی کسی نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی۔ اب میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔" میں نے کہا۔

"اصل میں، عورت دوستی کی فضا کو اس وقت تک خراب نہیں کرتی جب تک دشمنی ناگزیر نہ ہو جائے۔ مسٹر شاتق۔ تم ہمارے لیے بہت اہم ہو۔ ہم ہر حیثیت پر چاہتے ہیں کہ تم ہمارے لیے کام کرنے پر تیار ہو جاؤ۔ اگر ہم تمہاری جان لے لیں تو پھر ہم تمہیں کھو دیں گے۔ لیکن اس سے قبل ہم تمہیں نہیں چھوڑ سکتے ہو۔" اس نے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ میں اس کے پیچھے اندر پہنچ گیا۔ میرا سانس گھٹ رہا تھا۔ اس میں عفونت بھری ہوئی تھی۔ فرش گیلی مٹی تھا۔ دیواریں بھی نمی سے بھری ہوئی تھیں۔ کمرے میں دو تین بستروں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دراصل۔ انسان نے مختلف بیماریوں سے بچنے کے لیے ہر کیڑے مکوڑے کے لیے اور ہر طرح کی عفونت کے لیے مختلف قسم کی ادویات ایجاد کر لی ہیں۔ لیکن ایک عفونت ایسی ہے جس کا ابھی تک کوئی علاج دریافت نہیں ہو سکا۔ وہ ہے موت۔ تم ایک عفونت ہو۔ میں نے تمہیں انتہائی دوستانہ ماحول میں گھٹن کی زندگی فراہم کرنے کی کوشش کی اور کرتا رہوں گا۔ لیکن یہ عفونت کسی بھی طرح نہیں ٹال سکتا۔ اس کے لیے تمہیں زندہ رکھنا ہے۔ میں ہر طرح کی ادویات حاصل کرنے کے لیے دنیا بھر کی خاک چھان مارتا ہوں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کا علاج موت ہے۔ گو تم میری عفونت ہو اور تمہارا وجود اگر دولت نہیں ہے تو زندگی ضرور ہے۔ اگر تمہیں اپنی عفونت کا احساس ہو جائے

تو میں تمہیں اپنی ذات کو اس طرح ختم کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"یہ بہت دور کی

معروف ہو گیا۔ پھر مجھے کوئی خیال آیا اور میں نے اس سے پوچھا۔

"ظفر کہاں ہے بیٹی؟"

"آج سیر کی تاریخ ہے۔ وہ بھی پہنچے ہوں گے۔"

"اوہ۔" میں نے کہا۔ اگر یہ تاریخ نہ ہوتی تو بہتر ہوتا۔ کم از کم اس مسافت میں تو میں اس سے بچا رہتا۔ بدمعاش ہے۔ بے حیا ہے۔ میں نے دل میں سوچا اور اس کے بھرے ہوئے جسم کو دیکھ کر مجھے کوفت سی ہونے لگی۔ لیکن اس وقت فرخ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اس لئے میں نے اپنے چہرے سے کوفت کے آثار مٹا دیئے اور مسکرا کر کہا۔

"بیٹی۔" میں نے جواب دیا۔ "جیسے ہی ہم سے ہو سکے گا ہم ظفر کو یہاں سے نکال لائیں گے۔"

"شکریہ ابو۔"

میں نے اس کے ماتھے کو چوما۔ اور اس کے بعد ہم دونوں کافی دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا۔

"بیٹی۔ تم نے اس عرصہ میں کیا کیا؟"

"کچھ نہیں ابو۔ بس یہ دن کاٹے ہیں۔ ہر روز ایک نئی اذیت۔ ہر روز ایک نیا عذاب۔ ہر روز ایک نیا ظلم۔ ہر روز ایک نیا ستم۔ ہر روز ایک نیا تشدد۔ ہر روز ایک نیا ہتھکنڈا۔ ہر روز ایک نیا حربہ۔ ہر روز ایک نیا وار۔ ہر روز ایک نیا زخم۔ ہر روز ایک نیا درد۔ ہر روز ایک نیا کرب۔ ہر روز ایک نیا دکھ۔ ہر روز ایک نیا غم۔ ہر روز ایک نیا آنسو۔ ہر روز ایک نیا قہقہہ۔ ہر روز ایک نیا طنز۔ ہر روز ایک نیا تمسخر۔ ہر روز ایک نیا استہزا۔ ہر روز ایک نیا مذاق۔ ہر روز ایک نیا ہنسی۔ ہر روز ایک نیا ٹھٹھا

لئے کوئی کام کرنا بھی ہے تو کر لیا مشکل۔ ایکس۔ اب آپ کی طاقت کی قوت سے ہی ہو گیا تھا۔ وہ مجھے چھوڑ کر جانے کے لئے بہانا کیوں سے کرتی۔ اس کا مجھ سے اس کا نہیں تھا۔

"تم کہ کے کا اندازہ کیا ہوگا۔" یہ۔ شیکے نے پوچھا۔

"یہ سب ایسے ہو گا کہ شیکے۔ میں وہ ہی کہوں گا کہ تم کہو گے" میں نے شیکے کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کیا ہے خیر شادی۔ ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں ہم آپ کے ساتھ ہیں ہم زرگس کی زندگی بندوقی کی حال ہی ہوگی ہیں وقت آئی آواز محسوس ہوئی تھیں تم کو یاد جائے گا تم زرگس کے پاس جاؤ گے اس سے کہو گے اس نے ہمارے ہیں ہو گے جیسے طے تھے۔ اسے اپنے آغوش کے بالوں میں چھپا لو گے، اور پھر کسی وقت اسے کہو گے کہ اب تک بہت بلا والی کام ہوا ہے۔ تم سے رابطہ آپ کے کام تھیں ولایت لیتے ہیں گے۔ اس کے بعد تم اسے بتانا کہ تم نے ہونٹ سکوڑ کر کیا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"پھر تم یہاں گر دو گے۔ اس وقت تک تب تک ہلا کھا ہو جائے۔"

"تمہارے ہاں کی رائے ہے تو حسین ہوتی ہیں شیکے۔ آپ نے سکا کیا۔"

"میں کہہ چکا ہوں۔ تمہارے دل سے زرگس کا عشق ہوا ہو جائے تو ایک سے ایک حسین لڑکی مل سکتی ہے۔ اور پھر اس شکل میں جب زرگس کا پتہ ہی نہ ہو۔ تم اس کی ایک سات زرگس کے ساتھ بھی گزار سکتے ہو۔ میری طرف سے پیش کش ہے۔"

"وہ اصل شیکے۔ وہ لڑکی میں طرح میرے ساتھ اس ہم جھائی ہے کہ میں اس کے ساتھ ایسا کچھ نہ کر سکتا۔ وہ میں نے ایک لڑکی سے ساتھ کیا۔"

"یہ تمہاری مرضی ہے۔" شیکے نے کہا۔ اس وہ ہاں اس کی آنکھیں بیر اجازت لیتی ہی تھیں۔ لیکن ہاں اس وقت اداکاری کے نہ کی بلندیوں پر تھا میں نے اپنی کیفیت اس طرح کی بنائی تھی جیسے بحالت مجبوری میں یہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہوں۔ چنانچہ شیکے کو یقین آ گیا، اور اس نے میری طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"تب شیکے کی دوستی قبول کرو۔ وہ بھول جاؤ جو ہو چکا ہے۔ تمہارے لئے مکمل انتظام کر لیا جائے گا۔ جوں ہی کام مکمل ہم تمہیں اطلاع پہنچا دیں گے۔ اتنی سب کچھ تمہاری مرضی پر ہوگا۔"

میں نے کچھ دیر سوچنے کا انداز اختیار کیا۔ پھر میرے ساتھ ہی کہ سے کہا کہ گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ پھر میرے ساتھ ہی کہ سے کہا کہ کرنے کے قریب پہنچا کر اس نے کہا کہ کہا کہ کہا کہ مجھے دیکھ کر وہ ٹیرے دوڑ دنیا اندر میں سکا تھی۔ اس رات کے بعد وہ کبھی آج نظر آئی تھی۔

"خیر۔" شیکر شادی کے ساتھ ہی کہا کہ اب کام ابھی ہلاؤ۔ اب وہ دستوں میں شامل ہو گئے ہیں۔"

"اوہ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ آئیے شادی صاحب۔" نظیرنا نے آگے بڑھ کر محبت سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور میں کہہ سکا آہ میں آگے بڑھا نظیرنا مجھے اپنے کمرے میں لے گئی۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ بڑا خوبصورت کمرہ تھا۔ جو نظیرنا کی خوش ذوقی کا آئینہ دار تھا۔ خوابصورت قیمتی صوفہ پر میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"آپ اس کیوں ہو نہ رنگ۔" اس نے میرے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس نے میرے دل خوش نہیں ہے نظیرنا۔" میں نے کہا۔

"دل کے چکر میں مت پڑا کرو شادی۔ یہ میں کہتے ہوئے شوہر ہے۔ اس پاگل کو کیا معلوم کہ زندگی گزارنے کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلنا پڑتا ہے اس کے بعد اپنا کام کرے اور ہمیں اپنا کام کرنے دے۔"

"تمہارے ہدایات کتنے عرصے میں ہوا ہوئے نظیرنا۔" یہ۔ میں نے پوچھا۔

"کیا مطلب۔" وہ چونک کر بولی۔

"خیر کوئی ہرج کرنے میں تمہیں کیا کیا مشکلات پیش آئی ہے بتاؤ۔ میں تمہیں مدد مل سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔ میری آواز میں نظیرنا کے چہرے پر الجھن پیدا ہوئی تھیں۔ ایک لمحہ کے لئے میں نے اس کے چہرے میں تغیر دیکھا۔ صرف ایک لمحہ کے لئے۔ دوسرے لمحہ وہ پُرسکون تھی۔ البتہ اس کے لہجے میں ایک عجیب سی گھبراہٹ آ گئی تھی۔

"ہاں ابتدا میں خیر نے مجھے بڑے پکڑ کے ٹکائے تھے مگر نہ رفتہ میں اپنے کو تھپک تھپک کر سلانے میں کامیاب ہو گئی۔ زندگی گزارنے کے لئے اور بھی لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ضرورت خیر کی محبت و ملاقات سے زیادہ اہم تھی۔ چنانچہ اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے میں نے خیر کا الگ گھونسلہ بنا لیا۔"

بچہ پیدا نہیں ہوتا تو نہ ہوتا۔ ہم اس کی پرورش کریں گے۔ اس نے سکوت کر جواب دیا۔

"تمہیں اپنے اوپر بڑا شادی کیا تمہارے ساتھ گزارے ہیں کہیں ہم اپنے کے بچانے سے مادی سلوم ہوتی ہو۔"

"تم نے کیسے اندازہ لگایا۔"

"تم نے کہا تھا کہ تم نے ہونٹ سکوڑ کر کیا۔"

"ہاں۔" میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"تم نے کیسے اندازہ لگایا۔"

"اس رات کے بعد تم روپوش ہو گئیں۔ تم نے ہونٹ سکوڑ کر کیا تھا۔ اور اس کا مطلب ہوتا ہے کہ کسی کی بات پر انکار کی ہو گی۔ میں نے کہا۔" اور اس رات کے بعد تمہیں بہت کچھ یاد آ گیا۔" یہ بتاؤ مجھے تمہارے ہونٹ سکوڑنے سے کیا مطلب تھا۔"

"بہتیں۔" وہ رات کچھ یوں ہوئی۔

"یہ باتیں وقار میں کرتی اور بات کرو۔"

"ابھی زندہ ہو۔ تو پھر بھی ہو۔ نے کی کوشش کرو ہم بہت سے وقت ہے گئے۔ نا ہو گا۔ میں یہ وقت طے کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں اب جب ہی مرگیا نظیرنا۔ تو موت کے بعد تمہارے پاس ضرور آؤں گا۔ پھر ہم دونوں مل کر زندگی پر قہقہے لگائیں گے۔ زندگی۔ ایک بیکار شے ایک فریب۔ ایک دھوکہ۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔

"موت کے وقت ایسی ہی چیخیں بلند ہوتی ہیں نا۔" یہ میں نے اس سے پوچھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے ایک طرف بڑھ گئی ایک الماری سے اس نے دو گلاس اور ایک وہسکی نکالی۔ بوتل کھولی شراب گلاسوں میں ڈالی اور میرے قریب آ گئی۔

"لے پی لو۔ تلخی تم ہو جائے گی۔ پی لو۔ ہم دونوں کو رات بتانا ہے۔ آؤ۔ جسم تمہارے لئے اجنبی نہیں ہے۔ میں تمہارے ضمیر کی چیخوں کو سمیٹ لوں گی۔ میں کی آواز تمہارے کانوں تک نہ پہنچ سکے گی۔ آؤ۔" اس نے کہا اور پھر بڑے سے شراب کا گلاس اٹھا کر میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔

وہ نظیرنا۔ رات کو سو جا۔ ایک سپنڈر لڑکی۔ شرمناکی شرماں کی۔ لیکن اپنے فن میں طاق۔ یہ چیخ تھی لڑکی بھی خوب تھی۔ میں نے شراب پی لی۔ شیکر زندہ باد کے نعرے لگائے۔ طالوت مردہ باد کے نعرے لگائے

اور پھر وہ ہونٹ سکوڑ کر میرے پاس آ گیا۔ میں نے ہونٹ خالی خالی نظروں سے دیکھا۔ ہمارے ہونٹ ایک تھی سے ہو گئے تھے۔ ہم ایک دوسرے کا خاتمہ کرنے والے تھے۔

■■■

ہوٹل سرخ ایسے ہوٹل میں ہوٹل دوستوں کی محفل میں داخل ہو گیا۔ سیاہ فام ویٹر نے مجھے دیکھ کر مسکراہٹ پھینکی تھیں ہاں کہ اس نے میرا مخصوص کیا تھا۔ ایسے ہوٹل میں ہم اکثر ملتے تھے۔ اس وقت بھی انتہائی سناٹا تھا۔ چند لوگ ہی ہوٹل میں موجود تھے۔ ایک طرف زرگس کی لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف ایک لڑکی سے میں نے ہاتھ ملایا۔ وہ ہاں کی ایک لڑکی تھی۔ میں نے اس کے ساتھ ہی ایک کیبن میں داخل ہو گیا۔ ویٹر نے ہمارے سامنے کھانا چن دیا۔ کھانا کھاتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا خبر ہے زرگس کی۔"

"ہاں۔ ایک خاص خبر ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا خبر ہے۔"

"زرگس کا ہونے والا شوہر آ گیا ہے۔ اور زرگس کا عشق ہوا ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک لڑکی کا بھی ہے۔ اور زرگس کا ہونے والا شوہر اس کے ساتھ ہ

طارق صاحب کی رہائش وہاں نہیں تھے۔ کوئی ملازم بھی نہیں تھا۔ پھر کار کی چابی انہوں نے کیا کی تھی؟

"جہاں تک ایک خیال ہے کہ وہ کار لے کر چلے گئے۔ سلام والی ہونے ہی کو تھیں۔ کھانا وغیرہ تیار کر رہے ہوں گے۔ اصل میں ہے ایک ہوٹل میں کام کرتا ہے۔ وہیں سے کھانا لے جاتا ہے۔ خیال تھا کہ شاید کچھ دیر ہو جائے گی لیکن آج کے کھانے میں بہت دیر ہو گئی ہے۔ اس لئے ہم نے سوچا کہ ہمیں ان کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔ آپ ہوا سے کو تو تکلیف دی ہے۔ اس کے لئے آپ سے معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ ہم لوگ کھانے کے لئے تیار ہو کر آئے ہیں۔ اس لئے ہم یہیں کھا لیں گے۔"

"میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلوں گی۔ لیکن آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے۔"

"آپ کی ہر بات ہمارے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ فرمائیے۔"

"آپ کی بیوی کہاں ہیں؟"

"جی غالب ہیں۔ "ڈیڈی کبھی کبھی ہی ہمیں مالک کے ساتھ ہوٹل سے واپس آتے ہیں۔ چلتے ہیں سے ہی آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔ بچے جہاں کب تک ٹھہریں گے؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میں نے جواب دیا اور ڈرنس کے ساتھ کمرے سے باہر آ گیا۔ اور آپ کے ڈیڈی بھی دیر سے ہی آئیں گے۔ ہم اس وقت آئیں گے جب وہ گھر پر موجود ہوں گے۔"

"جی نہیں، ڈیڈی سے مل کر ہمیں خوشی ہوگی۔ وہ بہت دلچسپ انسان ہیں۔ تھکن وغیرہ کا خیال نہیں کرتے۔ ڈرنس نے کہا اور پھر وہ ایک کمرے کے دروازے کے سامنے رک گئی۔

"میں ہٹ سکتی ہوں ڈیڈی؟"

"ہو بیٹے۔ کہو۔" اندر سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔ اور ڈرنس مجھے لئے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔

"بیلے۔!" وہ میرے چہرے کے تاثرات سے کچھ نہ سمجھ سکے۔ اس لئے حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے۔

"ہیں ہیں شارق صاحب ڈیڈی۔ اس حیرت انگیز حیرت سے تھوڑی سے۔ ڈرنس کے تعارف کرایا اور وہ مجھ مسکرانے لگے۔ انہوں نے بھی ایک کرسی پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔

"کافی دیر سے آپ کا انتظار ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"ڈرنس کو کوئی دقت تو آپ سے نہیں ہوئی شارق صاحب؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ معمولی سی تکلیف کو تکلیف کہنا مناسب نہیں ہے۔ مجھے جہاں جہاں جانا تھا میں جا چکا ہوں۔ اب تو آرام ہی آرام ہے۔"

"خوب خوب۔ ماشاء اللہ۔ اس وقت کیا کام تھا آپ کو؟" طارق صاحب نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں۔ ایسی حیرت انگیز واردات کا ایک کردار بننا کسی خاص ہی قسمت والی ہی کے حصے میں آتا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تب تو پھر آپ حیرت انگیز حیرت واردات کے مالک یا مالکہ ہیں۔ ہمیں بھی جہاں تک ہو سکے ہیلپ کر سکتے ہیں تو ہمارا دروں کا کیا خدمت ہے۔" وہ بھی مسکراتے ہوئے بولے۔ میں بھی مسکرا کر رہ گیا۔

"بہرحال بڑی مشکل ہوتی ہے یہ بات کہنا کہ کیا آپ کو کوئی مدد درکار ہوگی۔"

"جی ہاں ضرور۔!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ڈرنس اپنے مہمان کی خاطر مدارات کرو۔" وہ بولے اور ڈرنس نے سر ہلا دیا۔ وہ کہتے ہوئے کہا۔

"آپ شارق صاحب۔ میں آپ کو کوئی دلچسپ چیز دکھاتی ہوں۔" میرے کان میں کچھ کہہ کر پچھلی چار دیواری کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ چاروں ایک سے ایک بڑھ کر حسین تھیں۔ انہوں نے اپنی محبت، اپنی چاہت، اپنی وارفتگی، اپنی نسائیت مکمل طور سے میرے حوالے کر دی تھی۔ انہوں نے مجھے خوشی کی تمام لذتیں بخشی تھیں۔ ایسی شکل میں مجھے ڈرنس کی پراداوتہ ہونا چاہئے تھی لیکن یہ جذبہ فطرت انسانی کا ہے۔ اسے پرشیڈرزوں کا تجسس گھیر لیتا ہے۔ ڈرنس کی کشش بے بھی برقرار تھی اس کی محبت میں ایک عجیب سی نزاکت کا احساس ہوتا تھا۔ اور اس میں اس کے لئے وہی جذبہ پھر سے بیدار ہو گیا تھا۔ اور میں اس کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔

"آپ شارق صاحب چائے تیار ہو چکی ہوگی۔" کافی دیر کے بعد اس نے کہا

"میں آپ کا ہاتھ روم تک جانا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ آئیے۔" اس نے کہا۔ اور پھر وہ مجھے ایک کمرے کے باتھ روم کے دروازے پر چھوڑ گئی۔ میں نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ اور پھر آئی سے کاغذ اور پنسل نکال لیا۔ کاغذ پر ایک شیشے کے دروازے پر رکھ کر میں نے اس پر کچھ نشانات بنائے۔ اس کے ساتھ ہی ہاتھ

دھو کر میں باہر آ گیا۔ ڈرنس کے کمرے میں جا کر میں نے کاغذ اس کی آرائش دھنسے کر دیئے۔ ڈرنس نے دلکش انداز میں مسکرا کر دیکھا۔

ڈرنس جمالی صاحب

"میں ایک بہت شاندار ہوں۔ کس لڑکی سے ملاقات ہے شاید آپ کی۔ لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کی ملاقات کے بعد چند لڑکیوں نے مجھے اغوا کر لیا ہوا ہے۔ شاید ڈرنس بتا سکے کہ میں کہاں ہوں۔ اس کے لئے آپ کو ڈرنس کا سلام چاہئے۔ وہ انہیں تلاش کر سکی

اس کی کمزوری کے باعث اسے بار بار کھانسی آ رہی تھی۔ میں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ تھوڑی دیر میرے سینے سے لگی روتی رہی۔ پھر اس نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے بہت برا کیا۔ میں نے بہت برا کیا۔"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "تم نے بہت برا کیا۔ تم نے اپنے ساتھ بھی برا کیا اور دوسروں کے ساتھ بھی۔ لیکن اب تم اس کا کفارہ ادا کر رہی ہو۔ اب تم اس کا کفارہ ادا کرو گی۔ اب تم اس کا کفارہ ادا کرو گی۔"

"میں کفارہ ادا کروں گی۔" اس نے دہرایا۔ "میں کفارہ ادا کروں گی۔"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "تم کفارہ ادا کرو گی۔ تم اپنے ساتھ بھی اچھا کرو گی اور دوسروں کے ساتھ بھی اچھا کرو گی۔ تم اپنے ساتھ بھی اچھا کرو گی اور دوسروں کے ساتھ بھی اچھا کرو گی۔"

"میں اپنے ساتھ بھی اچھا کروں گی۔" اس نے دہرایا۔ "میں اپنے ساتھ بھی اچھا کروں گی۔"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "تم اپنے ساتھ بھی اچھا کرو گی۔ تم اپنے ساتھ بھی اچھا کرو گی۔ تم اپن

کوئی گفتگو نہ ہوگی۔ میں نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ "جانی صاحب کی طبیعت کی وجہ سے کافی دیر ہو گئی ہے اب ہمیں اجازت دیجئے۔"

نرگس نے کوئی جواب نہ دیا۔ شیکر نے کہا۔ "ہم کچھ دیر پہلے آ جاتے لیکن ہمارے ساتھی کو ایک ضروری کام تھا۔ وہ ہمیں یہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر ہم نے سوچا کہ آپ کو اطلاع دے دیں۔ ہمارے ساتھی کو آنے میں دیر ہو گئی۔"

نرگس نے کہا۔ "آپ کا شکریہ۔ اب ہم چلتے ہیں۔"

شیکر نے کہا۔ "ہم آپ کو گھر تک چھوڑ آتے ہیں۔ ہمارے ساتھی کو آنے میں دیر لگے گی۔"

"نہیں۔ ہم چلے جائیں گے۔" نرگس نے کہا۔

"

ہے۔ ہاں نے بتایا کہ جب تک انہیں جمالی صاحب واپس نہ آجائیں اس وقت تک تم یہیں رہو گے۔"

میں نے ایک نگاہ نرگس پر ڈالی۔ اس کی آنکھوں میں شرارت سکا رہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ اسی وقت سب کچھ صاف صاف بتا دوں اپنی حیثیت کھول کر بتا دوں۔ لیکن۔۔۔ اس کے بعد اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوتا ہے گا۔ سب کچھ سوچنے سمجھنے کی یہ زندگی کی نکھلی کلیاں۔ اس کی پیاریت۔ یہ شرمگیں سکراہٹ مدہوش ہے۔ یہ چہکتے ہوئے لب ہے۔ یہ بھلے۔ میں سمجھ گیا۔ اس نے سوہنے کے جوتے لیت گئے ہوں گے۔ اس کے بعد تو ہو لیا۔ یہ کچھ میرا مقدر ہے۔

پناہ میں خاموشی چھا گئی۔ ناشتہ ختم ہو گیا۔ اور ہم سب داؤد صاحب کے کمرے کی طرف چل پڑے۔ کمرے میں پہنچ کر داؤد صاحب نے کہا۔ "ڈی آئی جی صاحب کا فون آیا تھا۔ نرگس کا باپ کہتے کہ وہ کسی اپنی کو بھیجیں گے۔ میرا خیال ہے اسے آنا چاہیے۔ اس لشکر کو نہیں جس کا ڈی آئی جی کا خیال ہے کہ کسی بڑے اتوای گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس گروہ کے یہاں اور بھی ٹھکانے ہوں گے۔ پولیس جلد یا بدیر وہاں پہنچ جائے گی۔ اس کے ہاں ہونے کی بھی ایک وجہ ہے اور وہ بھی معلوم ہی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اشارہ کس کی طرف تھا۔ وہ اسے کیا سمجھتے ہیں۔

ایک بھرپور قہقہہ جیسے مشکل حل ہو گئی اور ہلکا پھلکا ماحول ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک نائی کی بغل میں دبائے اندر داخل ہو گئے۔ داؤد صاحب غالباً سے معافی کی التجا میں بولے۔ "میں نے بہت منع کیا تھا۔ میں نے بہت خاص طور سے کہا تھا کہ کسی کو نہ بلایا جائے۔ لیکن یہ کہتے ہیں کہ ایک بات خاص طور سے کہی گئی تھی۔ اس لئے مجبوراً انہیں بلانا پڑا۔"

"اوہ۔ کوئی بات نہیں ہے۔" داؤد صاحب نائی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایس پی صاحب

بولے ہوئے کہا۔

"میں تمہارے خلوص کی قدر کرتا ہوں۔ تم نے جو کچھ کیا ہے میں اس کی بڑی قدر کروں گا۔ لیکن بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کا حل خود ہی تلاش کرنا پڑتا ہے۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"شیکسپیئر کے بارے میں بھی نہیں۔؟"

"جو کچھ کہو گے اچھا ہی کہو گے۔" میرے لہجے میں کسی قدر ملکی سے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہاں۔ کہو گے۔"

"تب سنو۔ میں شیکسپیئر کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ میں نے تمہیں اس لئے تکلیف دی تھی کہ تم سے کچھ مدد لے سکوں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا۔ وہ میرے ساتھ ہے۔ ہر جگہ۔ ہر وقت۔ میں اس کی موجودگی کو محسوس کرتا ہوں۔ اس نے مجھے اس طرح اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے کہ میں کسی اور کی طرف دیکھ ہی نہیں سکتا۔ میں نے اس کی خاطر اپنے دوستوں کو چھوڑ دیا۔ اپنے کام کو چھوڑ دیا۔ اپنے آپ کو چھوڑ دیا۔ میں اس کی یاد کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہوں۔ اس کی یاد میرے لئے ایک مقدس امانت ہے۔ میں اس کی یاد کو کسی کے ساتھ بانٹنا نہیں چاہتا۔ میں اس کی یاد کو کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرنا چاہتا۔ میں اس کی یاد کو کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرنا چاہتا۔ بس یہ سمجھ لو۔" اور پھر میرے لہجے میں تلخی در آئی۔ "اور اگر تم سمجھ سکو تو۔ اس کے بعد میں نے ایک ایک کر کے اپنے سب دوستوں کو کھو دیا۔ میں نے ایک ایک کر کے سب کو کھو دیا۔ اب تم ہو۔ تم بھی کھو جاؤ گے۔ تم بھی کھو جاؤ گے۔ تم بھی کھو جاؤ گے۔"

"تو پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے اس کے لہجے کی تلخی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔"

"شیکسپیئر کے بارے میں بھی نہیں۔؟"

"جو کچھ کہو گے اچھا ہی کہو گے۔" میرے لہجے کی تلخی محسوس کرت

"پیروں سے تو اوپر نہیں معلوم ہوتی۔ آؤ۔ ذرا دیکھوں
رہا ہو۔" اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ اور میں نے جلدی سے کہا "نہیں نہیں
گاڑی لے کر آتا ہوں۔ اور میں نے جلدی سے کہا "نہیں نہیں
تھے۔ مجھے دیکھا گیا تھا۔ میرا دل اٹھنے لگا۔ لیکن پھر میں نے ہمت کی اور
ہاتھوں سے تولنے لگے۔

"تو کوئی مجھے دیکھ کر باہر نکل آتا۔" اس نے کہا "اور کوئی نہ آتا تو کیا ایک لاش
اس وقت سنسان تھا۔ میں نے اندر کو جھانکا۔ ہال میں اخبار کو تہ کیا ہوا
میں ضرورت تھی۔ اور کوئی نہ آتا تو میں خود باہر نکل آتا۔ باہر نکل آتا تو
اندازہ کر لیا۔ اور پھر میں ایک گہری سانس لے کر باہر نکل گیا۔ اور
پھر میں نے اپنی ہی کوٹھی کو دیکھا۔ جس حیرت و دہشت سے اسے دیکھ رہا
وہ۔ وہ تو میں تھا۔ ہاں وہ یقیناً میں ہی تھا۔ مگر میں تو اپنے ہمدرد
شوہر کے ہلاک ہونے کے لئے اپنی بیوی سائرہ کی ایک سازش کے سلسلے اور اپنے بچے کی
پرورش کے لئے جسم و جان کی لڑائی لڑ رہا تھا۔ عورت کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی
اس وقت کی اور اب کی میں بہت فرق تھا۔ طالات نے مجھے کتنا مضبوط
بنا دیا تھا۔ اس کا صحیح پتہ مجھے اس وقت چلا تھا۔ یقیناً یہ کوٹھی ہی کی تھی
میرا دل مسرت سے اچھل گیا۔ میں خوشی سے جھوم اٹھا۔

"ثریا۔ تم۔" میں نے والہانہ انداز میں کہا۔ اور وہ اچھل پڑی۔

"تم۔ تم کون ہو۔" اس نے تحیر آمیز انداز میں کہا اور میرے
دل کو ایک دھچکا لگا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک اور تلخ حقیقت میرے
ذہن میں آ گئی۔ اس وقت جب میں طالات کے ہاتھ ثریا سے ملا تھا
میرا شکل نہیں تھی جب اس وقت میں طالات کی جنگلی آواز سنکر ہی تھا

"بتاؤ۔ تم کون ہو۔" اس نے پوچھا۔

"کوئی نہیں ثریا۔ کوئی بھی نہیں۔" میں نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا

"مجھے کس طرح جانتے ہو۔" اس نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔" میں نے بکھرتے
ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے کہا۔ ثریا ہاتھوں سے جنی نکلی
دیکھ رہی تھی۔ اس کے جسم میں ایک نوکدار قسم کی دہشت بھری تھی۔

"باہر جاؤ۔ کسی سے ملنے کا ارادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم
جانتی ہو نہیں تمہی سے میری بات چیت کرنا ہے۔" ثریا نے سخت آواز میں
طالات سے کہا۔

"جی اچھا جی۔" طالات نے گردن جھکا کر کہا اور باہر نکل گئی

"آؤ۔" ثریا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ طالانکہ وہ مجھے
مخاطب تھا لیکن وہ مجھے سے کترا رہا تھا۔ اور وہ مجھے لئے ہوئے کوٹھی سے ایک طرف
ہٹ کر کھڑے سے نکل آیا۔ اور وہ مجھے لئے ہوئے کوٹھی سے ایک طرف
اندر آ گئے میں آ گیا۔

"بیٹھو۔" اس نے کہا اور میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ ثریا میرے
پر بیٹھ گیا۔ "میرا انتظار کرو۔" اس نے کہا اور گھر سے باہر نکل گئی۔ میرے
لئے یہ دعوے کے جا رہے تھے۔ میں جانتا تھا ثریا مجھے نہیں پہچانے گی۔ اس کی
میں بات نہیں آئے گی کہ شکلیں اس طرح کیسے بدل سکتی ہیں۔ اسے کچھ تنا ہی
تھا۔ لیکن وہ کہاں گئی ہے؟ — کیا پولیس کو مطلع کرنے گئی ہے۔ میرا
دل پھڑپھڑانے لگا۔ میں نے سوچا کہ یہاں سے نکل جاؤں۔ بھاگ جاؤں
پولیس کے آنے سے قبل یہاں سے دور نکل جاؤں۔ لیکن کہاں؟ باہر
پولیس ہو گی۔ اور بھی خطرہ ہے اور باہر بھی۔ پھر کہاں جاؤں۔
کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ناچیز بے یہاں کو ہی تھیں۔ میں نے دونوں
ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

لیکن جب دروازہ کھلا تو میں اچھل پڑا۔ میں نے سمجھی ہوئی نظروں
سے دیکھا۔ ثریا تھی۔ اس کے ہاتھوں میں کوئی چیز تھی۔ لیکن میں اس کے
عقب میں دیکھ رہا تھا۔ کیا پولیس اس کے پیچھے موجود ہے۔ پھر جب اس نے
اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا تو میں نے ایک گہری سانس لی۔ ثریا کے
ہاتھوں میں ایک ٹرے اور ایک بوتل تھی۔ اس کے بائیں بازو میں کھانے کا
موجود تھا۔ اس نے میز کا سامان اور کپڑے میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"وہ سامنے باتھ روم ہے۔ جاؤ کپڑے تبدیل کر لو۔ لباس تبدیل کرنا
لکھ ہے تمہارے جسم پر چوٹیں ہیں یا نہیں ہے۔ لیکن بہر حال کپڑے بدل لینے سے
اس کے خلاف میں جیسا سوچ رہا تھا۔ بہر حال میں اس کا حکم نہ ٹال
سکا۔ اور "ہاں" اشارہ کو سمجھ لیا۔ پھر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ شیو
بنایا۔ غسل کیا اور لباس تبدیل کر کے باہر نکل آیا۔ اس دوران میں بیسیوں خیال ذہن
ہی میں آ رہے تھے۔ بیسیوں اندیشے دل و دماغ کھٹکھٹا رہے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز۔ بند
ہونے کی آواز۔ کچھ مگر وہ خیال ان کے الفاظ میرے کچھ میں نہیں آ رہے تھے۔
میرا ذہن ڈانگ رہا تھا۔ دیکھئے باتھ روم سے نکلنے کے بعد کیا صورتحال
پیش آتی ہے۔

بہر حال جیسا سوچا گیا تھا ویسا ہی ہوا۔ ثریا کی ہی شکل نکلی تھی
ثریا اب بھی کرسی پر بیٹھی تھی۔ البتہ اب وہ تبدیل ہو چکی تھی۔ تبدیل

ہو چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پستول تھا۔ وہ سیدھا
ہاتھ میں پستول لئے ہوئے تھی۔ ہلکا سا دھواں نکل رہا تھا۔ میں نے
اس کی طرف دیکھا۔ جیسا سوچا تھا اس کے مطابق ہی

"بیٹھ کر دو۔" اس نے اسی حکمانہ انداز میں کہا اور مجھے پہلی بار
ثریا کے لہجے میں غصہ کی جھلک لگ رہی تھی۔ میں خاموشی سے بیٹھ گیا
ثریا بھی بیٹھ گئی۔ پستول میری طرف تھا۔ ہاتھ روم ہو گئی اور پھر میرے
اس نے کہا۔ "اب بتاؤ کہ تم کون ہو۔ کیا ہو۔ کیا چاہتے ہو۔" میں نے
کیا مجھے پہچان گئی ہے۔ میں نے سوچا۔ تجربہ کرنا چاہئے۔ تجربہ کیا
اس سوال کے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس نے وہ کپڑے آتش دان میں
ڈال دیئے۔ اور میں حیرت کے مارے منہ کھولا رہ گیا۔ یہ ثریا کیا کر رہی ہے
پھر اس نے کپڑے اٹھائے اور باہر نکل گئی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ
باہر گئی۔ اور پھر واپس آئی اور میرے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے ایک کپ
میں چائے انڈیلی اور میرے سامنے رکھ کر میری آنکھوں میں دیکھنے لگی۔
کپ اٹھا لیا اور چائے پینے لگا۔ ثریا اپنی جگہ سے اٹھی اور پھر اپنے لئے چائے
بنانے لگی۔ پھر واپس آ کر بیٹھ گئی اور چائے پینے لگی۔ میں نے سوچا۔ تجربہ کیا
ہے۔ ثریا نے کہا۔ "پولیس تمہاری تلاش میں آئی تھی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ تو
بچانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔

"کیا پولیس اندر آئی تھی۔" میں نے حلق صاف کر کے پوچھا۔

"ہاں۔ اور اس نے عمارت کی تلاشی بھی لی تھی۔ اور پھر مجھے
ہدایات کر کے گئی تھی کہ میں فوراً کپڑے تبدیل کر کے واپس ہو گئی۔
ثریا نے اسٹور کا ذکر نہیں کیا تھا۔ بعد میں میری ملازمہ نے اطلاع دی۔
کے پیچھے سے نکلے ہوئے تہہ خانے کی طرف دیکھا اور مجھے اطلاع دی۔"

"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی اور پھر اپنے لئے چائے
کپ بنانے لگا۔

"مجھ سے جو کچھ کہا گیا تھا تم اتنے خطرناک کیس میں نظر آتے ہو۔ شاید
ہے کہ ملزم قسم کے لوگ نہیں ہوتے۔ شاید تم نے زندگی میں پہلی بار جرم کیا
ہے۔" اس نے کہا۔

میں نے کوئی جواب دیا اور چائے کے گھونٹ لیتا رہا۔ وہ خاموش
سے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سرد آواز میں کہا۔ "اب بھی نہیں بتاؤ گے
کہ تم کیا ہو۔ کیسے ہو۔ کیا چاہتے ہو۔"

"ہیں ثریا۔ ایک بے فائدہ بے مقصد بات ہے۔" میں نے
ایک لمبی سانس لے کر کہا۔

"خیر۔" وہ چند لمحوں کے بعد بولی۔ "اگر یہ بے جسم کا کیا ہے
پہلے ہو۔ تو مجھے اپنے کسی گناہ کی شکل دکھائی نہیں دیتی۔ اگر ہے تو تم ہو
بتا دے ہے کہ تو پھر تمہارے دل و دماغ سے نکل جانا چاہئے۔ وہ ایک
تھی۔ ایک بھیانک یاد تھی۔ اگر یہ صحیح بھی ہے تو تم ہو
تو میں کر چکی ہوں گی۔ اور اب میں بات کرنا چاہتی ہوں
اس کو سنے ہو۔ وہ قیمت ہے جو تم نے مجھے ادا کرنی تھی۔ کتنا مانگے
ہے وہ لمحات ہیں تمہاری زندگی کے ہو گی۔

"نہیں ثریا۔ نہ گناہ ہے۔ میں تمہارے جرم کا ذمہ دار نہیں ہوں
خدا گواہ ہے تم سے ایک سستے پن کی شہادت مانگتا ہے۔" میں نے کہا
اور تریا کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ گئے۔ وہ جھکے سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر
رہی۔ پھر بولی۔

"لیکن۔ یہ۔ تم یہ سب کیسے جانتے ہو۔"

"میں یہ نہ بتا سکوں گا۔ تمہارے لئے مجھ سے یہ زیادہ
کچھ حاصل نہ ہو گا۔" میں نے کہا۔

"میں مستقل بے پیسہ ہو گی۔ بہر حال تمہیں محبوبہ نہیں کہہ سکتی
تم جیل سے فرار ہوئے ہو۔"

"ہاں۔"

"تمہارا نام طالت ہے۔"

"ہاں۔"

"پولیس نے بتایا تھا۔ کہ تم قاتل بھی ہو۔"

"ہاں ثریا۔ میں نے دو بے گناہ انسانوں کو قتل کیا ہے۔" میرے
دل میں کھٹکھٹا رہے تھے۔

"میرا تم نے بہت بڑا کیا۔ وہ کہتے ہوئی" آج کا اخبار آؤ
ہے نے زندگی خود ہی ختم کر دی ہے۔ اسے لینے سے کیا فائدہ۔"
جو کچھ ہوا وہ نہ ہوتا۔ میں نے حالات ہو کر ایسا نہیں کیا
میں نے کہا۔

"کیسی اپنائیت کیسی محبت سے میرا نام لیتے ہو۔ کاش میں
تمہارے بارے میں جان سکتی۔" اس نے سرد سانس لے کر کہا۔

"تم نے مجھے پناہ کیوں دی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"مجھے انسان کی مجبوریوں کا احساس ہے۔ کیونکہ خود میں بھی
مجبور رہ چکی ہوں۔ میں جانتی ہوں انسان پیدائشی گناہ گار نہیں ہوتا۔ اس
کی فطرت برائی کی طرف راغب نہیں ہوتی۔ حالات اسے گناہ گار بنا دیتے ہیں

...ہوئے کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں بہت سے لوگوں کے ہاتھ دیکھے ہیں۔ ان میں سے بعض کے ہاتھ میں ایسی لکیریں ہوتی ہیں جو ان کی زندگی کی کہانی بیان کرتی ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات ان لکیروں میں لکھے ہوتے ہیں۔ ان لکیروں کو پڑھ کر ہم ان کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ کہہ سکتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ لکھ سکتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ پڑھ سکتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ سن سکتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ محسوس کر سکتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ سمجھ

اس کے دل میں پیدا ہونے والے کیسے جذبات ہوں گے اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔!

لیکن آخر میں اس کے پاس جانا کیسا لگا ہوگا اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس کا دل کیوں کی طرح بری طرح دھڑکنے لگی ہوگی یا اس کی آواز لڑکھڑا گئی ہوگی۔ اس کا دل کیوں کے لئے ایسے ہی کوئی آواز سن کر دھڑکنے لگتا تھا۔ نرگس ہی کیوں — ؟ لیکن دل کے کسی گوشے سے آواز آئی تھی۔ نہیں — وہ کچھ مختلف ہے۔ وہ عام لڑکیوں کی طرح سستی اور معمولی نہیں ہے۔ وہ بہت انمول ہے۔ اس کے حصول کا تصور ایک خوشگوار احساس بلکہ دوسری لڑکیاں بہت حالت میں پیدا کر دیتی ہیں۔ مہنگی شے کا حصول ہی اصل کامیابی ہوتی ہے۔ اور میں دل پا جانے کی خاطر مسل کر جو تھے وہ دوبارہ سے ہی بھی فرق ہے اس میں اور دوسری لڑکیوں میں۔ اور یہ کشش ہے جو مجھے بیمار کر رہی ہے۔!

یہ پہلا سفر میں نے پیدل طے کیا۔ اور دوسرے سفر میں نے کیا۔ راستے میں مجھے گشتی پولیس کے آدمی نظر آئے تھے۔ لیکن میں نہایت ہوشیاری سے ان کی نگاہوں سے بچتا ہوا، بالآخر نرگس رحمانی کی کوٹھی پر آ پہنچا تھا۔ اور اب نرگس رحمانی کی شاندار کوٹھی میری نگاہوں کے سامنے تھی۔ میں ایک تاریک گوشے میں کھڑا مسرت بھری نگاہوں سے اس کوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب مجھے عزت کے ساتھ مدعو کیا گیا تھا۔ نرگس کی آنکھوں میں محبت کے پیغام تھے۔ حقیقت پسندی کے باوجود وہ کس قدر مسرور نظر آنے لگی تھی۔ اور — اور داؤد رحمانی کی آنکھوں میں بھی پیمانہ خفت تھی۔ وہ شفقت میں سے میں ہمیشہ محروم رہا تھا۔ لیکن اب کی مجھے کس قدر طلب تھی۔ کتنا طویل سفر تھا میں اور تم بذریعہ کار۔ لیکن پھر مجھے وہ وقت بھی یاد آیا جب اس پل کے شناسائی پر داؤد صاحب نے نرگس کو پہنچنے سے روک لیا تھا۔ جیسے وہ کسی بڑی مصیبت سے بچ گئی ہو۔ اور وہ سعادت میں تھا۔

میں نے ایک گہری سانس لی اور دھڑکتے دل کے ساتھ داؤد صاحب کی کوٹھی کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ آندھیاں آگ میں کیا چاہتا تھا میں نرگس سے کیا اپنا چاہتا تھا۔ میں نے خود سے سوال کیا۔ لیکن کوئی جواب نہیں تھا میرے پاس۔ اس قدر الجھا ہوا ہونے کے باوجود میں نے اتنی عقلمندی سے کام لیا تھا کہ سامنے کی طرف سے کوٹھی کی دیوار پر نہیں چڑھا۔ بلکہ اس کے لئے میں نے بائیں سمت کی دیوار استعمال کی۔ اس دیوار کو پھلانگ کر میں کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ دو بار اس کوٹھی کو دیکھ چکا تھا۔ نرگس رحمانی کی

خوبصورتی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ میں نے آہستہ سے کواڑوں کو دھکیلا۔ وہ کھلتے چلے گئے۔ شاید اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تھی۔ کوٹھی میں داخل ہونے کے لئے۔ خوبصورت باغ کا حصہ تھا۔ میں نے باغ میں قدم رکھا۔ اور پھر میں نے ایک سایہ دار گوشہ تلاش کر لیا۔ جہاں سے میں کوٹھی کے دونوں حصوں پر نظر رکھ سکتا تھا۔ اور پھر میں نے اس کوٹھی کے ایک حصے میں روشنی دیکھی۔ یہ حصہ نرگس رحمانی کا تھا۔ میں نے اس کی کھڑکی کو پہچان لیا تھا۔ اس کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ اور کمرے کی روشنی باہر آ رہی تھی۔ میں نے اس کھڑکی کو بغور دیکھا۔ اور پھر میں نے اس کھڑکی کے قریب ایک سایہ دیکھا۔ وہ نرگس رحمانی تھی۔ میرا دل زور سے دھڑک

ایک بیگ بھر لینا کل۔ میں تمہارے ہوٹل آ جاؤں گا۔ ہم دونوں اکٹھے ہی
نکلیں گے۔ لیکن میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میں تمہیں
ٹرین پر بٹھا دوں گا۔ تم وہاں سے بس لے لینا۔ میں نہیں چاہتا
کہ ہم دونوں کو اکٹھے دیکھا جائے۔ ہم الگ الگ ہی ٹھیک ہیں۔
اگر کوئی پوچھ گچھ کرے تو میں نے تمہیں صبح ہی ٹرین پر
بٹھا دیا تھا۔ سمجھ گئے؟"

"اگر۔ اگر میں نہ آ سکا تو؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"اگر تم نہ آ سکے تو میں سمجھ لوں گا کہ تم نے مجھے دھوکا دیا
ہے۔ اور پھر میں تمہیں کبھی نہیں ملوں گا۔ کبھی بھی نہیں۔"
اس نے سختی سے کہا۔

"میں آؤں گا۔ ضرور آؤں گا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب جاؤ۔ میں ایک منٹ میں آتا ہوں۔"

"ایک منٹ۔ صرف ایک منٹ۔ مجھے اپنی کامیابی کا
یقین دلا دو۔ مجھے اطمینان دلا دو۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔
میں مجرم نہیں ہوں۔ بنا بنایا ہوں۔ صرف ایک منٹ دے دو۔
خدا کے لیے صرف ایک منٹ۔" وہ بڑی بے چارگی سے چیخ رہا تھا۔ لیکن
اس کی آواز دروازے کے قریب پہنچ گئی اور پھر انھوں نے دروازے
توڑنے کی کوشش کی۔ لیکن میرا خیال ہے اب تک وہ ہوشیار ہو چکا تھا۔ میں نے پوری قوت
سے ان میں سے ایک کو اٹھایا اور اٹھا کر فائر پر دے مارا۔ فائر کے دھماکے
سے پستول نکل کر دور جا گرا۔ وہ دونوں ڈھیر ہو گئے تھے۔ فوجی وردی
والوں نے بھرپور یلغار کر دی۔ لیکن اب میرے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔
خوفناک ہاتھ میں پڑے اس کے حلق سے خرخراہٹ نکل رہی تھی۔ وہ بار بار فرش
کی ہیت اس میں کہاں تھی۔ میں دروازے سے نکل گیا۔

پولیس افسر نے پستول دوبارہ اٹھایا۔ اور گولی چلا دی لیکن
نشانہ چوک گیا تھا۔ افسر چیخا چلایا تھا اور میں بے تحاشا بھاگ رہا تھا
لیکن پولیس کی تعداد کافی تھی۔ پولیس والے چاروں طرف سے دوڑ رہے تھے
شاید ان لوگوں کو اندازہ تھا کہ میں یہاں ضرور آؤں گا۔ شاید ایک
کرنل نے ہیلی کاپٹر کی درخواست کی تھی کہ وہ دروازہ جمالی کا اول ہیلی کاپٹر
صاف کرے۔ اگلے لمحے پولیس پوسٹ تھی۔ باہر موجود پولیس والوں
کے پاس رائفلیں بھی تھیں۔ اب انھیں میرے زندہ گرفتار کی ضرورت نہیں تھی۔
اس لئے وہ بے تحاشا گولیاں چلا رہے تھے۔ میں سیدھے دوڑ رہا تھا۔
لیکن میں ان گولیوں سے اپنا بچاؤ سڑک پر نکل آ۔ میں نے
ایک سے زیادہ گاڑیاں اسٹارٹ ہونے کی آوازیں سنیں۔ اور گاڑیاں
میرے پیچھے دوڑنے لگیں۔ لیکن میری قوت برداشت کو ان کے دوڑنے کرنے
کے بے تاب تھا۔ میں نکل جانا چاہتا تھا۔ اور میں نے ایک جیپ کو
بات محسوس کی۔

جیپ کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اپنے پیچھے ہیلی کاپٹر کی
آواز سن رہا تھا۔ گولیاں برس رہی تھیں۔ لیکن اب میں کافی دور
نکل آیا تھا۔ گولیاں میرے قریب نہیں آ رہی تھیں۔ میں جیپ
تک پہنچ گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک فوجی بیٹھا تھا۔ میں نے
اس کی گردن پر ایک زوردار ضرب لگائی۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ میں
نے اسے نیچے گرا دیا۔ اور جیپ لے کر بھاگ نکلا۔ ہیلی کاپٹر
والے بھی میرے پیچھے تھے۔ لیکن اب میں ان کی زد سے باہر تھا۔
میں نے جیپ کو ایک طرف موڑا اور ہیلی کاپٹر کی گولیاں مجھے
نہیں لگ سکیں۔ لیکن اب ان کی رفتار تیز نہیں تھی
کیونکہ وہ بھی گلیوں میں سے گزر کر گلیوں میں دوڑنے لگے تھے۔ میں
نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔ میں جانتا تھا کہ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔
ہیلی کاپٹر والے بہت جلد ہی مجھے ڈھونڈ لیں گے۔ میں نے جیپ
ایک بیگ بھر لینا کل۔ میں تمہارے ہوٹل آ جاؤں گا۔ ہم دونوں اکٹھے ہی
نکلیں گے۔ لیکن میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میں
تمہیں ٹرین پر بٹھا دوں گا۔ تم وہاں سے بس لے لینا۔ میں نہیں چاہتا
کہ ہم دونوں کو اکٹھے دیکھا جائے۔ ہم الگ الگ ہی ٹھیک ہیں۔
اگر کوئی پوچھ گچھ کرے تو میں نے تمہیں صبح ہی ٹرین پر
بٹھا دیا تھا۔ سمجھ گئے؟"

"اگر۔ اگر میں نہ آ سکا تو؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"اگر تم نہ آ سکے تو میں سمجھ لوں گا کہ تم نے مجھے دھوکا دیا
ہے۔ اور پھر میں تمہیں کبھی نہیں ملوں گا۔ کبھی بھی نہیں۔"
اس نے سختی سے کہا۔

"میں آؤں گا۔ ضرور آؤں گا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب جاؤ۔ میں ایک منٹ میں آتا ہوں۔"

"ایک منٹ۔ صرف ایک منٹ۔ مجھے اپنی کامیابی کا
یقین دلا دو۔ مجھے اطمینان دلا دو۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔
میں مجرم نہیں ہوں۔ بنا بنایا ہوں۔ صرف ایک منٹ دے دو۔
خدا کے لیے صرف ایک منٹ۔" وہ بڑی بے چارگی سے چیخ رہا تھا۔ لیکن
اس کی آواز دروازے کے قریب پہنچ گئی اور پھر انھوں نے دروازے
توڑنے کی کوشش کی۔ لیکن میرا خیال ہے اب تک وہ ہوشیار ہو چکا تھا۔ میں نے پوری قوت
سے ان میں سے ایک کو اٹھایا اور اٹھا کر فائر پر دے مارا۔ فائر کے دھماکے
سے پستول نکل کر دور جا گرا۔ وہ دونوں ڈھیر ہو گئے تھے۔ فوجی وردی
والوں نے بھرپور یلغار کر دی۔ لیکن اب میرے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔
خوفناک ہاتھ میں پڑے اس کے حلق سے خرخراہٹ نکل رہی تھی۔ وہ بار بار فرش
کی ہیت اس میں کہاں تھی۔ میں دروازے سے نکل گیا۔

پولیس افسر نے پستول دوبارہ اٹھایا۔ اور گولی چلا دی لیکن
نشانہ چوک گیا تھا۔ افسر چیخا چلایا تھا اور میں بے تحاشا بھاگ رہا تھا
لیکن پولیس کی تعداد کافی تھی۔ پولیس والے چاروں طرف سے دوڑ رہے تھے
شاید ان لوگوں کو اندازہ تھا کہ میں یہاں ضرور آؤں گا۔ شاید ایک
کرنل نے ہیلی کاپٹر کی درخواست کی تھی کہ وہ دروازہ جمالی کا اول ہیلی کاپٹر
صاف کرے۔ اگلے لمحے پولیس پوسٹ تھی۔ باہر موجود پولیس والوں
کے پاس رائفلیں بھی تھیں۔ اب انھیں میرے زندہ گرفتار کی ضرورت نہیں تھی۔
اس لئے وہ بے تحاشا گولیاں چلا رہے تھے۔ میں سیدھے دوڑ رہا تھا۔
لیکن میں ان گولیوں سے اپنا بچاؤ سڑک پر نکل آ۔ میں نے
ایک سے زیادہ گاڑیاں اسٹارٹ ہونے کی آوازیں سنیں۔ اور گاڑیاں
میرے پیچھے دوڑنے لگیں۔ لیکن میری قوت برداشت کو ان کے دوڑنے کرنے
کے بے تاب تھا۔ میں نکل جانا چاہتا تھا۔ اور میں نے ایک جیپ کو
بات محسوس کی۔

اب مجھے کوئی بات کرنا نہیں تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن اس نے ہاتھ پکڑ کر مجھے روک لیا۔ "ابھی نہیں۔ ابھی تو میں نے تمہیں کچھ بتایا ہی نہیں۔" اس نے کہا۔ "تم نے کتاب پڑھی ہے۔ اس کی کوئی نہ کوئی بات تو ضرور تمہارے ذہن میں کھٹکی ہوگی۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ سوچا ضرور ہوگا۔ میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کروں گا۔ ہم مل کر اس کا حل تلاش کریں گے۔"

ابتدا میں اس کے چہرے پر بشاشت کی جھلکیاں نمودار ہوئیں۔ پھر وہ پہلے کی طرح سنجیدہ ہو گیا۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے اور اس نے سر جھکا لیا۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "چلیں۔"

اور اب ہم چلنے لگے تھے۔ میں گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تم اتنے اداس کیوں ہو گئے؟" میں نے پوچھا۔ "کوئی بات نہیں۔ تم نے کہا تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ اس لئے۔" اس نے کہا۔ "لیکن کیسے؟"

"ابھی تو میں نہیں جانتا۔ لیکن میں کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔ تم فکر نہ کرو۔" اس نے کہا۔ "تم نے کتاب پڑھی ہے۔ اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ یہ کتاب ہمارے لئے ہی لکھی گئی ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم سب کے لئے۔ ہر انسان کے لئے۔"

"ہاں۔ یہ بات درست ہے۔ لیکن ہر شخص تو اس کتاب کو نہیں پڑھ سکتا۔ ہر شخص تو اس کتاب کو نہیں سمجھ سکتا۔ ہر شخص تو اس کتاب کو نہیں پا سکتا۔ اس کا مسئلہ بڑا ہے۔ بہت بڑا۔ مجھے اس کا کوئی نہ کوئی حل تلاش کرنا ہی ہوگا۔" اس نے کہا۔ "میں اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور سوچوں گا۔ لیکن میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکا۔ اس کا مسئلہ بڑا تھا۔ مجھے اس کا کوئی حل نہیں سوجھ رہا تھا۔ میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔ میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ میں اس کے لئے کچھ

کی اور میری دل صدقے کے لئے راضی ہو گیا۔ میں نے اسے ساتھ
لیا اور کار کی طرف چل پڑی۔ جونہی اس نے اندھیرے میں سے باہر قدم
رکھے اسے روشنی نظر آنے لگی۔ تب وہ رکنے لگا۔ کہا

"کیا کسی نے میرے لئے کمرہ پہلے سے کرایہ پر لے رکھا تھا۔"

"ہاں وہ کمرہ میرے لئے ہی لیا گیا تھا۔ تم اس میں رہو گے۔"

"میں نے کہا۔ "کیا تم اس کے لئے کرایہ ادا کرو گے۔"

"نہیں۔ میں نے کہا۔ "وہ میرا ہے۔ تم میرے مہمان ہو

"ہوں۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پھر کیا ہوا؟ تم نے کیا کیا؟"

"میں وہاں سے بھاگ آئی۔"

"بھاگ آئیں؟" وہ چونکا۔ "اور وہ تمہارا پیچھا نہیں کرتے؟"

"نہیں۔" وہ بولی۔ "میں سمجھتی ہوں کہ وہ لوگ میرے اس طرح بھاگ جانے کو اپنی توہین سمجھ رہے ہوں گے۔ اس لئے وہ میرا پیچھا نہیں کریں گے۔"

"ہوں۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور تم نے کہا تھا کہ تم نے ان کے سردار کو ہلاک کر دیا ہے۔ کیا واقعی تم نے ایسا کیا ہے؟"

"ہاں۔" وہ بولی۔ "میں نے ایسا ہی کیا ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ مجھے ہوس کی نظروں سے دیکھ رہا تھا

کیا پولیس آفیسر نے کہنے پر بھی تحریر شروع کی۔

"میں ملزم ہوم سیکرٹری کی عدالت میں خود پر لگائے گئے الزام کی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کسی پر حملہ نہیں کیا۔ میں نے صرف اپنی حفاظت کی تھی۔ میرا ایک معمولی سا ملازم جمال ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ایک حادثے میں اس کی بیوی مر گئی تھی۔ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔ جمال اس کی پرورش کرتا ہے۔ اس کی بیوی کی موت کے بعد جمال کی زندگی بدل گئی۔ وہ بہت اداس رہنے لگا۔ اس کا دل کام میں نہیں لگتا تھا۔ اس کی اداسی کو دیکھ کر میں نے اسے ایک ہفتے کی چھٹی دے دی۔ اس کے بعد جمال کام پر واپس آ گیا۔ اس کی اداسی ختم ہو گئی تھی۔ وہ پہلے کی طرح ہنستا مسکراتا رہتا تھا۔ اس کی بیوی کی موت کو ایک سال گزر چکا تھا۔ اس دن جمال کام پر نہیں آیا۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ بیمار ہے۔ میں اس کے گھر گیا۔ وہ گھر پر نہیں تھا۔ اس کا بچہ اکیلا تھا۔ میں نے بچے سے پوچھا کہ اس کا باپ کہاں ہے۔ بچے نے بتایا کہ اس کا باپ اس کی ماں کی قبر پر گیا ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ اپنی بیوی کی قبر پر گیا ہے۔ میں نے بچے سے کہا کہ وہ اپنے باپ کو بلا کر لائے۔ بچہ گیا اور واپس آ کر بولا کہ اس کا باپ نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کہاں گیا

ہیں گرایں۔ لیکن پھانک کے دونوں طرف سے بیک وقت فائرنگ شروع ہو گئی۔ ایک لمحہ کے لئے تو وہ سب کے سب ہکا بکا رہ گئے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر خوف کے آثار تھے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ ان کے ساتھ آنے والے ان کے دشمن تھے۔ وہ ان کی جانیں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ہاں ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا وہ۔ ایک دم اٹھا۔ پھرتی سے اپنے پستول نکالے۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ سے نکل کر فضا میں بلند ہو گئے۔ اگلے لمحے وہ ہوا میں اڑتے ہوئے پستول کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے ایک زوردار تھپڑ اپنے گال پر مارا۔ اس کی آنکھیں پھٹ کر باہر نکلنے کو تھیں۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مزاحمت سے بھول گئے۔ وہ اپنے ساتھ آنے والے دشمنوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کی نگاہیں پھر کسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش کر رہی تھیں۔ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ہاں ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا وہ۔ ایک دم اٹھا۔ پھرتی سے اپنے پستول نکالے۔ لیکن اگلے اس کے ہاتھ سے نکل کر فضا میں بلند ہو گئے۔ اگلے لمحے وہ ہوا میں اڑتے ہوئے پستول کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے ایک زوردار تھپڑ اپنے گال پر مارا۔ اس کی آنکھیں پھٹ کر باہر نکلنے کو تھیں۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مزاحمت سے بھول گئے۔ وہ اپنے ساتھ آنے والے دشمنوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کی نگاہیں پھر کسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش کر رہی تھیں۔ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ہاں ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا وہ۔ ایک دم اٹھا۔ پھرتی سے اپنے پستول نکالے۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ سے نکل کر فضا میں بلند ہو گئے۔ اگلے لمحے وہ ہوا میں اڑتے ہوئے پستول کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے ایک زوردار تھپڑ اپنے گال پر مارا۔ اس کی آنکھیں پھٹ کر باہر نکلنے کو تھیں۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مزاحمت سے بھول گئے۔ وہ اپنے ساتھ آنے والے دشمنوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کی نگاہیں پھر کسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش کر رہی تھیں۔ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ہاں ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا وہ۔ ایک دم اٹھا۔ پھرتی سے اپنے پستول نکالے۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ سے نکل کر فضا میں بلند ہو گئے۔ اگلے لمحے وہ ہوا میں اڑتے ہوئے پستول کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے ایک زوردار تھپڑ اپنے گال پر مارا۔ اس کی آنکھیں پھٹ کر باہر نکلنے کو تھیں۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مزاحمت سے بھول گئے۔ وہ اپنے ساتھ آنے والے دشمنوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کی نگاہیں پھر کسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش کر رہی تھیں۔ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ہاں ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

طاقت ور ہے۔

"میں نہیں جانتا کہ طاقت اور کیا ہوتی ہے۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں تمہارا دوست ہوں۔"

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔" اس نے منہ سے خون اور دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں پتا لگا۔ نہیں جانتا کہ" اس نے اپنے گال کی جھلسی ہوئی جلد کو چھوا۔ "یہ کیا ہے۔ کیا ہوا ہے مجھے۔ میرا چہرہ۔ میرا چہرہ کہاں ہے۔" اس نے اپنے چہرے کو ٹٹولا۔ "مجھے کیا ہوا ہے۔ میرا چہرہ کہاں ہے۔" اس نے اپنے چہرے کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔

کہاں وہ مکمل وجیہ نوجوان جو میرا مقابل تھا اور کہاں یہ کراہتا ہوا بھیانک چہرہ۔ میں انسانوں کی طرح اس قابل نہیں کہ کسی کو کچھ دے سکوں یا کسی سے کچھ لے سکوں۔ میں تو صرف تباہی ہوں۔ میں جس کے ساتھ رہتا ہوں اسے تباہ کر دیتا ہوں۔ میں جس کو چھوتا ہوں اسے برباد کر دیتا ہوں۔ میں جس کو دیکھتا ہوں اسے اندھا کر دیتا ہوں۔ میں جس کو سنتا ہوں اسے بہرا کر دیتا ہوں۔ میں جس کو محسوس کرتا ہوں اسے بے حس کر دیتا ہوں۔ میں جس کو سوچتا ہوں اسے بے وقوف کر دیتا ہوں۔ میں جس کو چاہتا ہوں اسے ناپسندیدہ کر دیتا ہوں۔ میں جس کو ناپسند کرتا ہوں اسے مقبول کر دیتا ہوں۔ میں جس کو مقبول کرتا ہوں اسے ناپسندیدہ کر دیتا ہوں۔ میں جس کو ناپسندیدہ

اہم چیز ہے آج سوچا۔ لیکن طاقور لوگوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے
نے آہستہ سے ساتھ راضی کی ہے۔"

"نہیں طالوت! میں نے بھی سخت لہجے میں کہا۔ "میں نے ایک
بھی بندے کو مستقل نہیں ہے۔ سب نے اپنے اپنے اختیار کیے تھے۔ پولس
والوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ بھی ایسا ہی ہے۔ سب نے اپنا فرض ادا
کیا ہے۔ میری نگاہ میں ان میں سے ایک بھی مجرم نہیں ہے۔ ہم بھی
نے کس کو کیا جواب دیں گے۔"

"واہ، واہ! ڈاکٹر رحمانی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" طالوت نے
تیکھے سے لہجے میں کہا۔

"ڈاکٹر رحمانی کا ذکر بھی میری نگاہوں میں نہیں ہے۔ انہوں نے
جو کچھ کیا تھا اس کی سزا انہیں مل چکی ہے۔ ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا اتفاق ہے میں کیسے کر ڈاکٹر رحمانی
ہو جاتا ہے۔"

"ہوں۔" طالوت مجھے گھورتا رہا۔ پھر بولا۔ "تو اب کیا ارادے ہیں؟"

"تبادلہ خیال سے شروع کیا۔"

"ہاں۔ وہ بات ہوگی کہ ایسے چلے گئے ہیں۔"

"لیکن تم انہیں دھوکہ دینے میں کس طرح کامیاب ہو گئے۔ ظاہر ہے
وہ بھی تمہاری طرح پراسرار قوتوں کے مالک ہوں گے۔"

"یہ ایک چھپرا۔ کیا کیا جتھا کہ تم نے ان سے۔ یوں سمجھ لو کہ
ایک رات مجھے گہرے کے روپ میں ایک دیوی کے مکان پر تعارف ہوا ہے

طالوت نے جھنجھلے ہوئے انداز میں کہا۔ اور میرے حلق سے
ایک زوردار قہقہہ ابل پڑا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کبھی فرصت میں پوری داستان سنا دوں گا
طالوت نے کہا اور میرے حلق سے قہقہے ابل رہے تھے اور طالوت بری طرح
بنائے بیٹھا تھا۔ بہت دن کے بعد یوں کھل کر ہنسا تھا طبیعت کو ایک عجیب
سی فرحت کا احساس ہوا تھا۔ دفعتاً طالوت نے کہا۔

"سنو۔ تمہارے ہاں بھی تو شہنشاہی نظام ہے۔ میرا مطلب ہے
شہنشاہ ٹائپ کے لوگ ہوتے ہیں جن کی حکایات چلتے ہیں۔"

"تھا کبھی۔ اب یہ ختم ہو چکا ہے۔"

"لیکن میں نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

"کہاں۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"پہاڑ کے دامن میں۔ جہاں ہر طرف برف بکھری پڑی ہے۔"

"اوہ۔ تخلیہ تم علاقہ غیر کی آزاد ریاستوں کی طرف نکل گئے تھے۔"

"جو کچھ بھی ہو مجھے وہ خطہ بہت پسند آیا۔ اگر تم ساتھ ہوتے
اور میں ان سنگین حالات سے دوچار نہ ہوتا تو کچھ وقت وہاں گزارنے کا ضرور
لطف اندوز ہوتا۔"

"ہاں۔ تھا تو بہت خوبصورت۔ مگر طالوت نہیں دیکھا کہ وہاں کیا
میں الجھا ہے۔ میں نے کہا۔

"تو پھر کیا خیال ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"چلیں ادھر۔ دلچسپ رہے گی۔" طالوت نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔
انداز میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"میری تباہی مرضی۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "میں نے تم
بھی اس ماحول سے اکتا گیا تھا اور تھوڑی سی تبدیلی چاہتا تھا۔

"تب ٹھیک ہے۔ ہم وہاں چلیں گے۔ لیکن میرے
تم مجھے تھوڑی سی اجازت ضرور دو گے۔ اگر تم نے اس کے لیے
طبیعت پر اضمحلال رہے گا۔"

"کیسی اجازت؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا
لوگوں نے تمہیں تر نوالہ سمجھا تھا۔ میں اُن کے ساتھ تھوڑی سی
ان پر اپنی اہمیت واضح کرنا چاہتا ہوں۔ ہم ڈاکٹر رحمانی سے بھی
اس کا شکریہ ادا کریں گے۔"

"ان باتوں سے اب کوئی فائدہ نہیں ہے طالوت۔"

"ہے۔ تم نہیں سمجھتے۔ پھر تم مجھ سے یہ بات کر رہے ہو
کیا واقعی تم اس سے بحث کرنے لگے ہو۔" طالوت نے مجھے گھور

"بحث۔ اوہ مجھے افسوس ہے۔ اگر میں چاہتا تو اسے بآسانی
حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن پھر وہ بھی میرے لئے ایک عام عورت سے زیادہ نہ ہوتی
لیکن۔ وہ ایک سادہ دل لڑکی ہے۔ میں اسے کوئی ذہنی یا جسمانی تکلیف نہیں
دینا چاہتا۔ بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہیے۔"

"تب پھر۔ تمہارے کہنے کے مطابق آخری وقت میں وہ تمہاری
سچائی پر یقین کر رہی تھی۔ اور اب اس کی نہ جانے کیا حالت ہوگی۔ تم اسے
سمجھا تو سکتے ہو۔"

طالوت کے ان جملوں نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا۔ سچ مچ میرے
دل میں بھی یہ خواہش مچل اٹھی کہ کم از کم نرگس پر ان واقعات کے بعد کا
ردِ عمل تو دیکھوں۔ طالوت میری شکل دیکھ رہا تھا مجھے نرم پاکر بولا۔

"بس۔ اب سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس سے مل
لیں گے۔" اور میں ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اب میں اپنے
حالات پر غور کر رہا تھا۔ کچھ دیر قبل میرے دل میں کتنی مایوسیاں تھیں کیا
اندھیرا تھا۔ اور اب۔ اب۔ میں نے طالوت کو دیکھا۔ وہ کس خیال
میں غرق تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو طالوت؟" میں نے تھوڑی دیر کے بعد پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ صرف چند دلچسپ پروگرام بنا رہا ہوں اب تم دیکھو گے
کیسی کیسی تبدیلیات ہوتی ہیں۔ بیٹھا کرو، پچھلے دنوں میرے لئے بھی سخت کوفت

پھر گزرے باتوں کے علاوہ تم نے بہت عمدہ وقت گزارا ہے۔ کاش مجھے ایسا
کوئی مہربان اور سرپرست مل جائے جو روزانہ نئی نئی لڑکیاں فراہم کرے۔
مجھے تو تمہاری قسمت پر رشک آتا ہے۔"

میں نے اس بات کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاں گزرے ہوئے
لمحات کی تصویریں میرے ذہن میں تیزی سے گردش کرنے لگی تھیں۔ راتوں کو خواب کی
طرح نظر آنے والے چہرے اور دکھتے ہوئے مومی اجسام جو دن کی روشنی میں تحلیل
ہو جاتے تھے۔ دوبارہ نظر نہ آنے کے لیے۔ کیسی انوکھی راتیں تھیں وہ۔
اگر ان کے ساتھ شکیرہ کی شرط نہ ہوتی، اس کا وہ ذلیل رویہ نہ ہوتا تو شاید
ان راتوں کو میں کبھی فراموش نہ کرتا۔ میں سوچ رہا تھا اور طالوت میری
شکل دیکھ رہا تھا۔

پھر میری ذہنی رو طالوت کی طرف بھٹک گئی۔ اس شخص کو اتنا
کارنامے بدلنے پر کس قدر قدرت حاصل ہے۔ وہ نہیں آیا تھا تو میرے
چاروں طرف اندھیرے ہی اندھیرے تھے۔ اور جب وہ آیا تو سب کچھ ایک
بھیانک خواب بن گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی پریشانی قریب سے بھی
نہیں گزری تھی۔ سب کچھ ایک بھیانک خواب تھا۔ اور اب اس خواب
آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور طالوت کی طرف دیکھا اور
وہ مسکرا رہا تھا۔

"اس وقت ظاہر ہے طالوت یاد آیا ہوگا۔" اس نے کہا۔

"نہیں طالوت! میں نے تو تمہیں ہر لمحہ یاد کیا تھا۔ تم میرے
لئے ایک خواب بن گئے تھے۔ مجھے اُمید نہیں تھی کہ تم واپس آؤ گے۔ تم اپنے
بھی تو کیسے حیرت انگیز وقت پر۔ تمہیں میری پریشانی کا اندازہ کیسے ہوا؟"

"سخت پریشانیوں کے باوجود مجھے تمہارا خیال تھا۔ جوں ہی طالوت
درست ہوئے میں وہاں واپس آگیا۔ اور پھر اس شہر میں تمہاری بو سونگھتا کوئی
مشکل کام نہیں تھا۔ میں تمہارے جسم کی خوشبو کے سہارے تم تک پہنچ گیا۔"

"اگر تم تھوڑی دیر اور نہ آتے طالوت۔ تو پھر شاید۔"

اور طالوت کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ چند ساعت وہ غصے سے کھولتا
رہا۔ پھر اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "پھر طالوت اپنی دنیا میں واپس چلا جاتا
لیکن جانے سے پہلے وہ اپنے دوست کی موت کا انتقام ضرور لیتا۔ اور یہ انتقام
کیسا ہوتا۔ اس کے بارے میں اب کچھ کہنا بیکار ہے، جب تک میرا دل ٹھنڈا نہ
ہو جاتا میں انتقام لیتا رہتا۔ بہر حال اب اس ذکر کو جانے دو۔ مجھے غصہ
آتا ہے۔ اور تم ان لوگوں کے خلاف کچھ کرنے کو منع کر چکے ہو۔"

"ہاں۔ اب اس ذکر کو جانے دو۔ یہ گزری باتیں تھیں۔ بھولے
ہوئے افسانے ہیں۔ انہیں ذہن سے نکال دینا ہی بہتر ہے۔" میں نے کہا اور
طالوت خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی ڈاور رحمانی کی خوبصورت
کوٹھی کے سامنے پہنچ گئی! اور ہم دونوں نیچے اتر آئے۔" طالوت نے بل ادا
کیا اور ہم چاروں طرف نظریں ڈالتے ہوئے گیٹ پر پہنچ گئے۔ بظاہر پولیس والوں
کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ گیٹ پر چوکیدار موجود تھا اس نے ہمیں
سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"...صاحب ہو گی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن یہ کون سے مل نہیں سکتے۔ تم کیا ملنا چاہتی ہو؟" چکرانے لگا۔

"اور نرگس بھائی۔"

"وہ بھی تو وہیں ہیں۔ لیکن وہ بھی کسی سے نہیں ملیں گی۔"

"ٹھیک۔ اگر وہ ہم سے نہیں ملیں گی تو ہم انہیں سے مل لیں گے۔" طاقت نے کہا اور آگے بڑھنے لگا۔

"میں اول بکواس آپ لوگ اندر نہیں جا سکتے۔ سپاہی نے بول دیا ہے کوئی بھی ہو۔ وہ نہیں ملیں گے۔ واپس جاؤ۔ راستہ روکنے کی کوشش میں ہوا اور طاقت چونک کر رک گئے۔ پھر اس نے ہونٹ سکوڑ کر بلکہ کے بیٹے پر ہلکی سی مار دی اور اچک کر کسی تتلے کی طرح آگے بڑھ گیا۔ طاقت نے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ طاقت علیا سے چلتا ہوا آگے جا رہا تھا اور چکر کاٹ کاٹ کر کیلے چھانٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ ہر حال چھانٹنے میں دقت کی کوشش نہیں کی۔ اور اطمینان سے اندر داخل ہو گئے۔ طاقت نے ایک گن تلاش کی ہوئی ملازم کو روکا۔ اور اس سے مسترد داؤد رحمانی کے بارے میں پوچھا۔

"صاحب اپنے بیڈ روم میں ہیں۔" ملازم نے کہا اور طاقت شکریہ ادا کر کے آگے چل پڑا۔ چلتے چلتے سیڑھیوں کے پاس رک کر اس نے سیڑھیوں کے بارے میں پوچھا۔

"اوپر کون ہے؟"

"وہ اپنے بیڈ روم میں ہیں۔" ملازم نے کہا اور طاقت شکریہ ادا کر کے آگے چل پڑا۔ چلتے چلتے سیڑھیوں کے بارے میں پوچھا۔

"اوپر کون ہے۔ کیا بات ہے؟"

"میں شبانہ ہوں بی بی! کوئی آپ سے ملنے تو نہیں آیا۔؟"

"بکواس مت کرو۔ بھاگ جاؤ۔" نرگس نے کہا۔ اور پھر خوفزدہ نظروں سے میری شکل دیکھنے لگی۔ قدموں کی آہٹیں دروازے سے دور ہوتی گئیں۔

"کیا پولیس اب بھی یہاں موجود ہے۔؟" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ لیکن کل میری موجودگی میں ہی ڈیڈی کو آپ کے فرار کی اطلاع دی گئی تھی۔"

"اوہ۔ سیٹھ صاحب پر کیا ردعمل ہوا۔؟"

"یقین کریں گے۔؟" نرگس نے مجھے دیکھا۔

"کیوں نہیں۔ تمہاری ہر بات پر مجھے یقین ہے۔"

"ڈیڈی شاید آپ کو گرفتار کرنے کے بعد سکون کا ایک لمحہ بھی نہ گزار سکے۔ وہ سخت پریشان تھے۔ سخت ذہنی کوفت میں مبتلا تھے۔ آپ کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئے۔ پھر انہوں نے مجھے فون کیا اور عجیب سے انداز میں بولے۔ کیا میں نے غلط کیا ہے نرگس۔ کیا میں ایک قاتل کو شہ دینے کا مجرم ہوں۔ کیا بیگناہ انسانوں کی جان کی کوئی قیمت نہ تھی۔ انہوں نے کئی بار مجھے فون کیا اور عجیب الجھی سلجھی باتیں کرتے رہے۔"

"ہوں۔ مجھے داؤد صاحب سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ انہوں نے ٹھیک ہی کیا ہے۔ بہرحال اب ان باتوں کو جانے دو۔ میں سیٹھ داؤد سے بھی مل لوں گا۔ تمہارا دھیان رکھنے سے مجھے اطمینان ہو گیا ہے۔"

"لیکن اب آپ کیا کریں گے۔ پولیس آپ کی تلاش میں ہو گی۔"

نرگس کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ تب اندر سے کسی کی آہٹ سنائی دی۔ ہم نے چونک کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ داؤد رحمانی سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ نرگس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ اس نے ہم دونوں کو دیکھا۔ پھر اس کی نظریں ہم سے ہٹ کر سیڑھیوں کی طرف اٹھ گئیں۔ داؤد رحمانی کا سایہ دیوار پر لہرایا اور پھر داؤد رحمانی کا چہرہ نظر آیا۔ اس کی شکل دیکھتے ہی...

عجیب کیفیت تھی اس کی آنکھوں کی۔ پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔ "کیا۔ کیا تم کوئی معجزہ ہو۔ کیا تم کوئی خواب ہو۔ نرگس! میرا عاطف جمال ہوں۔ ایک حقیقت ہوں۔ ایک..."

"حقیقت۔ اوہ۔ حقیقت۔ عاطف۔ عاطف تم زندہ ہو۔ عاطف تم زندہ ہو۔ بابا کہ وہ وہیں اڑ گئے برسی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ "عاطف تم زندہ ہو۔ بابا کہ پکڑ کر اسے اندر لے گیا۔ میں نے پلٹ کر دروازہ بھی بند کر دیا اور پھر اسے لے کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

اب نرگس جذبات کے بھنور سے نکل آئی تھی۔ وہ سنبھل گئی تھی۔ "آپ۔ آپ۔ عاطف صاحب۔ میں نے اخبارات میں پڑھا تھا۔ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا۔ تو میں خودکشی کر لیتی عاطف صاحب۔ مجھے قیامت تک یہ ملال رہتا کہ ڈیڈی آپ کے اغوا کا ذمہ دار ہیں۔ میں نے کہا۔

"تفصیل آپ کو معلوم ہو گی نرگس۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ اور تفصیل معلوم ہونے کے بعد ہی میں نے ڈیڈی کو معاف کر دیا تھا۔"

"نہیں نرگس صاحبہ۔ آپ کے ڈیڈی قصوروار نہیں ہیں۔ انہوں نے ایک عظیم انسان اور ایک عظیم محب وطن شہری کے فرائض انجام دیئے تھے بہرحال آزادی میں ہی بھلائی ہے۔ میں آپ سے ملنے آتا رہوں گا۔"

"یہ دنیا اتنی ظالم کیوں ہے۔ یہ گلی کوچوں میں کیوں نہیں جھانکتی قانون اندھا کیوں ہے۔ جرم کی وجوہ کیوں نہیں معلوم کی جاتی اس کا تدارک کیوں نہیں کیا جاتا۔ کیا یہ لوگ حق مزدوری دینے والے ہیں۔ پھر خلاف کرنے والے کہاں گئے۔" نرگس نے روہانسے لہجے میں کہا اور میری آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

"چلو۔ کہانی ختم ہو گئی۔ اس نرگس اور اس دل کی بڑی خواہش ہی تھی کہ آپ کی زبان سے یہ الفاظ سنوں۔ میں نے آپ کے لئے کبھی برا نہیں سوچا۔ میں نرگس۔ وہ حقیقت آپ ہی کے لئے میں نے چھپ کا بیڈ اٹھائی ہے۔ آپ سے دل کو بھاگتی تھیں۔ اور دل کی طرف اتنی

توجہ دینا ہے۔ بولے لگی ہیں۔ بھاگ جاؤ۔" نرگس کی آواز سنائی دی۔ تب اندر سے کسی کی آہٹ سنائی دی۔ ہم نے چونک کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ داؤد رحمانی سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ نرگس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ اس نے ہم دونوں کو دیکھا۔ پھر اس کی نظریں ہم سے ہٹ کر سیڑھیوں کی طرف اٹھ گئیں۔ داؤد رحمانی کا سایہ دیوار پر لہرایا اور پھر داؤد رحمانی کا چہرہ نظر آیا۔ اس کی شکل دیکھتے ہی...

عجیب کیفیت تھی اس کی آنکھوں کی۔ پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔ "کیا۔ کیا تم کوئی معجزہ ہو۔ کیا تم کوئی خواب ہو۔ نرگس! میرا عاطف جمال ہوں۔ ایک حقیقت ہوں۔ ایک..."

"حقیقت۔ اوہ۔ حقیقت۔ عاطف۔ عاطف تم زندہ ہو۔ عاطف تم زندہ ہو۔ بابا کہ وہ وہیں اڑ گئے برسی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ "عاطف تم زندہ ہو۔ بابا کہ پکڑ کر اسے اندر لے گیا۔ میں نے پلٹ کر دروازہ بھی بند کر دیا اور پھر اسے لے کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

اب نرگس جذبات کے بھنور سے نکل آئی تھی۔ وہ سنبھل گئی تھی۔ "آپ۔ آپ۔ عاطف صاحب۔ میں نے اخبارات میں پڑھا تھا۔ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا۔ تو میں خودکشی کر لیتی عاطف صاحب۔ مجھے قیامت تک یہ ملال رہتا کہ ڈیڈی آپ کے اغوا کا ذمہ دار ہیں۔ میں نے کہا۔

"تفصیل آپ کو معلوم ہو گی نرگس۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ اور تفصیل معلوم ہونے کے بعد ہی میں نے ڈیڈی کو معاف کر دیا تھا۔"

"نہیں نرگس صاحبہ۔ آپ کے ڈیڈی قصوروار نہیں ہیں۔ انہوں نے ایک عظیم انسان اور ایک عظیم محب وطن شہری کے فرائض انجام دیئے تھے بہرحال آزادی میں ہی بھلائی ہے۔ میں آپ سے ملنے آتا رہوں گا۔"

"یہ دنیا اتنی ظالم کیوں ہے۔ یہ گلی کوچوں میں کیوں نہیں جھانکتی قانون اندھا کیوں ہے۔ جرم کی وجوہ کیوں نہیں معلوم کی جاتی اس کا تدارک کیوں نہیں کیا جاتا۔ کیا یہ لوگ حق مزدوری دینے والے ہیں۔ پھر خلاف کرنے والے کہاں گئے۔" نرگس نے روہانسے لہجے میں کہا اور میری آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

"چلو۔ کہانی ختم ہو گئی۔ اس نرگس اور اس دل کی بڑی خواہش ہی تھی کہ آپ کی زبان سے یہ الفاظ سنوں۔ میں نے آپ کے لئے کبھی برا نہیں سوچا۔ میں نرگس۔ وہ حقیقت آپ ہی کے لئے میں نے چھپ کا بیڈ اٹھائی ہے۔ آپ سے دل کو بھاگتی تھیں۔ اور دل کی طرف اتنی

توجہ دینا ہے۔ بولے لگی ہیں۔ بھاگ جاؤ۔" نرگس کی آواز سنائی دی۔ تب اندر سے کسی کی آہٹ سنائی دی۔ ہم نے چونک کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ داؤد رحمانی سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ نرگس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ اس نے ہم دونوں کو دیکھا۔ پھر اس کی نظریں ہم سے ہٹ کر سیڑھیوں کی طرف اٹھ گئیں۔ داؤد رحمانی کا سایہ دیوار پر لہرایا اور پھر داؤد رحمانی کا چہرہ نظر آیا۔ اس کی شکل دیکھتے ہی...

عجیب کیفیت تھی اس کی آنکھوں کی۔ پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔ "کیا۔ کیا تم کوئی معجزہ ہو۔ کیا تم کوئی خواب ہو۔ نرگس! میرا عاطف جمال ہوں۔ ایک حقیقت ہوں۔ ایک..."

"حقیقت۔ اوہ۔ حقیقت۔ عاطف۔ عاطف تم زندہ ہو۔ عاطف تم زندہ ہو۔ بابا کہ وہ وہیں اڑ گئے برسی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ "عاطف تم زندہ ہو۔ بابا کہ پکڑ کر اسے اندر لے گیا۔ میں نے پلٹ کر دروازہ بھی بند کر دیا اور پھر اسے لے کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

اب نرگس جذبات کے بھنور سے نکل آئی تھی۔ وہ سنبھل گئی تھی۔ "آپ۔ آپ۔ عاطف صاحب۔ میں نے اخبارات میں پڑھا تھا۔ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا۔ تو میں خودکشی کر لیتی عاطف صاحب۔ مجھے قیامت تک یہ ملال رہتا کہ ڈیڈی آپ کے اغوا کا ذمہ دار ہیں۔ میں نے کہا۔

"تفصیل آپ کو معلوم ہو گی نرگس۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ اور تفصیل معلوم ہونے کے بعد ہی میں نے ڈیڈی کو معاف کر دیا تھا۔"

"نہیں نرگس صاحبہ۔ آپ کے ڈیڈی قصوروار نہیں ہیں۔ انہوں نے ایک عظیم انسان اور ایک عظیم محب وطن شہری کے فرائض انجام دیئے تھے بہرحال آزادی میں ہی بھلائی ہے۔ میں آپ سے ملنے آتا رہوں گا۔"

"یہ دنیا اتنی ظالم کیوں ہے۔ یہ گلی کوچوں میں کیوں نہیں جھانکتی قانون اندھا کیوں ہے۔ جرم کی وجوہ کیوں نہیں معلوم کی جاتی اس کا تدارک کیوں نہیں کیا جاتا۔ کیا یہ لوگ حق مزدوری دینے والے ہیں۔ پھر خلاف کرنے والے کہاں گئے۔" نرگس نے روہانسے لہجے میں کہا اور میری آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

"چلو۔ کہانی ختم ہو گئی۔ اس نرگس اور اس دل کی بڑی خواہش ہی تھی کہ آپ کی زبان سے یہ الفاظ سنوں۔ میں نے آپ کے لئے کبھی برا نہیں سوچا۔ میں نرگس۔ وہ حقیقت آپ ہی کے لئے میں نے چھپ کا بیڈ اٹھائی ہے۔ آپ سے دل کو بھاگتی تھیں۔ اور دل کی طرف اتنی

بدلے کو اپنا فرض سمجھتا ہے۔ میں نے کہا تھا نا کہ میرے بھائی کو مرے ہوئے
کئی سال ہو گئے ہیں۔

اس نے کہا۔ "اچھا، تو پھر میں چلتا ہوں۔"

"اگر چاہو تو شریف شہری بننے کا ثبوت دینے کا ایک موقع اور بھی
دے سکتا ہوں۔ میں صرف آپ سے آخری ملاقات کرنے کے لئے حاضر
ہوا تھا۔"

"کیسی ملاقات۔؟"

"بھائی۔ میں نے پہلے کہا تھا۔ مجھے افسوس ہے اور اس لئے
آپ سے ایک اخلاقی سے ملاقات بہت ضروری ہے۔ یہ میری بدقسمتی
ہے کہ میں ایک بدکردار انسان کی شکل سے آپ کے سامنے آیا۔ کاش
ہم اچھے لوگوں کی طرح سے ہی ملاقات کرتے۔ لیکن پھر بھی
کہہ سکتا ہوں کہ آپ سے مل کر مجھے خوشی ہوئی۔"

طالوت کا غصہ مزید بڑھ گیا تھا۔ مجھے افسوس ہے اور اس لئے
آپ سے ملاقات بہت ضروری ہے۔ یہ میری بدقسمتی
ہے کہ میں ایک بدکردار انسان کی شکل سے آپ کے سامنے آیا۔ کاش
ہم اچھے لوگوں کی طرح سے ہی ملاقات کرتے۔ لیکن پھر بھی
کہہ سکتا ہوں کہ آپ سے مل کر مجھے خوشی ہوئی۔"

"بھائی صاحب مزید جانے بھی دیجئے۔ اللہ کا شکر ہے
کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ چلئے اب میں اجازت چاہتا ہوں۔"

"ٹھہرو۔ میں یہ پوچھ رہا تھا۔ مجھے افسوس ہے اور اس لئے
آپ سے ایک اخلاقی

سرسوتی تھیٹر تھا۔ طالوت نے کہا۔

"ہم یونہی بے مقصد گھومتے رہیں گے۔ اس سے بہتر ہے کہ کہیں بیٹھ کر کچھ کھا پی لیا جائے۔ پکچر ہاؤس میں ایک گھنٹہ گزارنے کے بعد ہم کسی ریستوران میں جا کر کھانا کھائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" اسم نے کہا۔ "میں نے ایک گھڑی ساتھ لے کر چلا تھا۔ اس کے ہاتھ لگ کر میں لوگوں سے تھوڑے کو تقریباً کر دوں گا۔"

"میں بہت جوا کھیلا ہوں۔ اب میں تمہیں کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔ لیکن تم کھیلنا چاہتے ہو تو کھیلو۔"

"کیا مطلب؟"

"تم کسی جگہ کی تعریف کر رہے تھے کہ وہاں کا کھانا بہت خوب ہے۔ وہ کہاں ہے؟"

"وہ ہے ہاں پھر۔"

"میرا خیال ہے ہمیں ہوٹل دیوانہ چاہیے۔"

"یا۔۔۔ وہاں تو شاید نہیں ہوا۔ یہاں بھی کچھ اور تعمیر کرنے کی کوشش ہے۔ لیکن تم اگر چاہتے ہو تو یہی سہی۔ تو پھر تیار ہو جاؤ۔"

"ہاں طالوت۔ اس یہاں سے نکل چلنے کو دل چاہ رہا ہے۔ یہاں سے بہت سی تلخ یادیں وابستہ ہیں۔ یہاں رہا تو رنگس سے ملنے کو بھی دل چاہے گا۔ ایک جگہ رہتے ہوئے اور آسانی ہوتے ہوئے اس سے ملاقات نہ کرنا بے مروتی ہے لیکن میں اس معصوم لڑکی کو برباد کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا بہتر مستقبل یہی ہے کہ یہاں سے نکل چلو۔ میں نے آئندہ یہیں کہا کہ طالوں میں نکل کر دیکھنے لگا۔

"تم نے تو مجھے بتایا تھا کہ اس گھر سے ماؤں کی کسی لڑکی سے دل لگانے کی کوشش نہ کروں۔ اور تم خود یہاں آ گئے۔ سنو شرارت! یہ آہیں اور سوگ اپنے نہیں پال سکے گا۔ زندگی کو یونہی طرح دلچسپیوں میں گم کر دو۔ ورنہ بڑا خراب ہو جائے گا۔"

"کچھ دن کی مہلت دے دو طالوت۔ پھیلے دو ماہ میں طرح طرح کے تجربے ہوئے ہیں۔ ان کی آسانی سے فراموشی نہیں ہوں گے۔ بہرحال میں کوشش کروں گا کہ تمہیں شکایت نہ ہو۔"

"وہ تو خیر اس ماحول میں بچی ہے۔ سب سے کہ فوری طور پر یہاں سے نکل چلا جائے۔" طالوت نے کہا اور پھر اپنے دائیں طرف تیغ کر کے بولا۔

"اسم۔۔۔! اور تم ہو جوزف۔۔۔ سب ٹھیک ہے نا۔۔۔؟"

"بالکل جناب۔۔۔!" اسم نے جواب دیا۔

"سفر کی ضرورتوں کا بندوبست کرو۔ تم بہتر سمجھتے ہو کہ ہم کس انداز میں سفر کریں گے۔"

اسم نے گردن جھکا دی۔ دوسرے لمحے وہ اگلی نشست پر تھا۔ ہوگیا۔ دوسرے دن ہم نشستے وغیرہ سے فارغ ہو کر اخبارات دیکھ رہے تھے آئی کے اخبارات میں بھی ہماری بابت بہت سی خبریں تھیں۔ پولیس ہمارے نشان قدم۔۔۔ اس طرح کی سرخیاں تھیں۔ اس لیے ہمیں بہت محتاط ہونا پڑا تھا۔ ہوٹل کے ملازم آ کر ہمارے کمرے صاف کر جاتے تھے۔ ہم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ہمیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ ہم نے کھانا بھی کمرے میں منگوایا تھا۔ ہوٹل کے ملازم نے ہمیں کھانا لگا دیا تھا۔ ہم کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے۔ طالوت نے کہا۔

"چلو بھی۔۔۔ اب ہمیں اپنا سامان کو اب سمیٹ کر دیا جانا چاہیے۔ کیا خیال ہے، روانگی کی تیاریاں کریں۔۔۔؟"

"انتظامات ہو گئے۔۔۔" میں نے پوچھا۔

"اسم نے مجھے یہی اطلاع دی تھی۔"

"کیا پروگرام ہے۔ روانگی کا کیا بندوبست ہوگا۔"

"یہاں سے ہوائی جہاز میں چلیں گے۔۔۔ اور پھر جہاز سے اترنے کے بعد کا انتظامات کر لیں گے۔ اسم نے ٹکٹ وغیرہ کا بندوبست کر لیا ہے۔"

"ٹھیک ہے مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"بس تو پھر جوتے وغیرہ پہن لو۔ ہوٹل کا بل ادا کر دیا جائے۔" ہر سہ روزہ ہماری تبدیل شدہ شکلوں پر حیران حیران سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن ہوٹل میں اتنی معمولی سی تبدیلیوں کی بے کوئی شک نہیں کرتے۔ طالوت نے کہا اور ہم تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم نیچے اترے۔ ہوٹل کا بل وغیرہ ادا کیا اور اس کے بعد ٹیکسی میں بیٹھ کر شہر چل پڑے۔ طالوت چاہتا تو اپنے مخصوص انداز میں بھی سفر کر سکتا تھا۔ لیکن وہ ممکن دلچسپیاں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے ٹرین کا سفر پسند کیا۔ ٹیکسی نے ہمیں اسٹیشن پہنچا دیا۔ اسم ایک عام سے ملازم کی حیثیت سے ہمیں پلیٹ فارم پر مل گیا۔

"سامان وغیرہ کیبن ٹرنٹ میں رکھوا دیا گیا ہے جناب۔ ضرورت کا سامان موجود ہے۔۔۔؟"

"شکریہ اسم۔ ٹکٹ کہاں ہیں۔۔۔؟" طالوت نے پوچھا اور اسم نے ٹرین کے ٹکٹ ہمارے حوالے کر دیئے۔ ٹرین کی روانگی میں تھوڑا وقت باقی تھا۔ اس لیے ہم دونوں کیبن ٹرنٹ کی طرف بڑھ گئے۔

فرسٹ کلاس کے ایگزیکٹو ڈبے میں ہمارے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ خالی ڈبہ دیکھ کر طالوت نے ہونٹ سکوڑ لیے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" اس نے مایوسی سے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"دیکھ نہیں رہے۔ یہاں تو الو بول رہے ہیں۔" طالوت نے جھنجلا کر کہا۔

"ہمارے یہاں کے بہت کم لوگ فرسٹ کلاس میں سفر کرتے ہیں اور پھر یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ ہم تنہا ہیں۔ آزادی سے گپ شپ لگائیں گے۔"

"لو جب۔ پھر وہی لغو باتیں۔ میں تمہاری دنیا کی گمبھیر باتیں نہیں سننا چاہتا ہوں اور تم تنہائی پسند کرتے ہو۔" طالوت نے بڑبڑا کر کہا۔ لیکن اس وقت کپاڈوکیا کا وارنٹ گھما۔ اور ایک سیاہ سوٹ کیس ہوا میں لہرا گیا۔ اس کے پیچھے تالیوں کی پوری فوج چڑھ آئی۔ آدھ درجن نوجوان

لڑکیاں بھی تھیں۔ دوسری پیزیں اندر آئیں۔ طالوت نے چونک کر ہمیں دیکھا۔ پھر پلیٹ فارم کی سفید باوردی والی ایک لڑکی پر نظر پڑی جو ہمارے ڈبے کی طرف ہی آ رہی تھی۔ طالوت نے برا سا منہ بنا کر آنکھیں بند کر لیں۔ لڑکی نے ہمارے ڈبے کے دروازے پر دستک دی۔ طالوت نے آنکھیں بند کیے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"اندر آ جاؤ۔" طالوت آنکھیں بند کیے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"کیوں۔ کیوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بے تو کیا یہاں بیٹھو گے۔۔۔ لعنت ہے ان ٹرینوں پر۔" طالوت نے آنکھیں کھول دیں۔ لڑکی کے پیچھے ایک لڑکیوں کا غول نظر آیا اور وہ لڑکیاں ہنستی ہوئی ڈبے میں گھس گئیں۔ جدید طرز کے پتلے پاجامے پر لمبا کوٹ پہنے ہوئے تھیں۔ سر پر اسکارف بندھے ہوئے تھے۔ ہاتھوں میں بڑے بڑے پرس تھے۔ ان کے پیچھے ایک دبلی پتلی لڑکی اندر داخل ہوئی۔ سادہ سا سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔ اس کی آنکھیں بھی بے پناہ خوفناک تھیں۔ اس کے چہرے پر بھی ایک محدود سی دہشت تھی۔ اضطراری انداز میں اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر بھی ایک محدود سی دہشت تھی۔ اضطراری انداز میں اندر داخل ہوئی۔ سادہ سا سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔ اس کی آنکھیں بھی بے پناہ خوفناک تھیں

گرچہ بیٹے رہے تھیں۔

"اچھا ہے۔ بیٹھا رہے۔ تجھے تو بہت دن سے کہہ رہا ہوں کہ کپڑے بدل لے۔ مگر تجھے تو اپنے کام سے فرصت ہی نہیں۔" طالوت نے اپنے کپڑوں سے خلل ڈالنے والی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے بڑی عورت کو گھورتے ہوئے کہا۔

"خالہ جان یہ چاند سے زیادہ خوبصورت کیوں تھیں؟"

"اے ستیاناس جائے اس مردار کا۔ دیکھو میاں سے شکایت کروں گی۔ طالوت نے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجئے گا آپ لوگ۔ جلدی بے وقوفی کر۔ دراصل ہم نے یہ کپڑے تبدیل کرنے کے لئے کہا۔ لیکن خادم کی خلل سے ایسا کچھ ہو سکا۔ یہ کپڑے بے کار نہیں ہوئے ہیں۔"

"اب اس جنم کو کیا اٹھ گیا ہے۔ طالوت نے تنگ کر کہا۔

"اے ہے۔ کیا بک رہا ہے جلدی۔ تیرا کچھ بھلا ہو۔ تم قسم بڑے لوگوں کے دماغ ہے کہ ذرا سی بات پر ہی تنگ ہو جاتے ہیں۔" بڑی بی آنکھیں نکال کر بولیں۔

"بولو۔ خاموش نہیں رہ سکتیں تم۔" لڑکی سخت لہجے میں بولی

"اے تو سے کچھ نہیں کہوں گی بیٹا۔ مجھے تم کہہ رہا ہے۔"

بڑی بی نے استعجاب کیا۔

"شادی ہوئی ہے ان کی۔" طالوت نے پھر پوچھا۔ شاید بڑی بی کی طرف ہی تھا۔ لڑکیاں بے ساختہ ہنس پڑیں۔ لیکن بڑی بی کے تیور بدل گئے۔

"اے شادی ہوتے ہوتے ہوتوں گی۔ دیکھ لو بیٹا۔ منع کر دو اس کو۔ بے ادب بھی۔"

"چپ رہو بھی۔ بڑا سوال کیجئے ہوا۔ شاید آپ کے ہاں شادی بیاہ نہیں ہوتے؟" طالوت بھی اب بڑی بی سے بے تکلفی سے لطف لینے لگا تھا۔ مجھے بھی بڑی بی کے غصے سے بڑی تھی۔ اور لڑکیاں بھی ہنس رہی تھیں۔

"اے میں کہتی ہوں تو زبان بند کرے گا یا نہیں۔" بڑی بی غصے سے کانپنے لگی تھیں۔ لیکن اسی وقت ثریہ کو ایک جھٹکا لگا اور بڑی بی لڑکیوں پر گر پڑیں۔ ثریہ بل کھا رہی تھی۔ لڑکیاں خود سے بڑی بی کو سنبھال رہی تھیں۔

"تو یہ ہو بولا۔ تم نے تو میرے خیالوں کی دھجیاں اڑا دیں۔" خوبصورت لڑکی نے ناک سکوڑتے ہوئے کہا۔

"اے ستیاناس جلے ان بلی والوں کا۔ ایسا جھٹکا دیکر چلاتے ہیں۔ اور پھر کمبختوں نے اور دماغ خراب کر دیا ہے۔" بڑی بی اٹھتے ہوئے بولیں۔ اور لڑکیوں نے بازو پکڑ کر انھیں بیٹھا دیا۔

"زور سے تو نہیں لگ گئی بیٹا۔" بڑی بی خوبصورت لڑکی کی پنڈلیوں کی طرف ہاتھ بڑھاتی ہوئی بولیں اور لڑکی نے ہلکی سی چیخ کے ساتھ پنڈلیاں

سکوڑ لیں۔

"ٹھیک ہوں۔ ٹھیک ہوں بابا۔" وہ جھلا کر بولی اور بڑی بی کی پشت سے لگ گئیں۔ خوبصورت لڑکی کی ساتھی لڑکیاں ہنسنے آنی لگا تھا۔ ہم دونوں کو دیکھنے لگیں۔ طالوت اب خاموش ہو گیا تھا۔ میں بھی لڑکیوں کی طرف سے بے توجہ ہو گیا تھا۔ اور وہ لڑکی بہت حسین تھی۔ لیکن اب میں لڑکیوں سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ رہی تھی۔ اور خاص طور سے کسی شریف لڑکی سے۔ ظاہر ہے ذہن ابھی اتنی تربیت یافتہ تھی کہ شریف اور معصوم لڑکیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ نہیں بنا سکتا تھا۔ رہی عشق و محبت کی بات' سو وہ بھی میری زندگی بار بار دغا دے چکی تھی' جس وقت کوئی پاکبازی آ جاتی۔ راکھ ہو جاتی۔ پھر ان باتوں کا کیا فائدہ۔ چنانچہ میں نے اس سیمیں لڑکی کی طرف توجہ نہیں دی۔ طالوت البتہ بہت خوش تھا۔ بڑی بی نے ہم لوگوں سے کافی بکواس کی تھی' اور طالوت بھی ان سے مسلسل چھیڑ چھاڑ کرتا رہا تھا۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو طالوت بڑی بی کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیتا لیکن وہ بھی شاید تفریح کے موڈ میں تھا۔

"خادم۔" تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجھے مخاطب کیا۔

"ہوں۔" میں چونک پڑا۔

"کیا خیال ہے۔ کیا مطلب ہے ان لوگوں کے بارے میں؟"

"میں نہیں سمجھا۔" میں نے تعجب سے کہا۔

"یار۔ لڑکی واقعی حسین ہے۔ میں کچھ وقت برباد کرنے کے موڈ میں ہوں۔" طالوت نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"خرد کرو۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"زندہ باد۔ میں سمجھا تھا کہ تم مجھے اخلاقیات پر کوئی لیکچر پلا کر شرمندہ کرو گے۔ لیکن اس اجازت سے طبیعت خوش ہو گئی۔ لیکن شاید یہ بات تم بھی ان معاملات میں پوری پوری دلچسپی لو گے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" میں نے ذہن بیداری جمود کو توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ اس سوگواری سے کیا فائدہ۔ نہ جانے کیوں میں بھی تک خود کو حالات میں ضم نہیں کر سکا تھا۔ چور تھا۔ ڈاکو تھا۔ مفرور تھا۔ نہ جانے کیا تھا۔ لیکن ابھی تک خود کو شریف انسان سمجھنے پر تلا ہوا تھا۔ کیا یہ خود فریبی نہیں تھی۔ اور اس اداکاری سے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ دنیا کے ایک بھی انسان کو اپنی نیک طینت کا یقین نہیں دلا سکتا تھا۔ چنانچہ بلاوجہ زندگی خراب کر رہا تھا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ زندگی میں جو بھی دلچسپی لی جائے' اور اگر حالات ساتھ نہ دے سکیں تو پھر ہنستے ہنستے سیانائیڈ کی گولی کھا لی جائے۔ اس طرح میں نے خود کو تسلی دی۔ اور پھر پھر طالوت کے قہقہوں میں دلچسپی لینے لگا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے فی الحال ہم اسی کے ساتھ رہیں گے۔ ویسے اس بیہودہ بڑھیا کے بارے میں تم نے کیا سوچا۔ میں اسے سزا دینا چاہتا ہوں۔"

بلاوجہ ستانے کی سوچی۔ اور لڑکی کو اشارہ کیا۔

"بیٹھ کر آپ ہی لوگ مجرا کریں۔ بہت بے تکلفانہ کہا۔ میں ان کی بدتمیزی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔"

"اے ہے۔ بڑی میاں میں نے کہا کہ ہے۔ مرد مرد ہے۔ عورت عورت ہے۔ میں یہاں کوٹھے کی طوائف نہیں ہوں۔"

"یہ ہوئی نہ بات۔ اب آپ کہہ رہی ہیں کہ یہاں کوٹھے کی طوائف ناچتی ہیں۔" طالوت نے بڑی بی کو چھیڑا۔ اور بڑی بی اس تیکھی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ وہ ہم دونوں کو اس انداز میں گھور رہی تھیں۔ جیسے کچا چبا جائیں گی۔

"آپ لوگ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔" طالوت نے پوچھا اور بڑی بی اپنی بے عزتی سے بے حال ہو گئیں۔ لڑکیاں کن انکھیوں سے ہمیں دیکھ رہی تھیں۔ پھر خوبصورت لڑکی نے ٹھنک کر کہا۔

"آپ کو کہاں تشریف لے جانا ہے۔" طالوت نے پوچھا اور لڑکی نے

دروازہ کھلنے، سلاخوں سے ٹکرانے کا۔ اس کے جواب میں کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ دروازہ بند ہونے کی آواز بھی سنائی دی۔ پھر کھلنے کی آواز آئی۔ پھر بند ہونے کی آواز آئ

ہے۔ بیٹھ جائیے۔ میں ابھی آتا ہوں۔" وہ کہہ کر اندر چلا گیا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے فقیروں کا ہم پلہ بننے کی۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم نے بھی تو ہمارا بھیس بدلا ہوا ہے۔" طاقت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھئی یہ بھیس تو جان بچانے کے لیے بدلا ہے۔ ویسے عام طور پر میں فقیروں کا بھیس بدلنا پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ بھیس بدلنے کے بعد بھی پہچانا جاتا ہوں۔ اس دوران لڑکیاں مجھے کافی دیر تک گھورتی رہیں۔ پھر ایک لڑکی نے کھانا بھی ایک ساتھ کھایا۔ طاقت نے مجھے اپنا بھائی بتایا تھا۔ اور میرا سلام بتایا۔ اس نے مجھے اپنا بھائی بتایا تھا۔

جب جلالی آباد قریب آگیا تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ سفر طویل عرصہ تک یاد رہے گا۔ کاظم صاحب۔ خاص طور پر اس سال ہم آپ کے شکر گزار رہیں۔"

"کیا جلالی آباد میں آپ کے خانات نہیں ہوں گے جی میں سمجھا۔" طاقت نے پوچھا۔

"میرے خانات ہوتے تو شرمندہ ہوں طاقت صاحب۔ میرا خاندان انتہائی قلاعت پسند ہے۔ میرے والد اور والدہ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ والد صاحب جنہیں سے ملنا پسند کریں گے۔ خاص طور سے کم حیثیت لوگوں سے۔ ان خاندان کی ایک جھلک آپ جلالی میں دیکھ چکے ہیں۔ ویسے مگر میں کہہ کر سب برا بھلا سنیں گے۔ اندلے میں محبت خواہ ہوں۔"

"وہ۔ لیکن ہم آپ کے گھر ضرور جائیں گے۔ مسز میں۔ اور کچھ بھی ہو برا کا بشتر نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہوا اس وقت تک والد صاحب کو آپ کے متعلق کافی بھر چکی ہوں گی۔ میری درخواست ہے کہ جلالی آباد میں آپ گھر گھر تلاش کریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والد صاحب نا ملیں ہو کر آپ کو تلاش کریں۔"

"ہم ایک بار ضرور آئیں گے مسز میں۔" طاقت نے کہا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ "کیا آپ ہمیں جلالی آباد میں اپنا پتہ نہیں بتائیں گی۔؟"

"نواب جلال الدین کے بارے میں کسی سے بھی پوچھ لیں۔"

"تو۔ تو کیا۔؟"

"وہاں۔ جلالی آباد میں ہماری جاگیر ہے۔" میں نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ اور طاقت گردن گھمانے لگا۔ میں بھی تعجب سے آنکھیں پھاڑ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹرین جلالی آباد کے ریلوے اسٹیشن پر رک گئی۔ اور باوردی ملازموں کی پوری فوج ان کے استقبال کے سامنے آگئی۔ میں ہم لوگ تھے۔

ہمیں کو شاندار استقبال کیا گیا۔ ملازم سامان اٹھانے لگے۔ ہم بھی نیچے اتر گئے۔ ہم لوگوں کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔ طاقت اور میں خاموشی سے یہ نظارہ دیکھتے رہے۔ پھر طاقت نے ایک گہری سانس لی اور میرا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "آؤ۔ ذرا میں بھی دیکھوں کہ نواب جلال الدین کیا حیثیت رکھتے ہیں۔" اور میں گھبرائی ہوئی نگاہوں سے طاقت کو دیکھنے لگا۔

میرا ہاتھ پکڑے ہوئے کیا وہ ٹرین کے دروازے سے نیچے اتر گیا۔ لیکن یہاں کوئی ہمیں کو ریسیو کرنے والے اسٹیشن کی طرف توجہ نہیں دے رہے تھے۔ ان لوگوں کی شان دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ بڑے بڑے تاجر بھی ان کے سامنے ادب سے کھڑے تھے۔ ہمارا سامان بھی جوں کا توں پڑا رہا۔ ہم دونوں کو ایک شاندار بگھی میں بٹھایا گیا۔ اور بگھی چل پڑی۔ طاقت نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ بہت سے بازار اس کی بگھی کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ نوجوان بار بار سلامی دے رہے تھے۔ ٹریفک میں بھی ہمیں کوئی نہیں روکا گیا۔ ہمیں کو ہر جگہ شان و شوکت سے بٹھایا گیا۔ طاقت نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ بہت سے بازار اس کی بگھی کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ نوجوان بار بار سلامی دے رہے تھے۔ ٹریفک میں بھی ہمیں کوئی نہیں روکا گیا۔ ہمیں کو ہر جگہ شان و شوکت سے بٹھایا گیا۔

کمال کا ایک قلعہ تھا۔ ایک قدیمی دور کا بنا ہوا قلعہ۔ کھڑکیوں اور دیواروں پر توپیں پڑی ہوئی تھیں۔ بگھی قلعہ میں بھی بے روک ٹوک داخل ہو گئی۔ اور ہم قلعہ کے اندر چلے گئے۔ اور ایک عظیم الشان قافلہ میں پہنچ گئے۔ ہم دونوں کو اتار دیا گیا۔ اور بگھی قلعہ کے اندر لے جانے لگی۔ ہم دونوں کھڑے ہوئے کی شکل دیکھنے لگے۔

"یہاں بلا بھیجا گئے طاقت۔ ہمیں تو آگے چلنا تھا۔"

"ہاں۔ یہ شکر واقعی پھنس گئی ہے۔" طاقت نے پھیکا سا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب۔؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب۔ میرا مطلب ہے وقتی طور پر۔ ہم بہر حال اس سے حق کی اجازت لے چکے ہیں۔ ضرور واپس کریں گے اور اگر کچھ دیر یہاں رہنا پڑا تو۔ پھر یوں بھی ہمیں کوئی خاص منزل پہنچنا ہے۔ یہاں تفریح کے دو تین دن گزار لیں گے اور ہمارے شکار بھی تھک جائیں گے۔"

میں نے ایک گہری سانس لی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کیا تم اس سے متاثر نہیں ہوئے۔؟"

"تم ہو چکے تھے اس لئے ایسی گنجائش نہیں تھی۔ ویسے اس قسم کی لڑکیاں دھکے کھا کر بھی کیا سکتی ہیں۔ ہم ان معصوم لڑکیوں سے دھوکہ بھی تو نہیں کر سکتے اور نہ ہی انہیں اپنا سکتے ہیں۔"

"یہ تو بہت بے حسانہ۔ کہہ رہے ہیں آپ۔" میں نے اپنے طاقت کی لڑکیاں بڑی آغوش میں آنے کے لئے بے چین تھیں۔ لیکن پھر اسے کوئی رغبت نہیں تھی۔ تمہارے یہاں کی لڑکیاں اتنی پرکشش کیوں ہیں۔؟"

"اللہ جانے۔ بہر حال یہ یہاں کیوں کھڑے ہو آگے بڑھو۔!"

"ہاں آگے بڑھو۔ آؤ۔ میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ یہاں کیا حیثیت اختیار کی جائے۔ میرا خیال ہے کہ ان نواب جلال الدین سے ضرور ملنا پڑے گا۔ تم نے ان کے متعلق کیا کہا تھا۔؟"

"کون سے الفاظ۔؟"

"کہ کسی کو ان کے متعلق معلوم نہیں کرنا چاہئے۔ ہمارے کہنے کے مطابق ان کی کیا حیثیت ہے۔؟"

"مجھے کیا پتہ کہ کیا حیثیت ہے۔؟" میں نے کہا۔

"مجھے کیا پتہ۔ ۔ ۔ اور ہم تم سب حیرت سے طاقت کی طرف دیکھنے لگے۔ طاقت کی زبان سے کبھی ایسے الفاظ نہیں سنے تھے۔ تعلقات کی دنیا میں آنے کے بعد ہی ہم نے یہ الفاظ سنے تھے۔ اب یہ نئی دنیا ہے۔ یہاں کے اصولوں سے واقف ہو۔ مجھے مشورہ دو کہ کیا کیا جائے۔ کیونکہ تم کو ہی۔"

"کیا مطلب۔۔۔ ہمارا مشورہ کوئی کہاں ہے۔ ۔ ۔ یہ تو ہمیں نہیں آتا ہوں۔ لیکن یہ حیثیت ہمیں ہے۔ ہم اس کا فائدہ اٹھائیں گے اور ہمیں ہے۔ ہم دونوں کی کارکردگی کی تعریف میں مصروف ہو گئے۔"

"ہوں۔" طاقت نے مسکراتے ہوئے کہا اور سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ "ہاں اب بتاؤ۔ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔؟"

"فی الحال تو کسی جگہ کا بندوبست۔"

"ہوں۔" طاقت نے سر ہلا دیا۔

"تلاش کرنا پڑے گا۔ میں پہلے کسی جگہ نہیں آیا۔" میں نے کہا اور پھر ہم نے اتفاق کے شانے سے ایک گھر دیکھتے ہوئے ٹانگے کو روکا اور اس میں بیٹھ گئے۔

"یہ شہر کے سب سے اچھے ہوٹل لے چلو۔" میں نے کہا اور ٹانگے والے نے گردن ہلا دی۔ جلالی آباد کسی اسٹیٹ سے کم نہیں تھا۔ خوبصورت عمارتیں۔ بازار کی دکانوں کی لائٹیں بھی نظر آئیں۔ کچھ ہی دیر کے بعد ہم ایک ہوٹل کے سامنے اس نے نہیں آتا۔ اس کا نام "ارم" تھا۔ درحقیقت اپنے ہوٹل کے لحاظ سے ارم ہی تھا۔ سیر حاصل عمارت میں بنا ہوا خوبصورت باغیچہ۔ بہت دور سے ایک چشمہ بہتا ہوا نظر آتا تھا۔ ایک سرد سی کیفیت محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے ان کا کوئی اور جگہ اپنے کا ہی۔ ہم نے ٹانگے والے کو پیسے دیئے۔ اور پھر ہم دونوں ایک کمرہ لے کر مسہری پر جا بیٹھے۔

ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے کافی طلب کی۔ آبشار کی سمت کی کھڑکی کو کھول کر ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ "بلاشبہ خوبصورت جگہ ہے۔ لیکن یہاں کے لوگ بھی زیادہ خوبصورت ہیں۔"

"ہمیں۔ ہاں۔ کافی خوبصورت لوگ ہیں۔ بہر حال ان کے متعلق کچھ نہ کچھ ہمیں سب سے پہلے نواب جلال الدین کے بارے میں معلومات حاصل

کیا ہوگی۔"

"اگر تم کی معلومات" طاقت نے پوچھا

"دیکھو طاقت تمہیں یہاں تک پہنچنا ہے۔ نواب جلال الدین سے کچھ نہ کچھ کام نکلنا ہوگا۔ اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرنا کوئی کھلا کام نہیں ہے۔ کسی قسم کے لوگوں سے ملنا پڑتا ہے۔ اکیلے بغیر اس سے جانا ہے۔"

"خوب۔ جناب عالی ہے۔ میں تم سے متفق ہوں۔ لیکن اس کے لئے ہمیں کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم کہو کام آسانی سے ہو جائے گا۔"

"اوہ۔ کیا وہ یہ کام نہیں کر سکتا؟"

"اسے وہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ واسم۔" طاقت نے آواز دی اور واسم حاضر ہو گیا

"آقا۔!"

"دیکھو۔ نواب جلال الدین کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنا کیا کوئی بڑی بات ہے۔ کوئی کونسی چیزیں ہے متعلق رکھتا ہے اور اس سے ملاقات کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔"

"جو حکم آقا۔"

"بس جاؤ۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے۔" طاقت نے ایک بار پھر واسم نے گردن جھکائی اور نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں خاموش بیٹھا تھا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا۔

"اتنے بڑے شہر کو تباہ کرنا ممکن کہاں سے ہے۔؟"

"میری تلاش مسلسل جاری ہے۔ اب مضبوط ہو رہے ہیں اس لئے بھیجنا پڑیں گے۔ ان کے ہمراہ ایک قریہ قریہ بھیجے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ہر جلال یہ خیال ہے کہ میں ان لوگوں کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا ہوں اب کوئی اس طرف کا رخ نہیں کرے گا۔"

"کیوں۔" میں نے پوچھا۔

"ابھی یقین ہو گیا ہے کہ میں یہاں نہیں ہوں۔ اس کے لئے میں نے ایک خاص تکنیک استعمال کی تھی۔"

"وہ کیا۔"

"بتا تو چکا ہوں یار۔ ایک رات ایک گدھے کے ساتھ گھوڑے سے بڑھا رہا ہوں۔ کئی راتیں مختلف پرندوں کی شکل میں گزاری ہیں۔ دراصل میں نے انسانوں کا روپ ہی نہیں دھارا۔ ورنہ وہ لوگ مجھے ضرور تلاش کر لیتے۔ جانوروں کی طرف انھوں نے توجہ ہی نہیں دی۔ اسی لئے جانور ہمیں سے بچے رہتے ہیں۔"

"اوہ۔ تو تم یہ قوت بھی رکھتے ہو۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ کیا خیال ہے گھوڑوں کی سیر کریں؟" طاقت نے پوچھا۔

"جیسی مرضی۔ ویسے ابھی رونق کا وقت نہیں ہوا ہے۔" ہم

اٹھ گئے۔ میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ طاقت بھی کھڑا ہو گیا۔ ہم کمرے سے نکل آئے۔ ہمارے سوا وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ مجھے کچھ لوگوں کے تھے۔ ہم بھی نیچے ڈانگ ہال میں آ گئے۔ لیکن وہاں بھی آباد نہیں تھا۔ طاقت نے اس کی ویرانی دیکھ کر ہونٹ سکوڑ لئے اور پھر کہتے ہوئے بولا۔

"نہیں چلے گا۔ آؤ۔" اور ہم ڈانگ ہال سے بھی نکل آئے۔ ہوٹل سے زیادہ اسٹرکچر میں بارونق تھیں۔ ہم فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہے۔ طاقت چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم نے جن طاقتوں کا ذکر کیا تھا وہ کون تھے؟"

"بہت راستہ بتاتے ہے۔ پہاڑوں کے اس طرف۔ شاید آگے طاقتور کہلاتا ہے۔ میں نے صرف ایک ریاست دیکھی۔ زنگاذ نام تھا۔"

"اوہ۔ تو تم زنگاذ جا چکے تھے۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔ کیوں۔ تمہیں حیرت کیوں ہوئی۔؟"

"زنگاذ ایک بڑی ریاست ہے۔ انتہائی طاقتور۔ خاص بات یہ ہے کہ وہ لوگ بیرونی دنیا کے کسی انسان کو قدر نہیں داخل ہونے دیتے۔ سخت نفرت کرتے ہیں باہر کے لوگوں سے۔ بیرونی دنیا کے لوگوں کا ان کا ابلاغ ضرور رہتا ہے لیکن ان کے لئے انھوں نے ایک علیحدہ جگہ جلال پور کی ریاست سے دور ہے۔ بس۔ وہ حد ہے۔ اس سے آگے شاید کبھی کوئی بیرونی انسان نہیں گیا۔"

"میں گیا ہوں۔ لیکن وہ خواب کے ذریعے۔ بدن کی شکل میں کیا وہاں ہے وہاں کا۔ کیسی ہے وہ پر اسرار ہستی۔"

"بس عام انسانوں جیسی۔ بے تباہ ہوں کہ میں اپنی الجھن گنوا رہا تھا۔ کسی چیز کے تجزیے کا موقع نہیں مل سکا۔ ہاں وہ طاقت مجھے دلکش معلوم ہوئے تھے اس لئے میں نے تم سے ان کا تذکرہ کیا تھا۔"

"بہر حال تمہارا وہاں داخلہ مشکل نہیں ہوگا۔ لیکن میں۔"

"اوہ طاقت اور تم الگ الگ۔ تو نہیں ہو۔ جس طرح طاقت وہاں داخل ہو گا اسی طرح تم۔" طاقت نے کہا اور پھر ہائیں سمت دیکھنے لگا جہاں واسم کھڑا تھا۔

"کام ہو گیا واسم۔؟"

"آقا۔" واسم نے جواب دیا۔

"خوب۔ کیا پوزیشن ہے۔؟"

"ایک مضبوط اور خود مختار ریاست ہے۔ کم حیثیت لوگوں کے لئے سخت ہے۔ اپنے برابر کے لوگوں سے ملتا ہے۔ اس کی کوشش ہے وہ شاندار ہے۔ آپ کے کام کی بات ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ بس کا جنونی ہے۔ دیو کی جنگ بس کا شوقین ہے۔ اس کا اپنا اصطبل ہے جہاں بس میں دوڑنے والے بیس گھوڑے پلتے ہیں۔ ہفتے میں دو بار ایسا ہوتا ہے جس میں ملک بھر کے بڑے بڑے لوگ شرکت کرتے ہیں اکثر

بڑے انعامات ہوتے ہیں۔ لیکن لگتا ہے کہ کسی نہیں جلال الدین کے گھوڑے ہیں اسے۔ وہاں بھی گئے ہیں بہت کرتے ہیں۔ نواب جلال الدین اس پر بہت ناراض ہوتا ہے۔ وہ اپنے گھوڑے اس سے آگے نکلنے نہیں دیتا۔ یا دوسروں کی برتری سے اشتعال میں آ کر گھوڑے کو مار ڈالتا ہے۔ اس کے گھوڑے بے مثال ہیں۔ ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ ہر بار نواب جلال الدین ہی جیتتا ہے۔ ہر بار اس کے گھوڑے ہی جیتتے ہیں

کے چاروں طرف جمع ہو گئے تھے اور پھر اس ماجرا کو دیکھ کر لوگ اور بھی جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ سڑک بالکل بند ہو گئی تھی۔

کارواں قریب پہنچ گیا اور قریب کے سائے رک گئے۔ اور وہی پوش محافظوں نے بڑھ کر سلامی دی تھی۔ لوگوں کا ہجوم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ طاقت کا رعب اتنا اور اس کے ساتھ تھا۔

"بڑا زبردست انتظام ہوا ہے طاقت۔" میں نے متاثر ہو کر اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"بالکل۔ اس نواب کے بچے کو روپ کے لئے تو خود بھی

"لیکن اس کا ہم یہ کیے کریں گے؟"

"اس کا ہم بہت اچھا سمجھتا ہے۔" طاقت نے اشارے سے بات کرنے سے منع کر دیا۔ "ہم اس کے انتظامات اس کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اگر ہم اس کے پاس تو ہاتھوں رات یہاں ایک ہنگامہ مچ تو جاتا لیکن ایسے حل کو دیکھ کر لوگ بدحواس ہو جاتے۔ اس لئے اس نے احتیاط سے کام لیا ہے۔"

"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔ طاقت ٹھیک ہی کہتا ہے۔ پھر طاقت نے میرے ساتھ چل کر گھوڑے دیکھے۔ گھوڑے تھے! دیکھ کر روح خوش ہو جاتی تھی۔ بلند بالا قد، چیتوں کی سی کمر، صاف شفاف! مگر۔ اس میں حیرت کی کیا بات تھی؟

جیت تو اس وقت بھی نہیں ہوئی جب نواب جلال الدین کے ایک ملازم نے آ کر جلال الدین کا پیغام سنایا۔ پیغام کیا تھا، طاقت تک پہنچا تھا۔ طاقت مجھے کے نہ دنی تھے پر بیٹھا ہوا تھا۔ سفید رنگ کا اغاثہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ اسے کھول کر پڑھ رہا تھا۔

"محترم۔ آپ سے تعارف کا متمنی ہوں
کیا آپ رات کا کھانا نواب جلال الدین کے
ساتھ کھانا پسند کریں گے۔ براہ کرم ملازم کو
جواب سے دیں۔"

طاقت نے پرچہ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے پڑھ کر کہا۔ "سانولی کیا خیال ہے؟" طاقت نے پوچھا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تم کہو کہ تم نہ آ سکو گے۔ سفر کی تھکان ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔" اس نے کہا کہ اپنے آپ کو۔ پوری جاگیر کو میں خرید لوں گا۔" طاقت نے کہا اور پھر اپنے آدمی سے بولی کہ وہ نواب صاحب سے معذرت کر لیں جائے۔ آج ملاقات نہیں ہو سکتی۔" اور سنو۔" طاقت نے اپنے آدمی سے کہا۔ "اگر نواب صاحب خود بھی آئے تو اسے واپس کر دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ ہز ہائنس آج آرام کریں گے۔"

"جو حکم آقا۔" ملازم نے جواب دیا۔ اور طاقت کچھ اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"چلتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"جھگڑنے لگا۔ جو کام میں کہہ چکا ہوں اس سے ہٹ نہیں چلتا ہوں۔" طاقت نے جواب دیا۔

بات ہو گئی۔ لیکن نواب جلال الدین نہیں آیا۔ وہ بھی کیسے آتا۔ نواب تھا۔ بجائے طاقت کے انکار سے اس کی کیا کیفیت ہوئی ہو۔ بہر حال طاقت نے ہو کچھ کیا تھا وہ اتنا ہی ضروری تھا کہ نواب جلال الدین کو خوش کے باوجود اس سے اجتناب نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال دوسرے دن شکار سے فارغ ہونے کے بعد ریس کورس کی تیاریاں ہونے لگیں۔ گو کہ ریس کورس تھیں۔ ریس کورس سے ملحق پہاڑی پر نواب صاحب کا خیمہ نصب تھا۔ طاقت کو کسی پہاڑی پر تو جگہ نہیں ملی تھی لیکن نیچے اس کا خیمہ بھی بہت شاندار تھا۔ دوست لوگوں نے بھی جیسے لگائے تھے لیکن وہ معمولی قسم کے تھے۔ پہاڑی پر نواب جلال الدین کے گھوڑے نظر آ رہے تھے، جنہیں سبز لباس والے ملازم نہلا رہے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اور طاقت بھی اپنے خیمے سے نکلے۔ ہماری کار خیمے کے سامنے رک گئی اور پھر تیز جاگی ہمارے تینوں گھوڑے لے کر آ گئے۔ بلکہ چھلکے جاگی بھی طاقت کے آدمی تھے۔ میں نے گھوڑوں کی قیمت کے بارے میں سوچنا چاہا لیکن کچھ نہ سوچ سکا۔ ان گھوڑوں کی ریس میں شریک تھے۔ جلال الدین کے گھوڑوں سے کون جیت سکتا تھا۔ اگر جاگی خود ترکیب پر دوڑنا شروع کریں تو شاید ریس میں موجود کوئی گھوڑا انہیں نہ پکڑ سکے۔!

ویسے وہاں تھے بڑے شاندار گھوڑے۔ نواب جلال کے گھوڑے بھی شان میں بے مثال تھے۔ تندرست توانا اور خوبصورت۔ ایک آدمی گھوڑی کا رسہ تھامے گھوم رہا تھا جو ریس کے قانون کے مطابق تھی۔ عجیب گورکھ دھندا تھا۔ اور یہ سب اس شخص کی وجہ سے تھا جس کا نام طاقت تھا۔ کتنے اختیارات کا مالک ہے یہ۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر ذہن جھٹک دیا۔ بیسیوں نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں نہ جانے کہاں کہاں سے لوگ آ گئے تھے۔ شائقین گھوڑوں پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ کرنسیوں کے تبادلے ہو رہے تھے۔ نہ جانے یہاں ریس کھیلنے کا طریقہ کیا تھا۔ ذہین ریس ایسی تھی جس میں شہ دماغی ہوتی ہے۔ نہ جوا کھیلنے کا انداز۔ وہ تھا جس انداز کا طریقہ تھا جو میری سمجھ میں تو نہیں آیا۔ طاقت کے آدمی نے بقیہ انتظام کر لیا۔ اس کے گھوڑوں کے نام بھی ریس میں درج ہو گئے تھے اور اب ہمارے جاگی گھوڑوں کو نیچے سے نکال کر ٹریک پر لے جا رہے تھے تینوں گھوڑوں کو نمبر الاٹ کر دیئے گئے تھے۔ ریسوں میں لکھا گیا تھا۔ پہلا گھوڑا پہلی ریس میں شامل تھا۔ اس ریس میں کل پندرہ گھوڑوں کو دوڑنا تھا۔ اور ان پندرہ گھوڑوں میں تین شاندار گھوڑے نواب جلال الدین کے تھے۔ طاقت کا سفید گھوڑا اس ریس میں حصہ لے رہا تھا۔ اس کا جاگی گھوڑے کو

ریس کے میدان میں اپنے لئے منحوس سمجھ لیا گیا اور گھوڑوں کا گشت ہونے لگا۔!

پہلی ریس کا وقت ہو گیا۔ گھوڑے اسٹارٹ پوائنٹ پر جانے لگے۔ اور درحقیقت طاقت کے سفید گھوڑے کے سامنے دوسرے گھوڑے تو کچھ معلوم ہو رہے تھے۔ خود نواب جلال الدین کے گھوڑے بھی کچھ ایسے ہی تھے۔ ان کے بال گھوڑے ہوئے تھے اور ان گھوڑوں سے تقریباً پندرہ گز آگے دوڑ رہا تھا۔ اور پھر یہ فاصلہ بڑھتا گیا۔ پہلا گھوڑا جیتے وقت اس کا فاصلہ دوسرے گھوڑوں سے تقریباً بیس گز تھا۔ پھر جب اس نے دوسرا سو گھوڑا تو دوسرے گھوڑے اس سے آگے نکل گئے تھے۔ اور پھر جب سفید گھوڑا آخری پوائنٹ سے پہلے تک پہنچا تو بیس گھوڑے دوسرے موڑ سے ہی مڑ رہے تھے۔ پہلے دو یا تین گھوڑے بھی تھے۔ خود نواب صاحب بالکل خاموش کھڑے تھے۔ ایسے بھی حقیقت تھی کہ نواب صاحب کے تینوں گھوڑے سیکنڈ، تھرڈ اور فورتھ تھے اور انھوں نے دوسرے گھوڑوں کو کافی فاصلے سے چھوڑا تھا۔ جن لوگوں نے سفید گھوڑے پر رقم لگائی تھی۔ وہ خوشی سے پاگل ہو رہے تھے اور جنھوں نے دوسرے گھوڑے کھیلے تھے وہ منہ لٹکائے گھوم رہے تھے۔ طاقت البتہ صرف نواب صاحب کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان کے چہرے سے کوئی تاثر نہیں جھلک رہا تھا۔

دوسری ریس ہوئی۔ پانچویں ریس بڑی تھی۔ اس میں ہمارے گھوڑے دوڑنے والے تھے۔ جن میں چار نواب صاحب کے گھوڑے تھے۔ دو ساتویں ریس میں بھی نواب صاحب کے گھوڑے دوڑے تھے اور انھوں نے ریس جیتی تھی لیکن اس ریس میں نواب صاحب نے اپنے بے شمار گھوڑے بھیجے تھے۔ جاروں گھوڑے بے حد۔ تھے لیکن اس وقت تک جب تک طاقت کا سیاہ گھوڑا میدان میں نہیں پہنچا۔ اس سیاہ گھوڑے کی شان ہی نرالی تھی اور اس لاکھوں نے سوچنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔ بلکہ دھڑا دھڑ اس گھوڑے پر دولت لگائی گئی۔ اور سیاہ گھوڑے نے ریس جیت لی۔ اس کے سفید گھوڑے بھی کی شاندار ریس جیتی تھی۔ اور اس

کشادہ ہو گیا تھا لیکن یہ کشادگی کچھ ہی دیر رہی۔ جلد ہی وہ پھر سکڑنے لگے۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تھے۔ ایک عجیب سا احساس طاقت میں کہ اچانک اس دنیا کی دشمنی۔ ہاں اس وقت اس نے اس لمحہ کی جھلک دیکھی تھی جب بے طاقت کے وجود کے ہر ایک ریشہ میں سما جاتا تھا۔

اس نے نواب جلال الدین کے چہرے پر نمایاں کمزوری دیکھا۔ طاقت اتنا کافی تھا کہ وہ سمجھ سکتا تھا۔ اس نے نواب صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ جیسے صاحب وقار انسانوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"ہم بھی جلال آباد اور یہاں کے لوگوں سے مل کر بہت متاثر ہوئے ہیں۔" طاقت نے کہا۔

"یقیناً جلال آباد کی شاندار روایت شاید اس سے بڑھ کر ہو گی لیکن کیا کسی کو اس کی پرواہ بھی ہے؟"

"ریاست اپنی چھوٹی سی آبادی کی خود کفیل ہے۔ ہمیں باقی دنیا سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ صرف چند بیرونی ممالک سے ہمارا رابطہ ہے جہاں ہم ریاست کی ضرورت سے زیادہ برآمد ہونے والے چیزیں جیسے دالیں اور غذائیات کی کچھ چیزیں بھیجتے ہیں۔ بدلے میں کپڑے اور دوسری ایسی چیزیں جو ہمارے ہاں نایاب ہوتی ہیں۔" طاقت نے جواب دیا۔

"اوہ۔" نواب صاحب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور طاقت نے تعلق بھانپ لیا۔ تو ایک ملازم آکر اب سے جھک گیا۔

"ریاست کے بہروں کے چند نمونے نواب صاحب کی خدمت میں پیش کئے جائیں۔" "السلام" سر جھکا کر چلا گیا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ بلاشبہ طاقت کے لئے ایسے بہروں کی کوئی حیثیت نہیں لیکن کتنے چند لمحات کے بعد ملازم ایک سونے کی پلیٹ میں جگمگاتے ہوئے بیش قیمت ہیروں کے تقریباً پندرہ دانے لے آیا۔ اور اس نے وہ دانے نواب صاحب کے سامنے رکھ دیئے۔ نواب صاحب کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے حیرانی نظر آئی۔ بیش قیمت ہیرے لاکھوں روپے کی مالیت کے تھے۔ ان کی چمک سے آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ نواب صاحب ایک ایک دانے کو اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔!

پھر انھوں نے ایک گہری سانس لے کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "بے شک۔ بے مثال ہیں۔ ایسے نادر بیش قیمت ہیرے آج تک میں نے نہیں دیکھے۔"

"بندہ پرور ہے۔" طاقت نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"آپ کو جلال آباد کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟ اگر گستاخی نہ ہو تو۔"

"بس۔ گھوڑے کی دوڑ سے ہمیں بھی بے حد دلچسپی ہے۔ ہمارے اصطبل میں ایک ہزار نایاب گھوڑے ہیں۔ گھوڑوں کی دوڑ ہمارے قومی کھیل میں شامل ہے۔ چنانچہ ہمیں کچھ لوگوں سے معلوم ہوا کہ جلال آباد میں اس کھیل سے شوق رکھا جاتا ہے۔ ہم یہاں آگئے۔ یہاں کے بہترین گھوڑوں کی اور ہم نے معلومات کی اور پھر ہم یہاں آگئے۔ آپ نے کہا کہ آپ کے پاس بھی گھوڑے تھے۔ پہلی اور دوسری کلاس کے گھوڑے۔ ہم یہ سن کر یہاں آگئے۔"

"وہ میری کلاس کے گھوڑے تھے۔" نواب صاحب نے کہا۔

"جی۔؟"

"لیکن بہت شاندار۔ میں ان سے بہت متاثر ہوا تھا۔ میں واپس جا کر انھیں تربیت دیکھوں گا۔ آپ سے ملاقات کے لئے آپ ہمارے مہمان اور سلطان جلال۔؟"

"ہم بھی مسرور ہیں۔" طاقت نے کہا اور اسی وقت ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

"چائے تیار ہے۔"

"آیئے نواب صاحب۔ چائے پیتا ہے۔"

"جلال آباد میں آپ کہاں ہیں۔ یہ فرض میرا ہے۔ ایک چھوٹی سی دعوت تو ہمیں حاصل کرنی چاہئے۔ تاہم میں اس دعوت کو شاہانہ بنانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔" نواب صاحب نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"صرف کل کے لئے مہلت خواہ ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ ہم لوگ حاضر ہو جائیں گے۔" طاقت نے کہا اور پھر نواب صاحب کو لے کر ہم دونوں کمرے کے دروازے تک میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک خوبصورت لمبی میز لگی ہوئی تھی۔ اس میز کی تفصیل الفاظ میں کیا بیان ہو سکتی۔ سونے چاندی کے برتن تھے جن میں میوے نچنے جا رہے تھے۔ درجنوں قسم کے پھل اور خشک میوے تھے۔ چائے تھی۔ نواب صاحب کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ ساری نوابی رکھی رہ گئی تھی اور میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ طاقت بہر حال طاقت ہے۔ میری دنیا کے نواب اس کا کیا مقابلہ کر سکیں گے۔ پرتکلف چائے پی گئی۔ اس کے بعد نواب صاحب سے گفتگو ہوتی رہی اور پھر نواب صاحب نے اجازت طلب کی۔

"اگر گستاخی نہ تصور کریں تو دونوں حضرات کل خادم کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھائیں۔"

"شرمندہ کر رہے ہیں محترم۔ آپ کی جیسی بھاری شخصیت سے کون متاثر نہ ہوگا۔ آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔" طاقت نے کہا۔ اور نواب صاحب اسی وقت بول پڑے۔

"ہاں۔ وہ آپ کے گھوڑے نہ دیکھے کے۔"

"تشریف لائیے۔" طاقت نے ہی کہا۔ اور ہم دونوں مہمان نواب صاحب اور ان کے مشیروں کے چل پڑے۔ عارضی اصطبل میں "یعنوں گھوڑے بندھے ہوئے تھے نواب صاحب نے گھوڑے دیکھے۔ ان کی آنکھوں میں تحسین کے آثار ابھر آئے۔

"بے شک۔ بہت شاندار گھوڑے ہیں۔" نواب صاحب نے کہا۔

"آپ کو پسند آئے نواب صاحب۔" طاقت نے پوچھا۔

"ہاں بالکل۔ ہم گھوڑوں کے عاشق ہیں۔"

"تب تو آپ کی ملاقات ہمارے ایک اور نواب صاحب سے ہو جانی چاہئے۔ جنہیں گھوڑوں کے علاوہ کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔" طاقت نے کہا۔ اور نواب صاحب کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور گزر گیا۔ "شہزادہ عادل۔ آپ۔ آپ۔۔۔؟"

"یہ میرے خادم کا چھوٹا سا تحفہ آپ کو پسند نہیں ہے۔" طاقت نے کہا۔

"اوہ۔ شہزادہ عادل۔ آپ نے ہمیں بڑی قیمتی چیز بخش دی ہے۔" نواب صاحب گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے بولے۔

"اگر آپ قبول کریں تو میری عزت افزائی ہوگی۔" بدحواس طاقت نے کہا اور اسی وقت دو خادم باتھوں میں خوبصورت ٹوکریاں لے آئے۔ ایک بڑا بکس تھا۔ جو کھلا ہوا تھا اور اس میں انتہائی نفاست سے بنائے ہوئے وہ پندرہ ہیرے جگمگا رہے تھے۔ جو طاقت نے نواب صاحب کو دکھائے تھے۔ طاقت نے وہ بکس نواب صاحب کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ریاست شاہراہ کی طرف سے یہ حقیر تحفہ۔"

نواب صاحب کی حالت واقعی بگڑ گئی تھی۔ ان کا مدعا کچھ کی تھا۔ آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ کوشش کے باوجود وہ اپنی حیرت پر قابو نہیں پا سکتے تھے۔

"حضور۔ شہزادہ صاحب۔ یہ بہت ہے۔ میری حیثیت سے زیادہ۔ میں۔ ان تحفوں کا بار برداشت نہ کر سکوں گا۔"

"آپ کی علمی شخصیت کے لئے۔ یہ حقیر تحفے مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ تاہم۔ پھر آؤں گا تو آپ کے لئے شادیانہ کی چند نایاب چیزیں لاؤں گا۔ فی الحال انھیں قبول فرما کر مجھے عزت بخشیں۔" طاقت نے کہا اور نواب صاحب نے کانپتے ہاتھوں سے ہیروں کا بکس تھام لیا۔ اور پھر ایک ایک کر کے ان تینوں آدمیوں کو بھی پیش کیا گیا جو نواب صاحب کے ساتھ آئے تھے۔ ان میں پانچ پانچ ہیرے رکھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کی بھی حالت غیر ہو گئی۔ سہمی سہمی نگاہوں سے وہ ہیرے دیکھ رہے تھے۔ ان ہیروں کے مالک بنگر دو بھی چھوٹے موٹے نواب بن گئے تھے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ ان سڑے ہوئے نواب صاحب کے یہاں نوکری کی۔ بڑے نواب ہلال الدین جانتے ہیں آج تک تنخواہ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ملے۔ لعنت ہے ایسی نوکری پر۔ غالباً ان میں سے ہر ایک نے

تو ہمراہ لے لیا تھا۔ خدا ملازم کی پوشاک پہنے ہوئے تھے۔

روانگی کے لئے طالوت نے بھی خوب تیاریاں کی تھیں۔ اپنے اچھے سے اچھے کپڑے نکال کر پہنے ہوئے تھے۔ وہ تھے بھی خوبرو۔ طالوت کی چال میں شہزادوں کی سی تمکنت تھی۔ وہ حقیقت شہزادہ تھا۔ لیکن مشت بادیہ کا یہ کوزہ گر بھی اسی کے انداز میں چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب جیسا بھی لگ رہا تھا اس کا انداز اس کا خلوص تو نہیں ہے۔ محل کی مرصع کاریوں پر جھول اچھلتی رہی تھیں۔ یہ گلوبند میں جھانے بادیہ کی ڈلیاں تھیں۔ وہ کہتی تھیں۔ نواب صاحب اور ان کے اہل خانہ ان جھانے بادیہ کے استقبال کو موجود تھے۔ طالوت نے آہستہ سے سیلوٹ مارا۔

"ہوں۔" میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"وہ ہیں۔ نواب۔ موجود ہے۔" وہ اٹکتوں گے سے انداز میں اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ اور میں بھی اس کے اشارے پر اس طرف دیکھنے لگا۔ یہیں ان دو نوں لڑکیوں کے ساتھ ایک خوبصورت لباس میں ملبوس کھڑی تھی۔ لیکن اس کا چہرہ بے نقاب تھا۔ اور اس پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ دونوں شہزادیاں بھی سنجیدہ ہی کھڑی تھیں۔ ڈرائیور نے دروازہ کھول دیا۔ پہلے طالوت اور پھر میں نیچے اترا۔ اور نواب صاحب دونوں ہاتھ پھیلا کر ہماری طرف لپکے۔ ان کا چہرہ مسرت سے روشن تھا۔ انہوں نے باری باری ہم سے معانقہ کیا۔ سعیدہ تیروالی اور چرنڈی دار پاکیلے میں وہ خوب پھنسے ہوئے تھے۔

"میری خوش نصیبی کی انتہا ہے۔ آقا اس کوٹھی کی رونق بڑھ گئی ہے۔" انھوں نے کہا۔ کیونکہ ہم ان کی طرف متوجہ تھے اس لئے یہیں اور نصرت وغیرہ کے چہروں کو جائزہ لینے کا موقع نہیں مل سکا۔ بہرحال۔ اس کی نوبت بھی آگئی۔ لڑکیوں کے ایک چھوٹے گروپ سے ہمارا تعارف کرایا گیا۔ جن میں یہیں وغیرہ بھی تھیں۔ یہ یہیں نصرت اور روی کی شکل بھی نہ دیکھی۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔

"یہ میری بچی ہیں۔ یہ نصرت اور یہ روی۔"

"اوہ۔ ان خاتون سے تو ایک اتفاق کے تحت ملاقات ہو چکی ہے۔" طالوت چٹ سے بولا پڑا۔

"اسے۔ کہاں۔؟" نواب صاحب حیرت سے بولے۔

"ٹرین میں۔ ہم لوگ خاموشی سے جلال آباد آ رہے تھے۔ یہاں پہنچے تو جی موجود تھے۔ بہرحال ٹرین کے کمپارٹمنٹ میں یہ خاتون اور خواتین کے ساتھ موجود تھیں۔ سفر کا ساتھ رہا۔"

"ارے یہیں بیٹے۔ آپ نے ہم سے تذکرہ بھی نہیں کیا۔" لیکن یہیں کے حواس ہی درست نہیں تھے۔ بہرحال ہم نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

نواب صاحب نے ہماری عزت کی۔ مختلف انواع کے استقبال کرائے تھے۔ یوں کہ لیا جائے کہ وہ تمام چیزیں ان کا بس چلتے ہی ہمارے لئے مہیا کر دینا چاہتے تھے۔ ہم نے انھیں تکلف میں ڈالنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ لیکن طالوت موقع کی تلاش میں تھا۔ یہ موقع اسے جانے کے وقت مل گیا۔

"ہم ریاست سے ایک طویل سیر کا پروگرام لے کر نکلے تھے۔ سے شہر گھومے۔ لیکن جلال آباد میں آ کر ہمیں احساس ہوا ہے کہ ہم نے کوئی جگہ نہیں دیکھی۔ گو ابھی ہم نے جلال آباد میں کچھ نہیں دیکھا لیکن آپ جیسے تجربہ کرنے والے رنگ کو دیکھ کر اور کچھ دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہ گئی ہے۔ یہ آپ کی محبت ہے بیٹے۔ کچھ روز اگر یہاں قیام کر لیتے تو میری آرزو پوری ہو جاتی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"ہمارا دل تو ہر یہاں سے جانے کو نہیں چاہ رہا۔ لیکن ملازمت وغیرہ کا تو ہمیں واپس پہنچنا پڑے گا۔ ہم اس بھیڑ کو ساتھ نہیں لے سکتے۔ لیکن وقت یہ ہے کہ اس کے لئے ہمیں ہوٹلوں کا سہارا لینا پڑے گا۔ کیا یہاں کوئی اچھی ہوٹل موجود ہے۔؟"

"ہوٹل۔" نواب صاحب شرمندہ سے لہجے میں بولے۔ "کوٹھی شاید حضور شہزادہ کے شایان شان نہیں ہے۔"

"اسے نہیں۔ یہ کیا فرما رہے ہیں آپ نواب صاحب۔" طالوت جلدی سے بول پڑا۔

"مجھے کتنی مسرت ہوتی اگر آپ یہاں کچھ روز قیام فرماتے۔"

"میں صرف آپ کی تکلیف کا احساس ہے۔ ورنہ آپ کی معیت سے بڑھ کر سعادت اور کیا ہو سکتی تھی۔"

"آپ کے قیام سے میری عزت بڑھ جائے گی۔ سعادت تو مجھے ملے گی۔ کیا شہزادہ عادل میری یہ دعوت بھی قبول کریں گے۔؟"

"بسر و چشم۔ جب تک آپ حکم دیں گے۔ بلاشبہ ہمیں جلال آباد بہت پسند آیا ہے۔" طالوت نے کہا اور نواب صاحب خوش ہو گئے۔ طالوت یہاں آگیا تھا۔ واپسی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یہ بات تو پروگرام میں شامل تھی۔ چنانچہ ہم نواب صاحب کے یہاں قیام پذیر ہونے کو تیار ہو گئے۔

چلنے کے بعد نواب صاحب نے اہل خانہ ان میں سے کچھ عزیزوں کو ہمارے اوپر متعین کیا اور خود انتظامات کرنے چلے گئے۔ وہ اپنی نگرانی میں ہمارے قیام کا انتظام کرنا چاہتے تھے تاکہ کوئی کمی نہ رہ جائے۔ نواب صاحب تو امارت پسند تھے۔ لیکن ہر شخص ضرورت کے مطابق ہی رکھتا ہے۔ نواب صاحب نے بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی قدامت کو چھوڑ دیا تھا۔ یہیں تو یوں بھی بے پردہ تھی۔ لیکن ان کے خاندان کی دوسری خواتین بھی طالوت کے اور میرے سامنے آگئی تھیں۔

نواب صاحب نے اپنے تعارف ان لوگوں کو دیتے تھے کہ وہ کون ہیں۔ کیا کر رہے تھے۔ نواب صاحب کے اہل خانہ ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ نواب صاحب کے اہل خانہ ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ اور کچھ لڑکیوں کے ساتھ ہی کھڑی تھیں۔ طالوت کا والہانہ پن، ان کی ریاست شادیاب کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے

مشقِ ستم کا شکار بنا دیا۔ آج تک کسی سے اظہارِ عشق نہیں کیا ہے فقط چار ہی تو ہفتے کی آشنائی ہے۔ اور کہاں یہ اور کہاں کسی اور دوشیزہ سے۔ میں ذرا سلیقے سے عشق کرنا چاہتا ہوں۔"

"خوب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "طالوت اپنی بیگمات کو آگاہ کیا ہے کہ کسی کے گھر میں آنے کے امکانات نہیں تھے چنانچہ بچے طالوت کے چلے جانے سے کوئی خاطر خواہ نہیں ہوئی۔ میں آدم وا ہی پریشان گیا۔ انکی خیالات پھر سے زندہ ہو اٹھے۔ میں نے اپنے دل کو فقط سوز دے دی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

لیکن طالوت کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات اپنے جلو میں بیتابی جگائے لے رہا تھا۔ کسی عجیب و غریب شخصیت کا مالک ہے وہ شخص! میں اس کی حرکتوں پر مسکرا تا ہوا سو گیا۔ مجھے نہیں معلوم طالوت کس وقت واپس آیا۔ بہر حال صبح کو جب میری آنکھ کھلی تو وہ اپنی مسہری پر بیٹھا سوچ رہا تھا۔ میں کسلمندی سے کروٹیں بدلتا ہوا اسے دیکھتا رہا۔ پھر اٹھا اور باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ باتھ روم سے فارغ ہو کر میں باہر نکل گیا۔ غسل کرنے سے طبیعت شگفتہ ہو گئی تھی۔ لباس تبدیل کیا اور ایک آرام کرسی میں دماغ کو طالوت کا جائزہ لینے لگا! پھر جانے کس خیال کے تحت اٹھا۔ اور نواب گاہ کی بغلی سمت کی کھڑکی کھول دی۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور بہت خوبصورت سہ منظر تھا۔

میں نے کھڑکی کے دوسری طرف نگاہ دوڑائی۔ انتہائی سبزہ زار نگاہ کو ہوا تھا۔ پھولوں کے تختے بکھرے ہوئے تھے جن پر رنگ برنگے پھول کھلے تھے۔ بھانڈوں میں ان پھولوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا۔

دلکش آنکھوں کی ایک جوڑی۔ چار پانچ لڑکیاں گھوم رہی تھیں اور ان میں سے بیشتر اور روحی بھی تھیں۔ سبھی ایک جیسا لباس پہنے ہوئے تھیں۔ اس کے بال الجھے تھے۔ عجیب حسین تھا۔ دلکش۔ وہ بے حد پیاری تھی لیکن میں نے کھڑکی بند کر دی۔ طالوت گہرا جاگ گیا تو اس نے مجھے اس طرح کھڑے دیکھ لیا تو ممکن ہے وہ کچھ غلط سوچ لے۔ وہ یہیں کو پسند کرتا تھا اس لئے اس پر کسی اور کا کوئی حق نہیں تھا۔

چند منٹ کے بعد طالوت جاگ گیا۔ اس نے انگڑائیاں لیں۔ اور پھر پلنگ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جب میں واپس آیا تھا تو تم سو چکے تھے۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔ میں رات کی پرواہ شکے لئے بے چین ہوں۔"

"بڑی دلچسپ رپورٹ ہے۔"

"طلیہ درست کرو۔ اس کے بعد ہی بات چیت کریں گے۔" میں نے کہا۔ اور طالوت گردن ہلا کر اٹھ گیا۔ پھر وہ غسل خانے میں گھستا

رہا۔ اور میں اس کا انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد طالوت واپس آیا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

"پہلی خوشخبری۔ لمبر سمیں اس کی کسی کی بیٹی ہے۔ ان کی حمایت میں یتیم ہیں۔ میں کا ایک معاملہ ان میں ہے۔ تم ہو۔ تم کھڑکی کھول کر دیکھ سکتے ہو۔"

"خوب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ ہاں بھلی شاہزادی جن تھی۔"

"یعنی۔؟"

"آٹھ دس لڑکیاں تھیں۔ اس عمارت میں ایک کی حفاظت کافی ہے۔ لڑکے کم ہی نظر آتے۔ جاں بھی بڑے بڑے سردار قسم کے۔ اکثر لڑکیوں کے تربیت جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اور ہوا ایسی کئی لڑکیاں نگرانی پر مامور ہیں۔"

"خوب۔ بڑے ملاقات ہوئی۔"

"خدا غرقاب۔" طالوت بلند ہنسا۔ "ابھی تک تو کوئی مشکل نظر نہیں آئی۔ آگے اللہ مالک ہے۔"

"اس کے علاوہ۔؟" میں نے پوچھا۔

"یوری کو ٹھی کی سیر کی ہے۔ ہر طرف ہمارا راستہ چاہے خواہ مخواہ سے ان تو واقف کا۔ اس کے بعد میں نے نواب جلال الدین کی خواہش کہ بھی سیر کی۔"

"خوب۔"

"بیگم صاحبہ بھی خاصی حسین ہیں۔ بڑی انتہائی پردہ نشین۔ استقبال میں بھی وہ شریک نہیں تھیں۔ بہر حال نواب صاحب سے بڑی اچھی گفتگو ہو رہی تھی۔"

"کیا۔؟ کیا۔؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بڑی الجھن میں پڑ گئے ہیں بے چارے۔ ابھی کل پرسوں تک نواب شمشیر الدولہ آنے والے ہیں۔"

"یہ کون بزرگ ہیں؟"

"یہیں کے طلب گار۔ پہلے سے معاملہ طے ہے۔ اب چونکہ یہیں تعلیم ختم کر چکی ہے اس لئے شمشیر الدولہ چند روز کے لئے یہاں آ رہے ہیں۔ اس دوران نواب صاحب ان کی نادات والوں کا بہار لے کر آخری فیصلہ کریں گے۔ کسی اور ریاست کے نواب کے صاحبزادے ہیں۔"

"الجھن کیا ہے۔؟" میں نے پوچھا۔

"ہم دونوں۔ نواب صاحب نے دبی زبان سے اظہار کیا تھا کہ بھائی۔ سیر مطلب ہے میری اور تمہاری بات ہی کیا ہے۔ نواب اور شہزادوں میں بہر حال فرق ہوتا ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی یہیں سے منسوب ہو سکتا تو نواب صاحب کی خدمت کھل جاتی۔ (اس پر یکم صاحب

سلسلہ کلام توڑ کر طالوت کی طرف دیکھا۔ طالوت نے کہا۔ "کیا اب کیا شہزادوں کا انتخاب کیا جا چکا ہے اور اگر شہزادوں کو ہو سکتا ہے۔ شہزادوں کا انتخاب کیا جا چکا ہے اور اگر شہزادوں کو منسوب کیا جائے تو کس دل ہوتے پر۔ شہزادوں کے لئے ایک ایک لڑکی کی ہوئی۔ کیا ضرور ہے کہ ان میں سے کوئی یہیں کو پسند کرے۔"

"اوہ۔" میں نے سر ہلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بے نادلیب رہوت۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہے تو۔ لیکن اب میں میں پڑ گیا ہوں طالوت۔"

"کیوں۔؟"

"ایک بات بتاؤ طالوت۔ کیا ہم برے لوگ ہیں۔؟"

"ہرگز نہیں۔ ہمارے جیسے نیک لوگ تو بہت کم پیدا ہوئے۔ اور نہ آئندہ پیدا ہوں گے۔" طالوت نے برے خلوص سے کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔

"مسخرہ پن مت کرو۔ ہمارے تمہارے درمیان ایک معاہدہ ہوا ہے۔"

"وہ کیا۔؟"

"کسی شریف لڑکی کو کسی قیمت پر پریشان نہیں کیا جائیگا۔"

"میں اس پر کاربند ہوں۔" طالوت نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میرے سلسلے میں بھی تم دیکھ چکے ہو۔ داؤد رحمانی کی لڑکی کے لئے خاصی تکالیف اٹھائیں۔ لیکن اس کی عفت پر حرف نہ آنے دیا۔"

"قدر کرتا ہوں یار اس بات کی۔" طالوت نے کہا۔

"اگر یہیں شمشیر سے منسوب ہے اور اگر دونوں خوش ہیں تو ہمیں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے۔ ظاہر ہے اسے شمشیر سے جدا کرنے کے ہم آپ کوئی سہارا تو نہیں دے سکتے۔ پھر ان کا معاملہ خواب کیوں کیا جائے۔؟"

"ہوں۔" طالوت کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "کہتے تو ٹھیک ہو۔ لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے۔"

"کیا۔؟"

"ان شمشیر الدولہ بہادر کا جائزہ لیا جائیگا۔ یہیں کو بھی ٹٹولا جائے گا۔ اگر شمشیر الدولہ یہیں جیسی حسین لڑکی کے لائق ہوتے اور یہیں نے بھی انہیں پسند کیا۔ تو ہم خاموشی سے یہاں سے بستر گول کر جائیں گے۔ اور اگر ایسی بات نہ ہوئی۔ تو پھر جملہ حقوق محفوظ ہیں!"

"چلو منظور۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور یہ بات طے ہو گئی۔ کہ فوری طور پر طالوت یہیں سے عشق نہیں شروع کرے گا۔

تقریباً ساڑھے آٹھ بجے دروازے پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اسے دھکا دیا گیا۔ اور کسی نے اندر جھانکا۔ کوئی ملازمہ معلوم ہوتی تھی۔ ہم لوگوں کے سامنے آگئی تھی اس لئے اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیسے آئیں خاتون۔؟" میں نے شرافت سے پوچھا۔

"نواب صاحب نے بھیجا تھا کہ دیکھ آؤں آپ جاگ گئے یا نہیں؟" ملازمہ نے شکستہ ہوئے ترک کے ہوئے بتایا۔

"اندر آ جاؤ۔" طالوت نے کہا اور وہ اندر آ گئی۔ بوڑھی سی عورت تھی بے چاری۔

"یہاں سب کس وقت جاگ جاتے ہیں خاتون۔؟"

"یہاں سات بجے۔ بچے آٹھ بجے تک۔"

"ٹھیک ہے ناشتہ کس وقت ہوتا ہے۔؟"

"نو بجے۔"

"بس تو ہمارے جاگ جانے کی اطلاع دے دو۔" طالوت نے کہا اور ملازمہ واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد نواب صاحب خود آ پہنچے۔

"صبح بخیر سر۔ رات کو ایک بڑی غلطی ہو گئی۔"

"کیا نواب صاحب۔؟" طالوت نے کہا۔ ہم دونوں نے انہیں سلام کر کے مصافحہ کیا تھا۔

"مجھے پوچھنا بھول گیا کہ تم لوگ بیئر وغیرہ لیتے ہو یا نہیں؟"

"نہیں نواب صاحب۔ خدا کے فضل سے ہم بھی مسلمان ہیں۔"

"بڑی مسرت کی بات ہے۔ تیار ہو تو آؤ۔ تھوڑی دیر چمن کی سیر کریں۔" نواب صاحب نے کہا۔ چمن کی سیر کرتے ہوئے نواب صاحب ہم سے گفتگو کرتے رہے۔ بہت سی باتیں کیں انہوں نے۔ تب طالوت نے ایک بات کہی۔

"میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے نواب صاحب۔"

"وہ کیا شہزادے عادل۔؟"

"ہم لوگ سیر و تفریح کرنے نکلے ہیں اور تمام تکلفات سے بے نیاز ہونا چاہتے ہیں۔ اس کا صحیح اندازہ آپ نہ اس بات سے لگایا ہوگا کہ ہم دونوں تنہا ترکی سے سفر کر رہے تھے۔"

"اوہ۔ ہاں۔ مجھے اس بات پر حیرت ہوئی تھی۔"

"یہاں۔ اس محل میں آپ نے جس اپنائیت سے ہمیں مدعو کیا ہے اور یہاں کے مکین ہم جنت سے ہم سے پیش آئے ہیں۔ وہ احساس دلاتی ہے کہ ہم اپنے ہی گھر میں ہیں۔"

"بے شک۔ یہ میری خوش بختی ہے کہ آپ لوگ اسے اپنا گھر تصور کرتے ہیں۔"

"تب پھر نواب صاحب۔ آپ بھی طرح اپنے روز مرہ کے معمولات میں مصروف رہئے۔ معروف رہئے۔ یہیں گھر کے دو ستر لوگوں کے سپرد کر دیں۔ اور صرف فرصت کے اوقات میں ہماری ملاقات ہو۔ ہم یہاں تھوڑا سا وقت گزارنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر تکلفات جاری رہے تو زیادہ مجھے دے سکیں گے۔"

"تم لوگ واقعی بہت خوش قسمت ہو۔ ایسا مالک جانے کہاں ملتا ہے۔ اگر تمہاری اجازت ہو تو میں اس کی تعریف کروں گا۔" سب سے بڑے تم اپنے بچے ہو۔ جلال آباد کی سیر کے لئے جب چاہو لے لینا۔"

"شکریہ۔" آپ نے انتہائی کی بات کہی ہے۔ طالوت نے کہا۔ میں طالوت کی شرارت سمجھ گیا تھا۔ بہرحال۔ تو بچے ہم ناشتے کے لئے چلتے ہیں۔ ناشتے کی میز پر گئے تو فرزانے بیگم کے خاص خاص لوگ۔ بیگم صاحبہ بھی تھیں انہیں خاص طور سے سامنے لا کر بٹھایا گیا تھا۔ وہ تینوں دلہن کی طرح شرمائی بیٹھی تھیں۔

سیمیں اور دوسری لڑکیوں کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔ وہ مسکرا کر بیگم صاحبہ کو دیکھ رہی تھیں۔ نواب صاحب بھی ناشتے کے دوران لطیفے سنا رہے تھے۔ بہرحال اگر وہ مغرور بھی تھے تو یقین نہیں آتا تھا۔ کیونکہ اس وقت وہ بہت خوش مزاج معلوم ہو رہے تھے۔ پھر انہوں نے طالوت کی فرمائش بتائی۔ اور خاص طور سے سیمیں سے مخاطب ہو کر بولے۔

"سیمیں بیٹے۔ تم بہت طرح پر تعلیم یافتہ ہو۔ اس لئے تمہارے بھائیوں کی ملامت کی ذمہ داری تم پر خاص طور سے عائد ہوتی ہے۔ انہیں جلال آباد کے فواح کی سیر ضرور کرانا۔"

"جی۔" سیمیں نے سادگی سے کہا۔ میں نے اس وقت اس کے لہجے میں کوئی خاص بات نہیں محسوس کی تھی۔ اور نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہوا کہ شاید شمشیر بہادر کا پتہ بھاری ہے۔

ناشتہ ختم ہو گیا۔ نواب صاحب نے ملازم کو بلا کر ہدایت کی کہ اکبر پور کا دورہ جو ملتوی کر دیا گیا تھا آج ہی ہو گا۔ کیونکہ مہمانوں نے اجازت دے دی ہے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ انہیں ایک ضروری کام سے اپنی جاگیر اکبر پور جانا تھا جس کے لئے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن اب ان لوگوں کی اجازت سے وہ وہاں جا رہے ہیں۔

"آپ بڑے اطمینان سے جائیے۔ اور تمام کام کر کے واپس آئیے۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔

"تو آخر تم نے اپنا کام کر ہی لیا۔" میں نے کہا۔

"ہاں یار۔ مگر یہ لڑکی کچھ مخلص معلوم ہوتی ہے۔" طالوت نے کہا۔

"اس کی وجہ شمشیر تو نہیں ہے؟"

"ہو سکتا ہے۔ دیکھ لیں گے کیا فرق پڑتا ہے۔" طالوت نے خشک لہجے میں کہا اور میں مسکرانے لگا۔

"ہنس کیوں رہے ہو۔ میں اپنے دعوے پر قائم ہوں۔" طالوت گرم ہوتے ہوئے بولا۔ اور میں اس سے ہنس پڑا۔

"تو کیا آپ سے کافی گستاخی کی تھی ہیں کے لئے میں شرمندہ ہوں۔" نصرت نے کہا۔

"نہیں۔ میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔ میرا دل ان کے لئے بہت صاف ہے۔" نصرت نے کہا۔

"اب آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔ میرا دل ان کے لئے بہت صاف ہے۔" نصرت نے کہا۔

"اب آپ ان کی گستاخی کی معافی مانگ رہی ہیں؟"

"اوہ۔ خدا حافظ۔" وہ باہر نکل گئی۔ سب سے آخر میں سیمیں باہر نکلی تھی۔ اس نے ایک بار پیچھے مڑ کر ہم لوگوں میں آپ کی طرف دیکھا تھا۔!

"یہ بیٹھے ہے سالم صاحب کہ ہم لوگ نرین میں آپ کی ہیں ہوئے تھے۔ ہمیں وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ وہ شہزادے ہیں۔ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں۔"

"آپ نے ہمیں اپنے گھر آنے کے لئے منع کیا تھا سیمیں صاحبہ۔" نصرت نے کہا۔

"بولو۔ ہیں کے لئے یہاں آنا پڑا۔" طالوت نے ہی جلال آباد کہلے۔ اور لڑکیوں کی سنجیدگی رخصت ہو گئی۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"بولو۔ ہیں کے لئے یہاں آنا پڑا۔" طالوت نے ہی جلال آباد کہلے۔ اور لڑکیوں کی سنجیدگی رخصت ہو گئی۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"بلایا دیں آپ کو۔" سیمیں نے کہا۔

"اف انھیں کی کوشش تو یہاں لائی ہے۔ میں نے عرض کیا تھا نا۔ کہ میں ایکبار آپ کے یہاں ضرور آؤں گا۔ ورنہ رشتہ نہ کرو۔" طالوت نے کہا۔

"تو آپ بولا کا رشتہ لے کر آئے ہیں۔؟" نصرت نے کہا۔

"بلا شبہ۔ شاید انھیں پتہ چل گیا ہے جبھی وہ یہاں نہیں آئیں۔ اگر آپ نے انھیں بلایا ہے تو قتل کر دیا جائے گا۔ میری آنکھیں انھیں دیکھنے کے لئے تڑپ رہی ہیں۔" طالوت نے کہا۔

سیمیں ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر وہ بولی۔

"میرا خیال تھا اس حیثیت میں آپ سنجیدہ ہوں گے۔ لیکن۔"

"ارے کیسی حیثیت۔ کاہے کی حیثیت۔ بولا کے لئے کچھ دانے لگا کر رہ گئے ہیں۔ ہائے بولا۔" طالوت نے اس انداز میں کہا کہ نصرت اور روحی بے تحاشا ہنسنے لگیں۔

"آپ اب ہمیں بے وقوف نہیں بنا سکتے شہزادہ عالم۔" سیمیں نے کہا۔

"بے وقوف۔؟ میں نے ایسی حماقت کب کی تھی محترمہ۔"

"نرین میں آپ نے کب بتایا تھا کہ آپ انسان ہیں۔"

"بولا میری سات پشتوں کو گالیاں دیتیں۔ کیا میں انسان بھی

"اوہ تو یہی ہیں۔"

"ایں۔؟ بولا جلدی سے آ گئیں۔ ایک لمحے کے لئے تم کو اور مجھے ہوں سے طالوت کو دیکھا۔ اور پھر سیلاری سے بولیں۔ "بولا چاہتا ہے بھیا۔ مگر سمجھ کر دو۔"

"تو کیا تم شادی کرو گی بولا۔؟" سیمیں چیخ پڑی۔

"مجبور ہیں بٹیا۔ ہائے۔ اس بڑھاپے میں اکلوتی بیٹی ذکر دوں تو شہزادے میاں گردن اتار دیں گے۔"

"جلال۔ میں نے طالوت کو اٹھتے ہوئے کہا۔ کیوں میری شادی بولا کو برباد کر رہے ہو۔ خبردار اب تمہاری زبان سے بدتمیزی کا ایک لفظ بھی نہ نکلے۔"

"بولا بہت نیک ہیں۔ بے حد سادہ دل اور معصوم۔ میں خود آپ سے بدتمیزی کی معافی چاہتا ہوں بولا۔" طالوت نے کہا۔

"ایں۔؟ بولا کا کلمہ حیرت سے پھیل گیا۔ "مجھے دیوانہ مت کرو میاں۔ اتنے بڑے آدمی ہو کر معافی مانگتے ہو۔ اللہ تمہاری عمریں دراز کرے۔"

"اور وہ شادی کی بات کیا ہوئی بولا۔ ہمیں تو آپ کے تیار ہو جانے سے بڑی خوشی ہوئی تھی۔" نصرت نے کہا۔

"تو خاموش رہ بے شرم۔ اس بڑھاپے میں میرا مذاق اڑاتی ہے۔ میں جانتی ہوں۔ تو صدمے سے مر جائے گی۔" بولا نے چیخ کر کہا۔

"مگر تم نے ابھی اقرار کیا ہے بولا۔" روحی بولی۔

"ارے جہاں پھرے تمہارے سنہرے۔ کیسے تمہاری زبان؟ بولا کچھ اور کہنا چاہتی تھیں۔ لیکن پھر اس کی نگاہ ہم دونوں پر پڑی۔ اور وہ جلدی سے خاموش ہو گئیں۔" تو میں جلوں میاں۔؟ اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔ خوش رکھے خدا تمہیں۔" بولا دروازے کی طرف بڑھنے لگیں اور پھر وہ باہر نکل کر جا چکی تھیں تو پیچھے سے نصرت اور روحی بے تحاشا ہنس رہی تھیں۔ طالوت جو رنگ بدلتے ہوں سے سیمیں کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو کچھ نہ ہوا۔" طالوت نے شانے ملا کر ایک گہری سانس لی تھی۔

"آپ کیا چاہتے تھے؟"

"بس بولا سے ٹوک جھونک ہوتی۔ کچھ گالیاں سننے کو ملتیں۔ نرین میں تو جوتی تک لے کر دوڑی تھیں۔"

"جب سے آپ کے بارے میں معلوم ہوا ہے اور سارا خرچ اور اور اور جناب کی کیا کیفیت ہے۔؟" طالوت نے برا وقت سیمیں سے کہا۔

"شہزادے بھی تو انسان ہوتے ہیں۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟" سیمیں نے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے۔" طالوت نے ایک گہری سانس لی۔

"ویسے آپ نے اس گھر کی کایا پلٹ دی ہے۔ ابو جان نے مجھے

اجازت دی ہے کہ آپ کو چلاں کابوے کے ذات کی پیر کرلاں۔" سیمیں نے
کر جھوٹ سے کہا۔

"لیکن میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔ اگر آپ ایسا نہ
کریں تو مجھے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"نہیں نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ آپ ہمارے
مہمان ہیں۔ یوں بھی آپ صرف تہذیب ہی نہیں ایک دلچسپ انسان
بھی ہیں۔ اگر خاندانی روایات سے مجبور نہ ہوتی تو چلے ہی چلتے۔
لیکن میں آپ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دیتی۔"

"شکریہ نہیں ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو پھر میں کوشش
کریں گے۔" طالوت نے کہا۔

"سالم بھائی! آپ کہہ رہے تھے عادل صاحب۔ بہت
تم گو اور تیتھے۔"

"پھر بتائیں۔ خاموشی سے کام کرجاتے ہیں۔" طالوت
نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں مانتی۔" سیمیں ہنستے ہوئے بولی۔ "پھر کہنے لگی۔
"بہرحال آپ تیار ہو جائیے۔ ہم لوگ بھی آتے ہیں۔"
ہنستے ہیں۔" طالوت نے کہا اور دھیمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر
پھیل گئیں۔ طالوت خلوت آمیز انداز میں ہر کی طرف دیکھتا ہوا سکول سے باہر
نکلا۔

"کیوں۔ بہت خوش ہیں۔"

"سالم بھائی۔ عادل صاحب۔ کیا کہے۔"

"وہ دھیمے سے ہنس پڑا۔ اور پھر ہم تیاریاں کرنے لگے۔
تینوں لڑکیاں بھی آگئیں۔ ان کے ساتھ دو لڑکے بھی تھے جو صورت
ہی سے احمق معلوم ہوتے تھے۔

"یہ کون ہیں۔" طالوت نے پوچھا۔

"عالم صاحب۔ سیمیں کے چچا زاد بھائی۔" سیمیں نے
ایک لڑکے کا تعارف کرایا اور وہ کوٹ کا کالر درست کرنے لگا۔
"اور یہ شہزاد صاحب ہیں۔ سیمیں کے ماموں زاد بھائی۔ چھٹیاں گزارنے یہاں
آئے ہیں۔"

"ہمارے ساتھ چل رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔ انھوں نے اجازت لے لی ہے امی جان سے۔"
سیمیں کا لہجہ خوشگوار نہیں تھا۔

"یہ دعوت نہ کریں۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور
سیمیں نے بھروسی سے ان دونوں بے توقیر کو دیکھا۔ شامت آگئی
تھی بیچاروں کی۔ بڑے خوش نظر آرہے تھے۔ طالوت کی شامت
کاری میں سفر کی تھکن۔ میں نے اسٹیرنگ سنبھال لیا اور طالوت
سیٹ پر برابر بیٹھ گیا۔ اس کے نزدیک عالم صاحب بیٹھ گئے تھے۔ عقبی سیٹ پر
تینوں لڑکیاں اور شہزاد صاحب تھے جو خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے

مسرت اور کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی۔ طالوت مسکرا دیا۔ سیمیں
کی تھیں۔ لیکن وہ اپنے جذبات پر قابو پا رہا تھا۔

"میں طالوت ہوں۔ یہ سالم بھائی۔" طالوت مسکرایا۔
پھر گم سم بیٹھے ہوئے بولا: "ہم ذرا دل خال بیٹھیں گے۔ ہاں بھائی
تم آگے چلے جاؤ۔ اور سالم بھائی کو گائیڈ کرتے رہو۔ آپ یہاں جا چکے ہیں
صاحب۔" طالوت آنکھیں بند کر کے سکڑ گیا اور میں نے گاڑی
جب عالم صاحب آگے نکل گئے۔ ان کی دل خواہش تھی کہ
سیمیں کے برابر چلے بیٹھیں لیکن سیمیں نے ان کے طالوت کو بیٹھے
تھا اس لئے وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

طالوت سیمیں کے برابر بیٹھ گیا۔ سیمیں نے ایک بار آگے
عالم صاحب کا منہ بن گیا تھا۔ شہزاد میاں بھی خوش نہیں تھے۔ وہ کچھ
سمجھیں بتا رہی تھی۔ اور پھر اس نے ناک سکوڑ کر کہا۔

"اف۔ سڑک کر بیٹھے عالم بھائی۔ آپ کے جسم سے کچھ
کی سی بدبو آرہی ہے۔ آپ سال میں کتنی مرتبہ نہاتے ہیں۔"

"جی۔" عالم صاحب بوکھلا گئے۔

"میں کہتی ہوں سڑک کر بیٹھے۔ گرے پڑتے ہیں۔" سیمیں
نے ڈانٹ کر کہا اور عالم صاحب سہم گئے۔ باقی سب لوگ خاموش رہے۔
سفر بہت طویل نہیں تھا زوالی فال وہی تھا جو ہمیں ہمارے ہوٹل سے نکلتے
آیا تھا۔ بہرحال خوابصورت علاقہ تھا۔ موسم بھی بے حد سہانا تھا کار
ایک جگہ کھڑی کر دی گئی اور سب نیچے اتر گئے۔

"جلال آباد قدرتی سیاحت کا حال ہے۔ لیکن ابھی یہاں
ایسی تفریح گاہیں نہیں ہیں۔ جہاں خاص طور سے وقت گزارا جا سکے۔ ہم
یہ خوبصورت جگہ ہے۔ آپ کی سینٹ کیسی ہے عادل صاحب۔" سیمیں
نے طالوت کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"آسمان کو چھوتے ہوئے پہاڑ۔ برف سے ڈھکے ہوئے اور
سفید برف کے پگھلنے کے بعد نیچے پر نظر آنے والی سبز گھاس کے طویل اور
ہموار میدان۔ برف کی سفیدی میں سبز رنگ پر چکتی ہوئی اوبان کے دامن میں
آباد ایک چھوٹی سی دنیا۔ خوشحال و مطمئن۔ محنت کش لوگ سرخ
اور سفید۔ آسودگی کی سانسیں لیتے ہوئے۔ ہماری دنیا تو دور ہے
ہم اپنے آپ میں خوش ہیں۔" طالوت نے منظر کشی کرتے ہوئے کہا۔ اور
سیمیں کی آنکھیں خوابوں میں کھو گئیں۔

"آپ کو دیکھ کر اس دنیا کا احساس ہوتا ہے۔" سیمیں نے کہا۔
"لیکن میں نے اپنی دنیا میں ہمیشہ ایک کمی محسوس کی ہے۔"
نظریں اپنے پیٹے۔" طالوت نے کہا۔

"کیسی کمی۔"

"جی۔ الفاظ نہیں ادا کر سکتا اس احساس کو۔" اس نے دونوں

ہاتھ پھیلا دیئے۔ وقار جاتے ہوئے میں نے دو تین بار پلٹ کر دیکھا۔
دونوں ہی تھوڑوں سے جاں چھڑانے میں معروف تھے۔ لیکن ان کی
تیوری میں شکن سیدھی ہو چکی تھیں۔

میں دل ہی دل میں ہنستا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اور پھر ہے
کے دوسری سمت نکل گیا۔

"عادل صاحب کے مقابلے میں آپ سنجیدہ ہیں سالم صاحب
کیا بات ہے۔" بانو نے کہا۔

"میں خود کو اس کا بزرگ سمجھتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"مگر ایسی وہ بڑے آپ کیوں۔"

"میں کہہ لیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن کیا وہ حقیقت تو اب آن فلیا کی ایک سو میں ہیں
ہیں۔"

"ایک سو اکتیس۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"والد اجان تجلد کی دو سو گیارہ بچیاں تھیں۔ ہمارے خاندان
میں یہی روایت ہے۔"

"تو پھر خلیاں کتنی عمر سے شروع ہو جاتی ہیں سالم صاحب؟"

"پہلی شادی تقریباً بائیس سے چھبیس سال کی عمر تک۔ اس
کے بعد انسان خود مختار ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات چار چار شادیاں ایک ہی
دن میں ہوتی ہیں یعنی ایک نکاح سے فارغ ہو کر دوسرے نکاح کو چلے جاتے
ہیں اور پھر چار دلہنیں رخصت ہو کر آتی ہیں۔" میں نے پوری سنجیدگی
سے کہا اور لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"آخری ساری بیویوں کی موجودگی میں خود نوشہ صاحب کیا محسوس
کرتا ہے سالم صاحب۔"

"کیوں۔ خوش ہوتا ہے بچے۔"

"آپ بھی اتنی ہی شادیاں کریں گے۔؟"

"میں۔ کیوں۔؟" میں نے حیرت سے پوچھا اور لڑکیاں
میرے اس ذو معنی جملے پر کھلکھلا گئیں۔

"ہمارا مطلب ہے آپ بھی تو۔؟"

"وہ۔ دراصل آپ ہماری ہاں کی روایات سے واقف
نہیں ہیں۔ اتنی شادیاں صرف وہ کرتے ہے جو مستقبل کا مکمل ہوتا ہے۔
میں اور عادل مکمل نہیں ہیں۔ ریاست کی حکومت حاصل بڑے بھائی
کو ملے گی۔"

"اوہ۔" روبی نے کہا۔ کافی دیر تک وہ دونوں لڑکیاں ہم
سے دلچسپ گفتگو کرتی رہیں اور میں انھیں گھماتا رہا۔ پھر ہم نے کہیں
آتے دیکھ کر میں اداکاروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ طالوت سے قریب آ گیا۔
اس کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں تھی۔ بس سپاٹ سا چہرہ تھا۔

"کیا خیال ہے عالم۔ ملا ہی لیں۔"

"چلو۔" میں نے کہا اور طاقت کو اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"اور وہ شہزادی صاحب وہ عالم صاحب کہاں ہیں؟"

"وہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہی لے جائے گا۔"

"آؤ۔" اور ہم سب اُن دونوں کی طرف چل پڑے۔ وہ پتھر پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے چہروں پر شفق کی قرمزی تھی۔ کبھی کبھی وہ اپنے ہم پیالہ کانپنے لگتے اور پھر دونوں ہو کر ہنسنے لگتے۔ دونوں قریب صاحب تھے۔ ابھی تک ان کے حواس قائم تھے اور انھوں نے پینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"چلئے۔ واپس چلیں۔" میں نے کہا اور انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر عالم بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"نجانے کیا ہوا۔ نجانے ہم سے کیا خطا ہوئی۔"

"جی۔" طاقت نے تعجب کا اظہار کیا۔

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ جب سے۔ جب سے۔"

"کیا قصہ ہے یہیں صاحب۔؟"

"پتہ نہیں۔" یہیں بیزاری سے بولا۔ پھر اچانک طاقت چونک کر کہنے لگی۔ "ہتک ہے۔ آپ تشریف رکھئے۔ ہم چلے۔"

"مگر۔ مگر بیٹھئے تو سہی یہیں ذرا۔ یہیں اس حویلی میں چھوڑ کر نہ جائیے۔"

"پھر چلئے۔" یہیں تنک کر بولی۔ اور وہ دونوں پھر اٹھنے کی کوشش کرنے لگے۔ اور اس بار آسانی سے اٹھ گئے۔ میں نے ایک نگران سا تن لی تھا۔ وہ دونوں بوکھلائے ہوئے انداز میں جھک جھک کر پتھروں کو جانچ رہے تھے!

"نجانے کیا ہوا تھا۔" عالم نے شہزادے سے کہا۔

"آیئے عادل صاحب۔" یہیں نے بیزاری سے کہا اور پھر واپسی کا سفر ہونے لگا! نجانے کیوں واپسی میں سب خاموش خاموش سے تھے۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ ہم سب نے ہاتھ دھونے اور کھانے کے کمرے میں جمع ہو گئے۔ ہماری خاطر مدارات میں آج بھی کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ کھانے پر تکلف ماحول تھا۔ کسی کو بھی گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملا تھا!

پر حال کھانے کے بعد ہم اپنے کمرے میں آ گئے اور میں نے پھر اپنی سے دروازہ بند کر کے طاقت کی گردن تھام لی۔ "ہاں خبیث۔ اب بتا۔ کیا ہوا۔؟"

"یار عارف۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ یقین کرو۔" وہ الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"کیا مطلب۔؟"

"مطلب یہ کہ ابھی ہونی ہے۔ اس لئے کچھ نہیں ہوا۔ کچھ بتانا چاہتا ہے۔ میں نے سب استعمال کر لئے۔ سب صلواتیں الفاظ میں کہہ دیا کہ میں اسے پسند کرتا ہوں۔ لیکن وہ ذہنی طور پر کسی کی ہوئی ہے۔ اس نے کہا کہ آج رات شہزادی ریاض کے پاس سے آخری ملاقاتی تھی اور پھر وہ ہمیشہ کے لئے سو گئی!"

"اوہ۔ پھر تم نے کیا اندازہ لگایا۔؟"

"صرف ایک۔ شہزادہ ارشد کا رنگ پکا ہے اور پھر اس کا باپ مجھے اس کے حوالے کر گیا ہے اس لئے وہ دوسرے کے ساتھ بھیجنا نہیں چاہتا تھا۔"

"تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ پھر اب کیا ارادہ ہے؟ چلیں واپس۔"

"چلنا تو ہے۔ لیکن فرمان شہزادہ کو بھی دیکھ لیا جائے آخر میں گیا ہے۔؟" طاقت نے کہا۔

"تمہارا مشن۔؟"

"تم شیطان۔" طاقت نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تھیں۔ کسی سے بھی انہیں عشق نہ کر سکا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"خیر۔ وقت برباد کیا ہے تو نواب سے بھی دیکھتے چلیں۔ نواب شہزادہ سے ملاقات کر کے ہی یہاں سے واپس چلیں گے۔" طاقت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

شام کو پانچ بجے نواب جلال الدین واپس آ گئے۔ آتے ہی وہ ہم دونوں سے ملے۔ بے حد عزت کی۔ دن کے بارے میں پوچھا کہ کیسا گزرا۔ میں نے اور طاقت نے اُنہیں خوش جواب دیا تھا۔ نواب صاحب ہم سے تھوڑی دیر کی اجازت لے کر عزت فسل کر گئے۔ اس کے بعد رات کے کھانے تک وہ ہمارے ساتھ رہے۔ پھر جب ہم سونے کے لئے تیار ہو گئے تب وہ ہم سے رخصت ہو گئے۔ طاقت کچھ بیزار سا نظر آ رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اب یہاں زیادہ نہیں رکے گا۔ مجھے بھی کوئی خاص لطف نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال تکلف ماحول تھا۔

"اگر شہزادہ مناسب آدمی ہوا تو۔" میں نے بستر پر لیٹتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ یہیں سے شادی کر کے عیش کرے۔" طاقت نے جواب دیا۔

"اور اگر مناسب نہ ہوا۔ تب۔؟"

"تب ہم اس خوبصورت ملک کو اس کے بعد صرف ذوق کی

سوچ میں ڈوبا تھا۔ اس کے کچھ نہ بولنے پر میں نے کہا۔ "اس سے کچھ نہ کہو۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہاں سے واپس چلیں گے۔" طاقت نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم اس کے ساتھ ہی واپس چلیں گے۔" اور پھر ہم دونوں اس کے ساتھ ہی باہر آ گئے۔

نواب صاحب جلال الدین کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ مسکرائے اور پھر ہاتھ ہلاتے ہوئے کار کی طرف بڑھ گئے۔ ہم دونوں بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔ کار کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ نواب صاحب نے اندر جھانکا اور پھر ہاتھ ہلاتے ہوئے بولے۔

"بیٹے۔ آؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ آؤ ایک ایک ہاتھ لگا جاؤ۔" اس نے آخر جملہ اپنے ڈرائیور سے کہا تھا۔ ڈرائیور نواب صاحب سے لپٹ گیا۔

"بیٹے۔ اگر اپنے ایک ہاتھ سے کار چلا سکتے ہو تو چلاؤ۔" نواب صاحب نے بیگم کی طرف دیکھا اور بیگم نے نہیں میں سر ہلا دیا۔ "نہیں بیگم صاحبہ کو اکیلا کار میں نہیں چھوڑوں گا۔" اور پھر وہ دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے کار کی طرف بڑھ گئے۔

"اوہ۔۔۔ اس نے بیگم صاحبہ کو اکیلا کار میں بٹھا دیا۔" نواب صاحب کا چہرہ دھندلا ہو گیا۔ "کیسی کیسی باتیں اس میں ہیں۔ کیسی کیسی شیطنی ہے اس نے لڑکوں کو گھمنے کے بہانے کہاں لے جا کر مارا ہوگا۔ کیسے کیسے ظلم ڈھائے ہوں گے۔ وہ نفیسہ اور ارشد کی موت میں ہو گی تھی۔"

"آؤ۔ آؤ۔ نواب صاحب شاید اس کی ذہنت بھانپ گئے تھے۔" وہ لے اور انھوں نے مشکل سے خود کو سنبھالا دیا۔

"اوہ۔ آؤ۔ آؤ۔ میں بھی بیٹے کو نہیں آنے دیکھ رہا تھا۔" نواب صاحب کے ساتھ گھستے ہوئے بولا۔

"اس کے علاوہ تمہیں ایک بہت بڑی خوشخبری سے ملواؤں۔" نواب صاحب اسے طاقت کے سامنے لاتے ہوئے بولے۔

"بڑی خوشخبری۔ کیا ہے؟" شفیق نے کہا۔

"شہزادہ جلال شہزادہ سالم ایک بہت بڑی ریاست کے شہزادے۔" نواب صاحب نے تعارف کرایا۔

"ہماری ریاست سے بھی بڑے۔" شفیق نے کہا۔

"ہاں اتنے بڑے کہ شاید تمہاری پوری ریاست کی قیمت یہیں کھڑے کھڑے ادا کر دیں۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔

"ہیلو۔" طاقت نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا اور شفیق نے سیاہ چشمہ اتار کر اسے دیکھا۔ پھر شہزادہ آنکھوں سے جادو کرانت نکالتے ہوئے بولا۔

"ہیلو۔" اور اس نے طاقت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کچھ گیشے کی طرح طاقتور تھا وہ لیکن اچانک اس کے چہرے پر کھلاہٹ کے آثار نظر آنے لگے اور پھر وہ ایک طرف جھک گیا۔ تب طاقت نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"ہیلو۔" اس نے میری طرف دیکھا لیکن ہاتھ ملانے کی جرات نہیں کی۔ اس کے چہرے پر تعریف کے آثار تھے۔ شفیق نے بھی اخلاق سے سر خم کیا اور پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف

"اوہ۔ انکل میرے لیے اس سے بہتر تحفہ ہو ہی نہیں سکتا۔ میں واقعی بہت خوش ہوں۔ اب ہم دوست بن کر رہیں گے اور ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔"

"ہوں۔" نواب صاحب گلوگیر آواز میں بولے "لیکن یہ سب تو خدا کی مشیت سے طے ہوتا ہے۔"

"اوہ انکل۔ کیا ہم نے دنیا میں ایک دوسرے کے نام پہلے سے نہیں سنے تھے؟ وہاں ہم انھیں باتوں سے پہچانے جاتے تھے اگر یہاں ان لوگوں نے ہمیں کہیں ہم کا تھا؟"

"مکالمہ بس۔ تا شہ نیا ست دوبارا۔"

"لیکن اب تو تم واپس آچکے ہو۔" نواب صاحب نے واپس پلٹتے ہوئے کہا۔

"اوہ ڈیڈ انکل۔ یہاں کی فضائیں کیسی گھٹن محسوس ہوتی ہے میں آگیا ہوں انکل۔ لیکن یہاں زندہ نہ رہ سکوں گا۔ میں چاہتا ہوں گولی مار دوں ان سب کو جنھوں نے۔ نہ جانے یہاں کس طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ کیوں ڈیڈ ہیپی ڈیڈ۔"

"آن کورس۔ بٹ کول بس۔ اپیڈرونے کوٹ کے اوپر اپنے بازوؤں کی مچھلیوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ نواب صاحب کچھ نہ بولے لیکن ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ مجھے ہنسی آرہی تھی اور طالوت بھی ۔۔۔ دلچسپ نگاہوں سے اس پورے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ بہرحال سب اندر پہنچے تھے کہ کالی بھتہ شیشہ والے کے لیے بھایا گیا تھا۔ انہیں لایا گیا بھایا گیا۔ نواب صاحب کے اشارے پر بھیں وغیرہ ان خدمتگار کی طرف چلی گئیں۔ ہم دونوں الیکٹرشیشہ والے کے ساتھ ان کی رہائش گاہ تک آئے تھے۔

نواب صاحب کے چہرے پر سخت بے چینی نظر آرہی تھی۔ لیکن وہ برداشت کیے ہوئے تھے۔ "آپ کی کوٹھی بہت خوبصورت ہے انکل۔ لیکن اس کے کچھ حصوں سے قدامت پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ لوگ اپنا مائنڈ کیوں نہیں بدلتے انکل۔ اگر آپ نے یہ کوٹھی مجھے دیدی۔ میرا مطلب ہے شیخی کو دیدی تو میں اس کا ڈیزائن بدل دوں گا۔ اس کو یکسر تبدیل کر دوں گا۔ کیوں ایڈگر۔؟"

"آف کورس یس۔ میں اس کا ڈیزائن پیرس تک کے آرکیٹیکٹ سے بنوا دوں گا۔ سی زمانی فرینڈ۔"

"اچھا۔ اب تم آرام کرو۔ دوپہر کے کھانے پر ملاقات ہوگی۔ نئے حاول یہاں۔ آؤ سائم یہاں۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ۔ آپ لوگ سے پھر ملاقات نہ ہے گی۔ ویسے آپ لوگ کس سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔؟"

"تفصیلی ملاقات پر بتاؤں گا۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ گو ان کا جی چاہا کہ پلٹ پڑے۔ نواب صاحب نے میرے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہوا تھا۔

ہم اس حصے سے نکل آئے۔

"مجھے افسوس ہے سائم یہاں۔ آپ لوگوں کو تکلیف کا سامنا ہوتا ہوگی۔" ماتے میں نواب صاحب نے عجیزانی ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہ۔ نہیں نواب صاحب۔ یہ یہاں وہ آپ کے لئے اسی طرح جانے لگے۔ ہاں اگر آپ کو کوئی تکلیف ہو تو تکلف نہ کریں۔ ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔" طالوت نے کہا۔

"مجھے شرمندہ نہ کرو بیٹے۔" نواب صاحب نے کہا اور تیز تیز آگے بڑھ گئے۔ طالوت انھیں جاتا دیکھتا رہا اور پھر مسکراتا ہوا تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ پھر اس نے میری شکل دیکھی اور ہنس پڑا۔

"ہیلو۔ مسٹر ایرف۔ ہاؤ ٹریو۔" اس نے مذاقیہ لہجہ میں کہا اور مجھے بھی ہنسی آگئی۔

"ایک بات بتاؤ۔" میں نے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور طالوت سوچنے لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "تم نے اس سے مصافحہ کیا تھا"

"ہاں۔" طالوت ہنس پڑا۔

"اس کے بعد اس نے مجھ سے مصافحہ نہیں کیا۔"

"سمجھدار آدمی ہے۔ ویسے دوپہر کے کھانے پر دیکھنا۔ مصافحے کا اثر تو اب ظاہر ہوگا۔ ویسے اس نے اپنے ہاتھ کی مضبوطی کا اظہار کیا تھا۔ لیکن زندگی بھر پچھتائے گا۔"

"میں نے محسوس کیا تھا۔" میں ہنستے ہوئے بولا۔ اور ہم دونوں ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

"کیا خیال ہے عامر۔ کیا ہمارا دورہ نہیں ہو گئی۔؟"

"میں نہیں سمجھا۔" میں نے کہا۔

"پیچ مانو تو میں بھی کچھ کچھ کمزوری سی محسوس کرنے لگا تھا لیکن اس ایٹومی بندے کے آجانے سے اچانک دلچسپیاں پیدا ہو گئی ہیں۔"

"عجیب آدمی ہے۔ ویسے تم نے ایک بات محسوس کی۔؟"

"کیا۔" طالوت نے دلچسپی سے پوچھا۔

"خود نواب صاحب کے بھی ہوش اڑ گئے ہیں۔"

"ظاہر ہے۔ اوہ عامر۔ بس انتظار کرو۔ یہ خشک سی جگہ تو اچانک نادر بن گئی ہے۔ ابھی تو یہاں دلچسپیاں جنم لیں گی۔ فالحال شیخی صاحب کا بھی رنگ دیکھنا ہے جو اچانک ہیرو بن گئی ہیں۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا۔

وہ چلتے چلتے رک گئے۔ طالوت کا ذہن ایک دم الجھ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے کپکپا رہے تھے کہ یہ کیا ہونے والا ہے۔ تبھی وہ ہنس پڑا۔

"کیا ہوا۔" میں نے اس کی شکل دیکھی۔

"کچھ نہیں۔" اس نے کہا۔ "ہم لوگ بہت ہی عجیب ہیں۔ ہے نا۔"

"ہاں۔ یہ تو ہے۔" میں نے کہا۔

"ہم ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے دل ایک دوسرے کے لیے کتنے نرم ہو گئے ہیں۔ ہے نا۔"

"ہاں۔ یہ بھی ہے۔" میں نے کہا۔

"ہم ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ لیکن اس کے باوجود ہم ایک دوسرے کے لیے کتنے فکرمند ہیں۔ ہے نا۔"

"ہاں۔ یہ بھی ہے۔" میں نے کہا۔

"ہم ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ لیکن ایک دوسرے کے لیے کتنے مخلص ہیں۔ ہے نا۔"

"ہاں۔ یہ بھی ہے۔" میں نے کہا۔

"ہم ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ لیکن ایک دوسرے کے لیے کتنے ہمدرد

لمحوں میں ملتوی ہو گیا۔

وہ سب کے کھانے کا انتظام کرنے میں مصروف ہو گئی۔ ملازمہ نے آکر خانہ سامانی بتائی کہ وہ ختم ہو چکا ہے۔ ہم کھانے کے لئے ہوٹل چلے گئے۔ شیخ صفدر سیاسی باتوں کے ماہر تھے۔ نواب صاحب بھی ہوٹل کے ایک کمرے تک محدود نہیں تھا۔ نواب صاحب نے کھانے ہوٹل منگوانے کا انتظام کیا۔ اور ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"شروع کریں۔" نواب صاحب نے اپنے سامنے کی پلیٹ میں چمچہ گھماتے ہوئے کہا۔

"انکل، آپ کہاں ہیں۔" شیخر الدولہ نے حیرانی سے کہا۔

"وہ دوسری میز کے ساتھ کرسی پر۔"

"نو۔ نو انکل۔ میں نہیں کھاؤں گا۔" کیا بات ہوئی۔ میں اتنے عرصے کے بعد ملی واپس آیا ہوں اور آپ سب لوگوں کے ساتھ اچھا وقت گزارنے۔ ہم سب مل کر کھانا کھائیں گے اور میں دیکھنے۔ میں آپ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ آئی سی۔ دیکھنے۔ میں ایک دم سے کھانے اور ڈانس والے ہوٹل پر جانا چاہئے۔ یس!" شیخر الدولہ خوش ہوتے ہوئے ہنسنے لگا۔ نواب صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا لیکن وہ برداشت کر گئے۔

"تم نے کہا۔ آپ میں کتنے مورگن ہیں شیخر؟" انہوں نے ہلکے سے پوچھا۔

"وہ دوسری میز کے ساتھ کرسی پر۔"

"نو۔ نو انکل۔ میں نہیں کھاؤں گا۔" کیا بات ہوئی۔ میں اتنے عرصے کے بعد ملی واپس آیا ہوں اور آپ سب لوگوں کے ساتھ اچھا وقت گزارنے۔ ہم سب مل کر کھانا کھائیں گے اور میں دیکھنے۔ میں آپ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ آئی سی۔ دیکھنے۔ میں ایک دم سے کھانے اور ڈانس والے ہوٹل پر جانا چاہئے۔ یس!" شیخر الدولہ خوش ہوتے ہوئے ہنسنے لگا۔ نواب صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا لیکن وہ برداشت کر گئے۔

"تم نے کہا۔ آپ میں کتنے مورگن ہیں شیخر؟" انہوں نے ہلکے سے پوچھا۔

"وہ۔ یہ ایک لمبی داستان ہے انکل۔ بعد میں بتاؤں گا۔ تو میں نے ان لوگوں سے آپ کا بہت تعریف کیا ہے۔ آپ شہر میں خود آنے کو بلا کر تا ہوں۔" شیخر الدولہ نے کرسی کھینچتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں۔ تم بیٹھو۔ وقت۔ بیگم اور بچوں کو بلا لاؤ۔" نواب صاحب نے ایک ملازم سے کہا اور ملازم سر ہلا کر چلا گیا۔ نواب صاحب کے چہرے سے ان کی ذہنی کیفیت کا اظہار ہوتا تھا لیکن وہ بے بس تھے۔ یہ شاید صفدر الدولہ کا ایسا کا دوست تھا کہ وہ شیخر کو برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ پھر۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ تھوڑی دیر بعد تینوں لڑکیاں اور بیگم نواب کھانے کے کمرے میں آگئیں۔

نواب صاحب نے خاموشی سے کھانے کا آغاز کیا اور کھانا شروع ہو گیا۔ شیخر الدولہ تمام باتوں سے بے نیاز ہو کر کھانوں پر جھک گیا تھا۔ وہ خود کو ان کھانوں سے اپنی ظاہر کر رہا تھا۔ پارٹی کے کھانوں کی کیا بات تھی۔ ایک سے ایک شاندار ایک سے ایک خوبرو۔ نواب صاحب خاموشی سے برداشت کر رہے تھے۔ میں اور طالوت کافی محظوظ ہو رہے تھے۔ اور طالوت بار بار میری شکل دیکھ رہا تھا۔ لیکن میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس کے کسی تاثر کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ جبکہ دونوں لڑکیوں کو کئی بار ہنسی روکنے کی کوشش میں خاصی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ بہرحال نواب صاحب نے کھانا کچھ جلدی ختم کر لیا۔

لڑکیاں اور بیگم نواب بھی اٹھ گئیں۔ وہ پھر وہ باہر نکل گئی تھیں۔

"آپ کیا کہتے ہیں۔ ہم کہیں جائیں۔ ہوٹل یا کلب۔" شیخر الدولہ نے کہا۔

"میں۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔" نواب صاحب نے نرمی سے کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا آپ نہیں جائیں گے۔" شیخر الدولہ نے حیرت سے پوچھ

"تم یہ لوگوں کی نگاہ سے چھپ کر آنا چاہتے ہو؟"

"فرض کی بات ہے۔"

"تو پھر ہو جاؤ۔ وہ دیکھو سامنے کی اور بائیں طرف دیوار کے ساتھ ساتھ۔"

"شکریہ جہاں پناہ۔ ہم خود ہو کر لو۔"

"ذرا شاہ کی بیگ۔ ماہم بھی۔ مگر جلدی۔ ماہم نے گھبراہٹ کا اظہار کیا تھا اور بیگ نے اسے تسلی دی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اس نے کھڑکی کھولی اور باہر جھانکا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹا۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں۔ وہ کھڑکی سے دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا جسم لرز رہا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر سب ہی چونک پڑے تھے۔ بیگ نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"کیا ہوا تھا؟" بیگ نے پوچھا۔

"کیا ہوا تھا۔" ماہم نے بھی اسی کے انداز میں پوچھا۔

"بہت برا ہوا ہے۔ بہت برا ہو گیا۔" طالوت نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ دوڑتا ہوا کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اس نے کھڑکی کھولی اور باہر جھانکا۔ اس کے بعد وہ بھی اچھل کر پیچھے ہٹا تھا۔ اس کا چہرہ بھی خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں۔ وہ کھڑکی سے دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا جسم لرز رہا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر سب ہی چونک پڑے تھے۔ بیگ نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"کیا ہوا تھا۔

شاہ کی چاپلوسی پر بہت خوش ہوتے تھے۔ ہمارے لیے ہدایتیں لگائی گئی تھیں اور ہم بڑی کرسیوں پر خاصے باادب بیٹھے تھے۔ ہم دونوں نے ایک ہی طرح کی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ بس فرق یہ تھا کہ شہزادہ عادل کے سر پر ایک چھوٹا سا تاج تھا۔ اس کے علاوہ ہم میں کوئی فرق نہیں تھا۔ لیکن اس کا چہرہ اتنی خوشی سے تمتما رہا تھا کہ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ شہزادہ ہے۔

ہم لوگ جونہی اندر پہنچے دوسری طرف سے شہزادہ فیروز اپنے باجانوں کے ساتھ داخل ہوا۔ ہمیں دیکھ کر اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔ لیکن پھر بھی ہم ساتھی تھے۔ نواب صاحب نے آگے بڑھ کر ہم لوگوں کا تعارف کرایا۔ وہ بہت خوش اخلاقی سے پیش آئے۔

"بیٹھو بھئی بیٹھو۔ السلام علیکم۔ آؤ شیر شیر۔" انہوں نے کہا اور شیر شیر کے نام سے ہی وہ اپنے تئیں کیا کر سکتے تھے۔

"تسلیم بولو انکل۔" شیر شیر نے اس انداز کو محسوس کر لیا اور گویا اعلان کر دیا گیا۔ "بیٹھو بھئی کیسی ہو۔" اس نے باقی سب کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"انکل۔ غلط بھئی۔ ہمیں اپنی اس بے ہودہ بے تکلفی پر بہت غصہ آیا تھا۔ شہزادہ فیروز نے ہماری طرف اشارہ کر کے نواب صاحب سے کہا۔

"ہاں ہاں ہمیں اور آپ کو فیروز کی طرح ہی گردانیں گے۔ شہزادہ عادل اور شہزادہ سالم بھی تمہارے ساتھ ہوں گے۔" نواب صاحب نے جلدی سے کہا۔

"اوہ۔ علیحدہ علیحدہ۔" شہزادے نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔

"آپ دونوں حضرات کب تک یہاں قیام کریں گے۔" شہزادے نے ہم سے سوال کیا اور نواب صاحب کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس سے قبل کہ نواب صاحب بات بنا کر کسی کو کوشش کرتے طالوت جلدی سے بول پڑا۔

"آپ کے آنے سے قبل ہم یہاں سے جانے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ لیکن آپ کے آنے سے حالات ہی بدل گئے ہیں۔ اس وقت کو چھوڑیں ہم کیسے بتانا چاہتے ہیں یہ بتائیے آپ نکاح کریں گے نواب صاحب جب تک آپ کا قیام ہے ہم بھی یہاں رہیں گے تاکہ آپ کو کسی قسم کی دقت کا احساس نہ ہو۔ آپ جیسی کیا بات ہے میرا مطلب ہے دلچسپ شخصیت کو چھوڑ کر واپس جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

طالوت کی گفتگو کے دوران میں ہمیں کن انکھیوں سے دیکھتا رہا تھا شیر شیر کے بے تکے سوال پر ہمیں کے چہرے میں ہم تھوڑی سی تبدیلی ہوئی تھی لیکن طالوت کے جواب پر اس کے ہونٹوں پر ایک بڑی سی مسکراہٹ پھیل گئی دوسری طرف نواب صاحب نے بھی اس جواب پر سکون کی سانس لی اور جلدی سے بولے۔

"ہاں ہاں بیٹا۔ یہ آپ کا گھر ہے۔ جب تک آپ کا جی چاہے آپ یہاں قیام کریں۔"

شیر شیر کو اطمینان حاصل ہو گیا۔ اسے کچھ اور کہنا نہیں تھا۔ بہرحال چائے کے بعد نواب صاحب نے ہم سب کو اپنے مہمانوں کی خاطر مدارات کی ذمہ داری تفویض کر دی اور پھر خود ان کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ ہمیں کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ شیر شیر سے مخاطب ہو کر بولی۔

"تیار ہو جائیے۔"

"اوہ صرف چند منٹ کی امانت۔" شیر شیر جلدی سے بولا اور پھر اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے واپس مڑا۔

"آپ لوگ بھی۔" ہمیں ہماری طرف اشارہ کر کے بولا۔

"جو حکم۔" طالوت نے کہا۔ اور ہم دونوں بھی ہمیں کے نقش قدم پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔ "میں ان لوگوں کی کافی خاطر تواضع کر لیتا۔ یہی یہاں سے دال۔ تے۔ میں ہو جائے لیکن ان لوگوں کو بے سہارا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ انہیں ہماری ضرورت ہے اور یہ ترکی سیدھا مطلب ہے ہمیں۔ میرا خیال ہے وہ قربانی دینے کے لیے تیار ہو گئی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس کی ماں نے اس سے گفتگو کی ہے۔" میں نے تم سے متفق ہوں۔ میں نے کہا۔

"ابھی اس انگور کی کیا مجال ہے جو اس طرح کا بال بھی بیکا کر سکے۔" طالوت نے خیالی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

"خاصے۔ دیر کر دی۔"

"اب تو ایسا ہی ہو گا۔" طالوت نے کہا اور پھر ہم اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔ "نام۔" طالوت نے آواز دی۔

"آقا۔" فوراً حاضر ہو گیا۔

"انتہائی خوبصورت کے وٹ دکھائی دیں اس پر کچھ لوگ مدعو جواب نہ ہو۔ ہم مقابلہ حسن میں شرکت کرنے جا رہے ہیں۔" عمر ہم گیا اور واپس آ گیا۔ حجیہ تراش کے دو بلے دو بجے کے سوٹ لے آئے تھے طالوت نے تیاری پر خاصا وقت صرف کیا اور پھر مجھے بھی ہدایت کی جلد ہی پھر ہم شاہ کے کمرے میں آئیں۔ "سلام شہزادے بھیجا۔ چھوٹی بی بی کہاں ہیں۔ باہر گاڑی میں۔"

"اوہ بھئی۔ کہاں غائب رہتی ہیں آپ۔ میری آنکھیں تو ہر وقت آپ کو تلاش کرتی رہتی ہیں۔" طالوت نے کہا۔ بھائے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے ہماری طرف دیکھا لیکن پھر جلدی سے نظر جھکا لی۔

"جلدی چلو بھیجا۔ بابا جی۔" اور پھر وہ جھپاک سے باہر نکل گئیں۔ ہم دونوں بھی ہنستے ہوئے باہر آ گئے۔ آج نواب صاحب کا کافی ہاتھ استعمال میں تھی۔ ہمارا کار بھی پورا تھا اور ہم دونوں ہی بہت خوش تھے شیر شیر کہنے تو ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ ہمیں کے نزدیک نفیسہ

نفیسہ کے ساتھ ہی ہمارے لیے بھی دل میں جگہ تھی۔ وہ اگر ہمارے لیے جان دینے کو تیار تھی تو ہم بھی اس کے لیے کچھ کم نہیں تھے۔ دوسری بات یہ کہ جتنے دن ہماری جان کا خطرہ ٹل جاتا اتنا ہی بہتر تھا۔ کیونکہ ہمیں کے ساتھ ہی ہمارے بھی کارنامے منسوب کیے جا رہے تھے۔ آدھی رات تک ہم لوگ ہنستے رہے۔ شیر شیر نے کافی دیر تک ہمیں کے بارے میں باتیں کیں۔ طالوت نے بھی اپنی کافی داد وصول کی۔ شیر شیر سو گیا تھا پھر اس نے طالوت کی طرف رخ کر کے کہا۔

"میرا خیال ہے شہزادہ عادل سے آپ کو کافی دوستانہ کی زیادہ مشق نہیں ہے؟"

"ہاں۔ ہمارے ہاں کاروں کا استعمال کم ہے ہم عموماً سواری زیادہ پسند کرتے ہیں۔ میرا مطلب ہے گھوڑے۔"

"اوہ۔ ڈرائیونگ کے بغیر کیا مزہ ہے۔ لیکن ڈرائیونگ کتنے عرصے میں سیکھی جا سکتی ہے۔ میرا مطلب ہے کتنے عرصے میں کافی مہارت حاصل کی جا سکتی ہے؟"

"چھ ماہ۔ سال۔" طالوت نے کہا۔

"چھ ماہ میں نے ڈرائیونگ چھوڑ دیا تھا۔" شیر شیر جلدی سے بولا۔ پھر کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے کل آپ سے مقابلہ ہو جائے۔"

"آپ آخر کل جلال الدین کے مہمان ہیں۔ آپ کے لیے تفریح مہیا کرنا ہمارا فرض ہے۔ لیکن کیا اعتراض ہو سکتا ہے کیوں میرا مطلب ہے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔ تیز فراری سے دو کاریاں بھی جا چکی تھیں۔ لیکن یہ بات کیفیت آپ جانتا ہوں کی آنکھوں میں ہونے کا اثر دیکھ رہے تھے۔

"اوہ تم لوگوں کو کیا ہوا۔" شیر الدولہ نے چونک کر ان سے پوچھا۔

"شہزادہ عادل ڈرائیونگ کی ایجاد سے بھی واقف نہیں معلوم ہوتے۔" پیشہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"بچھا اعتراف ہے۔ پہلے بھی اعتراف کر چکا ہوں۔" عادل نے مضحکہ آمیز انداز میں کہا۔

"مگر ہوا کیا۔" شیر شیر نے غصہ گھورتے ہوئے کہا۔

"تمام راستے شدید جھٹکے لگتے رہے اور اب ہماری ریڑھ کی ہڈیاں جواب دے چکی ہیں۔" نائیٹ نے کہا۔

"اب ایسا بھی نہیں۔ ہم دونوں تو ٹھیک ہیں۔" سالم نے پھر بولا۔ میں نے میں کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ دیکھی تھی۔ جسے وہ چھپا گئی۔ شیر شیر سامنے بنائے بیٹھا تھا۔ پھر اس نے اپنا سر موڑ کر سالم کی طرف دیکھا اور بولا۔

"کتنا حسین منظر ہے۔ کیا شے ہم سیر کریں۔" اس نے کیا کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا ہوا تھا لیکن میں جلدی سے آگے بڑھ گئی۔ شیر شیر بھی

کے ساتھ چل پڑا تھا۔

"آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟" طالوت نے آہستہ سے فرمایا سے پوچھا۔

"آپ نے کہا تھا کہ کھانا بھی ہوگا۔ ہم آرام کریں گے۔" سیمیں نے جواب دیا۔

"تھوڑی دیر ہو جائے۔ تھک دور ہو جائے گی۔" آہ نصرت آہ۔" طالوت لڑکوں سے بولا۔ سیمیں کی ماں کی موت کے اچانک پن پر وہ بھی حیران تھیں۔ بہرحال وہ طالوت اور چچا کے ساتھ آگے بڑھ گئیں۔ ان تینوں لڑکیوں سے وہ بھی مانوس ہو چکی تھیں۔ نصرت اور ہاجرہ بڑبڑ چل رہی تھیں۔

"ایک بات پوچھوں صاحب؟" روشنی نے اچانک طالوت سے پوچھا

"ضرور پوچھیے۔" وہ مسکرا دیا۔

"اس کنویں کا پانی آپ کیسی طرح لگا؟" ۔"

"اے ہیں۔ خود کو بھول گیا۔ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا!" طالوت نے مسرت سے جواب دیا۔

"ماں کہیں۔ آپ لوگوں کی عنایت ہے۔ مہمان کہیے مگر الفاظ کے لئے۔"

"اچھا اس بحث کو رہنے دیجیے۔ وہ تھا کیا پانی؟" طالوت نے مسکرا کر ہونٹ بھینچ لیے اور روشنی کا ذکار کرتے ہوئے کہا۔ اور روشنی ہنسنے لگی نصرت بھی ساتھ مل رہی تھی۔ بقیہ لڑکیاں پیچھے رہ گئی تھیں۔

"سالم صاحب۔" اچانک نصرت نے آہستہ سے کہا اور میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "آپ لوگ عمر تک نہ بجھائے جا سکیں گے۔ آپ بہت بڑے لوگ ہیں۔ لگتا ہے آپ ہمیں تسلی سے فراموش کر دیں۔"

"آسانی سے نہ کہیں نصرت صاحب۔ ہمیں بھی خاصی مشکلات پیش آئیں گی۔"

"جیتوں سے اتنی مکیت کیوں ہو جاتی ہے سالم صاحب۔؟" نصرت غریب سے انداز میں بولی۔

"دل کا کام بغاوت ہے۔ اس پر قابو رکھنا ضروری ہے۔" میں نے کہا۔ میں اس لڑکی کو رنجیدہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ سیدھے چلتے حالات بھڑکا سکتے تھے اور میں یہ نہیں چاہتا تھا۔

"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ بہرحال آپ دل کے بھی بہت اچھے ہیں۔ میں شاید زندگی کے کسی دوراہے پر آپ کو بھول جاؤں اور سر کوٹنی کے انداز میں بولی اور پھر جلدی سے کہنے لگی۔ "شیر صاحب کے آنے سے حالات کسی قدر کنفیوژ ہو گیا ہے لیکن میں آپ لوگوں کی بڑائی کی قائل ہوں۔ آپ نے جس طرح ہوا کو نظر انداز کیا تھا۔ اسی طرح انہیں بھی کر دیا ہے۔"

ابھی وہ کچھ نہیں۔ اگر آپ پسند کریں تو ہم سنگ باری بتا دیں۔" میں نے کہا۔

"ضرور پوچھیے۔" وہ مستعد ہو گئیں۔

"کیا سیمیں شیر کو پسند کرتی ہیں۔؟" میں نے سوال پر نصرت نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر بولی۔

"اس سوال کا جواب آپ ہی دیں تو بہتر ہے سالم صاحب۔ کیا کوئی لڑکی شیر کو پسند کر سکتی ہے۔"

"میرے لئے ٹیڑھا سوال ہے۔"

"اندازہ تکلف کچھ نہ کہیں۔" میں آپ کے سوال کا جواب دے کر سیمیں پر شیر سے منسوب ہے۔ جانے نا سمجھی کی بات کی اجازت نہیں لیتے کہ ہم والدین سے بغاوت کریں۔"

"کیا آپ کو سیمیں کے دل کا حال معلوم ہے۔؟"

"میں اور روی اس کی گہری دوست ہیں۔"

"لیکن شیر کے ساتھ اس کا رویہ دیکھ۔"

"وہ اپنے والدین کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی۔ بڑا کرم ہے بارے میں اور کوئی سوال نہ کریں۔" نصرت نے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔ ہاں یہی مجھے یقین تھا کہ سیمیں کے رویے میں تبدیلی کسی خاص وجہ سے ہے۔ بہرحال طالوت ان لوگوں کا مسئلہ حل کرنے پر تیار تھا اور یہ بے حد مسرت کی بات تھی۔

باتوں میں وقت گزرنے کا پتا نہ چلا۔ نہ جانے شیر سیمیں کو کہاں لے نکل گیا تھا۔ وہ بدفطرت انسان سیمیں کے ساتھ کوئی برسلوکی بھی کر سکتا تھا۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا اور طالوت رک گیا۔ وہ سیدھا دیکھ آگیا تھا۔!

"بگل ہے عادل۔ کہیں سیمیں خاتون کسی دشواری میں نہ گرفتار ہو جائیں۔"

"اوہ۔ ہاں۔ آیئے۔ انہیں تلاش کریں۔" طالوت بولا۔ اور ہم نے رُخ بدل دیا اور پھر ہم تیزی سے اس طرف چل پڑے۔ مگر ہر شیر نیچے اتر گئے تھے۔ وہ سے وہ ہمیں پتھروں پر بیٹھے نظر آ گئے۔ سیمیں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اور شیر اس سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ ہم سب ان کے نزدیک پہنچ گئے۔

"ابھی آج کی سیر میں لطف نہیں آ رہا۔ کیوں شیر صاحب؟ کیا اس حسین عمری میں نہ جانا گناہ نہیں ہے۔" طالوت نے کہا۔

"اس وقت۔ اور پھر پانی ٹھنڈا ہے۔"

"ارے ہاں۔ آپ کو زکام ہو جائے گا۔ آؤ سالم۔ ہم گھر جائیں۔"

"ایسی بات بھی نہیں ہے۔" شیر نے کہا۔ اور عادل سے کھڑا ہو گیا اور پھر وہ ہمیں کی طرف رُخ کر کے بولا۔ "آپ کا جانا ہے؟

یہ حالت اس طرح ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چلے گئے ہوں آ رہے ہوں۔ میں طالوت کی چال نہیں سمجھ سکا تھا ان کی اوٹ میں کیا کر رہے ہوں۔ میں نے کہا۔

"کیا کر رہے ہو۔ سر درد کا کچھ ابھرا ہوا پانی ہے۔ ایک غوطہ لگا لیا تو سارے درد ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"تو پھر۔؟" میں نے میت سے کہا۔

"فیصل شیر زادہ کو نہانے دو۔" طالوت نے کہا اور میں نے قہقہہ لگایا۔ "ہم چند ساعت انتظار کرتے ہیں۔ طالوت نے قہقہہ ہنس پڑا۔ "ہم چند ساعت انتظار کرتے ہیں۔ طالوت وہ سر کو طالوت جھکتا رہا۔ پھر اس نے شیر کو پانی میں چھلانگ لگتے دیکھا اور نے دعا علیہ راجعون۔" وہ بولا۔ اور میرا ہاتھ کچھ پانی کی طرف سے نکل آیا۔ لڑکیاں ہماری منتظر تھیں۔ لیکن ہمیں لباس پہنے دیکھ کر وہ رونگ پڑیں۔ اور اچانک سیمیں نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

"کیوں۔؟" وہ بولی۔

"ہم نے پروگرام ملتوی کر دیا ہے۔ پانی واقعی ٹھنڈا ہے!" طالوت نے سوکھے منہ سے کہا اور لڑکیاں پیٹ پکڑ کر ہنسنے لگیں۔ دوسری طرف شیر بہادر کا بُرا حال تھا۔ دانت بھینچے گئے تھے۔ آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ جھٹکے میں پانی میں کودتے ہی وہ دُور نکل گیا تھا۔ اور اب شاید اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے تھے۔

"پانی ٹھنڈا تو نہیں ہے شیر صاحب۔؟" طالوت نے ایک لگائی لیکن شیر صاحب کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی۔ البتہ وہ بدحواسی کے عالم میں کنارے کی طرف واپس آ رہے تھے۔ نہ جانے کس طرح وہ اوپر آئے لیکن کیفیت یہ تھی کہ ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے۔ پاؤں بری طرح کانپ رہے تھے۔ اور وہ بُری طرح کانپ رہے تھے۔!

"دیکھا۔ میں نہ کہتا تھا۔ پانی ٹھنڈا ہوگا۔" میں نے طالوت کو گھورتے ہوئے کہا۔

"آپ ٹھیک ہی کہتے تھے سالم بھائی۔" طالوت نے سعادتمندی سے کہا

"ہم۔ ہم۔ میرے۔ سس۔ سس۔ ساتھیوں۔ کو۔ یہ۔ بادہ۔"

شیر بُری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

"اے۔ کیا بات ہے۔ سردی لگ گئی ہے شیر بھائی۔" طالوت نے تعجب سے پوچھا۔

"ہم۔ میرے۔ ال۔ لباس۔" شیر بھائی کی کیفیت میں تھا میں نے نصرت کو اشارہ کیا۔ اور نصرت اس چٹان کی طرف چلی۔ دوسری طرف طالوت نے آگ "بڑھ کر کہا۔

"ہاں۔ لباس۔" اس کے الفاظ میں ہی سن سکا تھا۔ اور میں نے واقعی شیر پر ترس کھانا شروع کر دیا۔ نصرت پریشانی سے واپس آئی۔

"وہاں تو نہیں ہے۔"

"ہیں۔ کہاں گیا۔ دیکھو تم لوگ۔" میں نے شیر کی حالت سے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ اور دوسری لڑکیوں نے اس سے کہا کہ شاید سمجھ

جس لڑکے سے وہ کپڑے لیے تھے وہ بھاگ گئے۔ شیر کا لباس ہوگا تھا اور وہ کپڑے لے کر کسی طرح کا نپ رہا تھا۔

"کہاں مرگئیں گئیں۔" میں اور اس طرف بڑھ گیا جہاں شیر نے لباس اُتارا تھا لیکن لباس نہ ملا۔ طالوت بڑبڑاتا ہوا سیمیں سے مخاطب تھا۔ پھر سیمیں لڑکیوں کے ساتھ واپس آئی۔ وہ پریشان تھی لیکن چٹان کے دوسری طرف جا کر وہ بھی شاید کچھ سمجھ سکی تھی۔

"نہ جانے کہاں گیا۔" وہ پریشانی سے بولی۔ اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ "فیصل تم بھائی جان کو کوٹ دے دیجیے۔"

"اوہ۔ ضرور۔ ضرور۔" میں نے طالوت سے کوٹ لے کر سیمیں کو دے دیا۔

"سردی شاید بڑھ رہی محسوس ہو رہی ہے۔ آپ لوگ بیٹھ رہیے بھی اندر جائیں۔"

"ہم۔ میرے۔ سس ساتھیوں کو۔" شیر نے بڑبڑانا شروع کیا۔

"اچھا۔ اچھا۔ میں جاتا ہوں۔" طالوت نے کہا۔ اور تیز قدمی سے ان لوگوں کی طرف بڑھ گیا جو ابھی تک اپنے جوتے پہن رہے تھے۔ پھر شیر کو عجیب حالت میں کانپتے لے جایا گیا۔ وہ سر کو کوٹ پہنے ہوئے تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ اپنے حواس میں نہیں تھا۔

"آپ لوگ ذرا شیر کو تنکیہ چلیے۔ ہم دوسری گاڑی میں آتے ہیں۔" طالوت نے شیر کے ساتھیوں سے کہا۔

"میں بھی ساتھ جاؤں گی۔" سیمیں نے کہا۔ اور طالوت چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی۔ سیمیں نے آگے بڑھ کر شیر کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر صاحب کی کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

طالوت نے ایک گہری سانس لی۔

"کہیں یہ جلد رشتے میں نصرت نہ ہو جائے۔" روشنی نے کہا۔

"نہیں بُرا نہیں۔ البتہ کم۔" وہ جلدی سیمیں کا شیر سے نصرت نے سنجیدگی سے نبھائیں گی۔ اور روشنی خاموش ہو گئی۔ ہم سب لوگ بھی گاڑی کی طرف بڑھ گئے تھے۔

"مگر تیروں کا تو سب ہے۔ کپڑے کہاں گئے۔"

"کسی کی شرارت بھی نہیں ہے۔ کوئی اس طرف نہیں گیا۔ ایک لڑکی سنجیدگی سے بولی۔

"کہیں اس کے بال میں چھلانگ تو نہیں لگا لی۔" روشنی نے کہا میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ میں نے شیر کی سنبھال لیا۔ اور طالوت میرے برابر بیٹھ گیا۔ نصرت نے ہم دونوں کی طرف دیکھا۔ اور ہنس پڑی۔ نہ جانے کیوں۔! اس کے ساتھ ہی لڑکیوں کی ہنسی بھی اسٹارٹ ہو گئی۔

"آپ لوگ بھی ٹرچاں کے پیچھے لباس تبدیل کرنے گئے تھے پھر کیا ہوا کہ کیوں شرمندہ کر گیا۔"

"سالم کہاں کہنے لگے کہ شیر بہادر طاقتور ہے اس کے مقابلے طالوت ہے۔"

ہوا تھا۔ وہ اس کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ اس کی ہر بات اس کے لیے نئی تھی۔ اس کے ہر انداز میں ایک نیا پن تھا۔ اس کی ہر ادا میں ایک نئی دلکشی تھی۔ اس کی ہر نظر میں ایک نیا پیغام تھا۔ اس کی ہر مسکراہٹ میں ایک نیا جادو تھا۔ اس کی ہر بات میں ایک نیا رس تھا۔ اس کی ہر حرکت میں ایک نیا حسن تھا۔ اس کی ہر ادا میں ایک نیا انداز تھا۔ اس کی ہر نظر میں ایک نیا پیغام تھا۔ اس کی ہر مسکراہٹ میں ایک نیا جادو تھا۔ اس کی ہر بات میں ایک نیا رس تھا۔ اس کی ہر حرکت میں ایک نیا حسن تھا۔ اس کی ہر ادا میں ایک نیا انداز تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے کہا۔

"کچھ تو ہوا ہے۔" اس نے اصرار کیا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے کہا۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔" اس نے کہا۔

"نہیں۔" میں نے کہا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" اس نے کہا۔

"

سوال سے لاپروا ہی رہا۔

"کیا تم نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا؟" اس نے اپنے سوال کو
ترجیح دی تھی۔

"تم کون تھے، حسان۔" وہ کہتے گئے۔
"یہ تو کام ہوا ہے۔ یہ تو ایک بہت ہی بڑا اعتماد
کرنے والا ہے۔ وہ ایک بہت ہی بڑا کام ہے۔ تم نے بہت ہی بڑا کام کیا ہے۔
اور پھر سوچو گے۔ خاموشی سے بیٹھ کر اپنی غلطی تسلیم کرو گے۔ اور پھر
وہ ہو گا۔ وہ ہو گا جو اس نہیں ہونا چاہیے۔ وہ نہیں ہونا چاہیے۔"

حسین خاموش تھا۔ وہ کہتے گئے۔ "ہاں کبھی کبھی
ایسا ہو جاتا ہے۔ تم۔ تم نے بہت اچھا کیا حسان۔ تم نے بہت اچھا
کیا ہے۔"

"جتنی فوجیں ہمارے ساتھ ہیں ہیں، وہ بھی ہمیں
کبھی نہ کبھی ختم کر ہی دیتیں۔"

"مجھے اس بات کی خوشی ہے حسان۔ میں بھی یہی سمجھتا تھا
کہ ہم ہار جائیں گے۔ ہم ہار جاتے۔ حسین نے بھی یہی سمجھا تھا۔
تم نے بہت اچھا کیا۔ اور حسین کی بے ساختہ کہہ اٹھی۔

"آپ۔ آپ۔ کس حسین۔ آپ نے۔ آپ نے اس کو بہت
خوش ہو گی۔ ۔۔۔ وہ بہت سکون کا وقت ہے۔" لوگوں نے خوشی سے
نعرے لگائے تھے۔ اور حسین کی بے ساختہ کہہ اٹھی تھی۔

ہم نے فوجی طریقے سے سر کھجایا تھا۔ اس نوجوان کا جذبہ دیکھ کر
میں بھی جذباتی ہو گیا تھا۔ "میں بھی تم میں ہی لوگوں کے پیچھے چلا تھا۔
بیٹا۔ میں۔ ہم کبھی اس سکون کے وقت کی زیادت کریں۔"
طالوت نے کہا۔ "ہم ہر گز کے بہت بڑے وقت کے لیے پیچھے گئے اس کا
تجربہ نہیں تھا۔ اور اس کی زندگی ہی پہلی ہار تھی۔

"یہ بہت اچھی۔ یہ بہت اچھا ہے۔" لوگوں نے کہا۔
"سکون کے وقت۔ حسین نے ایک بھی ہوئی شاخ خاکر کر ٹوٹی
ہوئی آواز میں کہا۔ "میں بھی سکون چاہتی ہوں۔ میرے اندر میں شکست لگ گئے
ہیں۔ میرا وجود بھی ٹوٹ گیا ہے۔ میری ہستی کھائی۔ زندگی ایک مطلب ہے وہ پورا
ہو گئی ہے۔ مجھے کسی حقیقی سکون کی ضرورت ہے۔" حسین کی آواز ڈوب گئی۔

"حسین۔ حسین۔ خدا۔ خدا۔ میں تو کہتی کرتی ہوں۔
خدا کی قسم۔ کل تم لوگ کے بہادر ہی بہادر ہو گی۔ میرا خون آپ کی گردن
پر ہو گا۔ حسین۔۔۔ حسین۔ حسین۔ آپ کو ایک خلیفہ ہے۔ میں آپ
کی خلیفہ رہ کے لئے خوشی سے زندگی دیدوں گا۔" نوجوان حسین جذبات
سے مغلوب ہو گیا۔

حسین مسکرا کی تھی۔ وہ نوجوان دور سے دیکھتا رہا۔ پھر
نعرے سے حسین کا جذبہ بڑھا تھا۔ تب حسین کی آواز ابھری۔

"حسان۔"

"جی حسین۔" حسان ایک قدم آگے بڑھایا۔

"تم۔" حسان کے قدم رک گئے۔

"ہاں حسان۔ میں تمہارے طریقے سے بہت خوش ہوں۔ تم نے بہت
اچھا کیا ہے۔ میں تمہارے طریقے سے بہت خوش ہوں۔ تم نے بہت اچھا
کیا ہے۔ تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ تم نے بہت اچھا کیا ہے۔"

"تم۔" حسان کے قدم رک گئے۔

"ہاں حسان۔ میں تمہارے طریقے سے بہت خوش ہوں۔ تم نے بہت
اچھا کیا ہے۔ میں بے حد خوش ہوں۔ اور تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ میں
بہت خوش ہوں

یہ صرف کشش اور ان تھا۔

- مجھے کوئی ۔ کہہ کر احسان نے اس کی بات کاٹ دی۔

- آپ ۔ شیر شاہ صاحب ۔ ویسے ۔ آپ یہ خطاب

- دیکھیے ۔ ہم نے کبھی دوست آپ کے بغیر نہیں ہیں۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ہم نے کبھی دوست آپ کے بغیر نہیں ہیں۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ہم نے کبھی دوست آپ کے بغیر نہیں ہیں۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

- ہم ۔ جی ۔ احسان نے جھک کر کہتے ہوئے کہا: بیٹا کی چائے ۔ آپ کے لئے ابھی لاتی ہوں گی ۔ ۔ ۔

- پہلے ایک بات بتاؤ ۔ طالت بولا ۔ ہماری شادی کو کتنی دیر ہوئی ہے ۔ ۔ ۔ احسان نے سادگی سے گردن جھکا دی۔ اس کے چہرے کھلے کی خوشی طلب ہو گئی تھیں۔

- ہمیں کہیں سے آپ کو خبر بھیجنا چاہیے تھا ۔ ۔ ۔ نہیں کہیں ہے تو اس کے برابر کے مکانات ہیں۔

- لیکن ہیں ۔ ہیں شیر شاہ صاحب ۔ آپ کی دوستی کے تالی کہاں ہوں؟

- اگر یہ نہیں گر جانا چاہتے ہو ۔ یہ نہیں دوست بنانے کی تیز بھی نہیں ہے ۔ کیوں ۔ ۔ ۔

- ہم ۔ میں شرمندہ ہوں ۔ ۔ ۔ احسان جلدی سے بولا۔

- میں آج چلے جاتے ۔ ۔ ۔ ہو سکتا ہے تو آپ کو ہمیشہ کے لئے کھو دوں گی ۔ شکر ہے ہو ۔ ہم نے کبھی ایسی بھی ہو سکتی ہے ۔ کیوں ساتھ ۔ ۔ ۔

- یقیناً ۔ ۔ میں نے گردن ہلائی ۔ احسان دوستوں کی تلاش میں آپ کو نہیں بھلا سکتا ۔ ۔ ۔ اور پھر اس نے نہایت پیار سے بچے کے بال ۔ ۔ ۔ اور یہاں ہیں آپ کی لے لیا۔

- یہ تب بھی وقت تھے جب ہم نے ہیں کی کوئی خلقت نہیں کریں گے ۔ اس نے کہا کہ تو ہے پہلے ہی ہیں پیش کر دیتے ۔ تب یہ کافی سنگ سیل تھا۔ ہم بھی جیت سکتی تھیں ہے جا گ سکتی تھی۔

- تھوڑی ہی ہیں کرو ۔ وقت نہیں ۔ دوستی تھے پر تھے ہوئے ہیں ۔ تیرنی کرو گے ۔ ۔ ۔

- میں شرمندہ ہوں ۔ ۔ ۔

- تب پھر اٹھو ۔ طالت نے ایک ہاتھ سے بچہ تھاما اور دوسرا ہاتھ کندھے پر جھکا دیا۔ احسان نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

- کبھی پہلے بھی دستک ہی ہے ۔ طالت نے پوچھا۔

- ہاں ۔ ۔ ۔ احسان نے کہا۔

- خیر ۔ طالت نے اٹھ کر دستک دینا بھی دیکھتے ہو ۔ ۔ ۔

- ہاں ۔ ۔ ۔ احسان نے کہا۔

- تب ۔ تب پھر تم نے قتل کر دیا ۔ ۔ ۔ میں اس کے ساتھ ہے ۔ اس نے اپنا گلا دبا لیا۔ اور پھر اس نے ہاتھ سے بچہ کو اٹھا لیا۔ اور پھر اس نے ہاتھ سے بچہ کو اٹھا لیا۔ اور پھر اس نے ہاتھ سے بچہ کو اٹھا لیا۔

- ہاں ۔ ۔ ۔ احسان نے کہا۔

- ہاں ۔ ۔ ۔ احسان نے کہا۔

- ہاں ۔ ۔ ۔ احسان نے کہ

"اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" ۔ سب نے بیک وقت جواب دیا۔

"کیا حال ہے آپ کا؟" ۔ نواب صاحب نے پوچھا۔

"الحمدللہ بالکل ٹھیک ہوں۔" ۔ شہزادہ عادل نے جواب دیا۔

"اور آپ کی طبیعت؟" ۔ نواب صاحب نے پوچھا۔

"میں بھی

بکتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔ وہ پوری طاقت سے چیخا۔ "بھاگو۔ میں ان کو روکتا ہوں۔"

طالوت نے اور نصرت نے اس کی آواز سنی۔ وہ ٹھٹکے۔ پھر طالوت نے نصرت کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا بھاگا۔ نصرت نے مڑ کر دیکھا۔ اس کے بھائی اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس کے بھائیوں کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ وہ بھاگتے ہوئے چیخی۔ "طالوت۔ وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ تمہیں مار ڈالیں گے۔"

طالوت نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ وہ بھاگتا رہا۔ نصرت نے پھر کہا۔ "طالوت۔ وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ تمہیں مار ڈالیں گے۔"

طالوت نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ رک گیا۔ نصرت بھی رک گئی۔ طالوت نے اس کے بھائیوں کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ طالوت نے نصرت سے کہا۔ "تم بھاگ جاؤ۔ میں ان کو روکتا ہوں۔"

نصرت نے کہا۔ "نہیں۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔"

طالوت ن

"آپ کو کچھ پریشان کر رہا ہے۔ آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ کیا بات ہے۔" طارق نے کہا۔

"نہیں ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔ "ہمارا ملازم ہے۔ رحیم داد۔ اس کا بیٹا بیمار ہے۔ اس کی بیوی نے کہلا بھیجا ہے کہ وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائے۔ اس لئے میں نے اسے چھٹی دے دی ہے۔ اب کھانا میں خود ہی پکاؤں گا۔"

"اوہ۔ یہ بات ہے۔" طارق نے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ ہم آپ کی مدد کریں گے۔"

"نہیں۔ نہیں۔ میں خود ہی کر لوں گا۔ آپ کو تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"تکلیف کیسی۔ ہم تو خود آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔" طارق نے کہا۔

"ہاں۔ ہم آپ کی مدد کریں گے۔" سلیم نے کہا۔

"اچھا۔ اگر آپ کا اصرار ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ لوگ میرے ساتھ کچن میں چلیں۔ وہیں باتیں بھی ہو جائیں گی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" طارق نے کہا۔

"آپ لوگ بیٹھیں۔ میں کچن سے ہو کر آتا ہوں۔" نواب صاحب نے کہا اور پھر کچن کی طرف چل پڑے۔

"کیا خیال ہے۔ ہم بھی ان کے ساتھ چلیں۔" سلیم نے کہا۔

"ہاں۔ چلو۔" طارق نے کہا اور پھر وہ بھی نواب صاحب کے پیچھے کچن کی طرف چل پڑے۔

کچن میں پہنچ کر نواب صاحب نے ان کے لئے کرسیاں بچھا دیں۔ پھر وہ خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

"نواب صاحب۔ آپ کے خاندان کے تمام افراد یہاں ہیں۔ اس لئے آپ کی اداسی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اصل بات کیا ہے۔" طارق نے کہا۔

"کچھ نہیں۔ بس ذرا سی پریشانی ہے۔ میں نے بتایا تو ہے کہ ہمارا ملازم رحیم داد اپنے بیٹے کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتا ہے۔ اس لئے میں نے اسے چھٹی دے دی ہے۔ اب کھانا میں خود ہی پکاؤں گا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"اوہ۔ یہ بات ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم آپ کی مدد کریں گے۔" طارق نے کہا۔

"نہیں۔ نہیں۔ میں خود ہی کر لوں گا۔ آپ کو تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"تکلیف کیسی۔ ہم تو خود آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔" طارق نے کہا۔

"ہاں۔ ہم آپ کی مدد کریں گے۔" سلیم نے کہا۔

"اچھا۔ اگر آپ کا اصرار ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ لوگ میرے ساتھ کچن میں چلیں۔ وہیں باتیں بھی ہو جائیں گی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" طارق نے کہا۔

"آپ بیٹھیں۔ میں کچن سے ہو کر آتا ہوں۔" نواب صاحب نے کہا اور پھر کچن کی طرف چل پڑے۔

"کیا خیال ہے۔ ہم بھی ان کے ساتھ کچن میں چلیں۔" سلیم نے کہا۔

"ہاں۔ چلو۔" طارق نے کہا اور پھر وہ بھی نواب صاحب کے پیچھے کچن کی طرف چل پڑے۔

کچن میں پہنچ کر نواب صاحب نے ان کے لئے کرسیاں بچھا دیں۔ پھر وہ خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

"نواب صاحب۔ آپ کے خاندان کے تمام افراد یہاں ہیں۔ اس لئے آپ کی اداسی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اصل بات کیا ہے۔" طارق نے کہا۔

"کچھ نہیں۔ بس ذرا سی پریشانی ہے۔ میں نے بتایا تو ہے کہ ہمارا ملازم رحیم داد اپنے بیٹے کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتا ہے۔ اس لئے میں نے اسے چھٹی دے دی ہے۔ اب کھانا میں خود ہی پکاؤں گا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"اوہ۔ یہ بات ہے۔" طارق نے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ ہم آپ کی مدد کریں گے۔" سلیم

"ظالم آپ یہاں ہیں۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"بیٹا۔" اس نے نگاہ مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اس نے بیٹا کہا
طبیعت بڑی پیش کش تھی کہ کی تھی۔
"اس لیے پتہ چل جائے گا۔ قدرت تشریف لے آئی ہوں گی؟"
"وہ۔۔۔ آپ نے بھی کیا بتانا ہے!"
"بھائی ہے کہ نہیں۔۔۔ ارے ہاں بھائی ہیں ہی۔ بھائی ہے جانے
جان۔ کیا وہ بھائی اتنی بات بھی نہیں جانے گی۔ لیکن یہ کہاں رہتا ہے
اسے قدرت نے پیدا کیا ہے!"
"ایک قبیلے۔" احسان نے کہا۔
"وہ ہاں۔" سیمیں نے بھی کہا۔
"تم لوگ دھکے کر بیٹھ کے ہو ہی بھی آہستہ ہی گے۔" احسان نے
شرارت سے کہا۔
"بھائی کو ملاؤ۔ ناظم جان گئے ہیں کہ اپنے گھر سے آئیں ہیں۔ طالوت نے
تم کھلی اور جھوٹے ہیں ناظم۔ ناظم جی۔" اس پر سیمیں ہنس
زیادہ دیر تک قہقہہ نہ روک سکا۔
احسان کو سمجھا بجھا کر ہم اپنے کمرے میں آگئے اور سیمیں کا انتظار
کرنے لگے۔ نیند تو ہمیں نہیں آئی تھی کیونکہ جاگے کمرے میں داخل ہونے کے دو گھنٹے
کے بعد ہی سیمیں نے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔
"آجاؤ۔" میں نے کہا۔ "اور طالوت سنبھل کر بیٹھ گیا۔ سیمیں نے سفید
لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر استعجاب نظر آیا تھا
ہم دونوں کو جاگتے ہوئے دیکھ کر وہ تیزی سے اندر آئی اور پھر ٹھٹک کر
کے بعد ہی سیمیں نے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔
"وہ بند کر دو سیمیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اور سیمیں نے
عرف ایک لمحے کے لیے ہماری طرف دیکھا اور پھر دروازہ بند کر دیا۔ تب میں
اس کی طرف بڑھا اور پھر میں نے سیمیں کے مقابل کھڑے ہو کر کہا۔ "سیمیں۔
اگر میں تم سے کہوں کہ میں تمہیں چاہتا ہوں۔ تم سے محبت کرتا ہوں۔ تو تم
سیمیں نے بھڑک کر میری شکل دیکھی۔ اور پھر طالوت کی۔ پھر نفرت کی لہروں
پر تیرتا ہوا پھر کر بولی۔ "تب۔۔۔ تو میں اسے مذاق سمجھوں گی۔"
"لیکن اگر یہ مذاق نہ ہو۔۔۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے طالوت سے کہا تھا
تمہیں ٹرین میں دیکھا پسند کیا۔ اور پھر تمہارے پیچھے یہاں تک دوڑے چلے آئے
ہم دونوں تمہارے خواہشمند تھے اور موقعے کی تلاش میں تھے اور جب تم
نے ہمیں اعتماد میں لے لیا۔ تو موقعے سے فائدہ اٹھانے کی سوچی اور آ گئے
سے تمہیں یہاں بلا لیا۔ غور کرو۔ تمہارا پوزیشن کس قدر نازک ہے۔ تم خود چل
کی طرح یہاں آئی ہو۔ ایسے میں اگر کوئی تمہاری مدد کو بھی جائے تو۔۔۔ تمہاری
پوزیشن اس قدر خطرناک ہو گی جس قدر تمہاری۔"
سیمیں نے گردن جھکا کر کچھ سوچا اور پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ اور پھر
بڑے پُروقار لہجے میں بولی۔ "اگر یہ سب کچھ اسی انداز میں ہو جائے ناظم صاحب جس
طرح آپ فرما رہے ہیں تب بھی اسے میں آپ کا قصور نہیں سمجھوں گی میں سوچوں گی
ناظم صاحب کو قدرت نے کچھ کسی بہت بڑے گناہ کی سزا دینے کے لیے
کو زیادہ آپ تک بنانے کے لیے۔ اس نے آپ لوگوں کا انتخاب کیا ہے
آپ پر مجھے بے پناہ اعتماد ہے۔"
"سیمیں۔۔۔ تب تم یہ اعتماد اس خلوص سے کہیں زیادہ اہم
نے جانے والی ہے۔ لیکن کیا اس اعتماد کو نبھا سکتی ہو۔ کیا تم طوفان
کر سکتی ہو جو اس اعتماد کی بے پناہ کیفیت کے ہمارے دل میں پیدا ہو چکا ہے۔"
"میں نہیں سمجھی ناظم صاحب۔"
"سیمیں۔۔۔ ہم اعتماد کی قیمت کے طور پر اگر میں اور طالوت تمہیں
لیں تو زنا کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ تم پر شدت نہیں کرو گی۔ زنا کے متعلق تمہارا
الفاظ میں کہا
"ناظم بھائی۔" سیمیں ہکلا کر رہ گئی۔ "میں ابھی تک کچھ نہیں کہہ سکتی
"تم ابتدا سے مجھے بھائی کہتی آئی ہو۔ صرف اتنا یاد دل سے بھی
محسوس کیا ہے۔"
"میں نے بزرگ و برتر کو سامنے رکھ کر کہتا ہوں ناظم بھائی کہا تھا۔ اب
ٹرین میں ہی آپ دونوں مجھے بے حد پسند آئے تھے۔ اس کے بعد آپ دونوں
قریب آ گئے۔ ہمارا ساتھ رہا۔ آپ کی دلچسپ شرارتوں، شگفتہ طبیعت نے میرے
دل میں ایک جذبہ پیدا کر دیا۔ میں اس جذبے کو جنس کا نام نہیں دے سکتی کیونکہ
یہ آپ دونوں سے بیگانہ تھا۔ ہاں ایک تصور ضرور تھا ایک خوبصورت
تھی کاش پوری کی پوری آپ دونوں کے ساتھ ہی بسر ہو سکتی۔ آپ کی جنس
کے گوشوں میں پنہاں تھیں۔ اگر آپ کی ذرا سی توجہ ہوتی ہے تو دل نہ دے
کتنا ہے۔ مجبوریاں بھی ہیں اس نے اظہار کا ذریعہ نہیں بنتا۔ اور جب طلب
تو اچھی کسی نفسانی جذبے کا اظہار نہیں کرتی۔ تو اسے روحانی حیثیت ہی دی جا سکتی
ہے۔ اور روح کے رشتے کے لئے کوئی بھی لفظ اختیار کر لیا جائے۔ بھائی
باپ۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"
"گویا روح کا رشتہ طے ہو گیا۔"
"یقیناً۔" سیمیں نے بڑے اعتماد سے کہا۔
"دنیا میں کوئی اجنبیت بھی نہیں رہی۔"
"قطعی نہیں۔۔۔" سیمیں نے مضبوط لہجے میں کہا۔
"لہجے کی یہ مضبوطی برقرار رہے گی۔؟"
"تا زندگی۔۔۔"
"تب صرف اتنا سمجھ لو۔ رشتے ہی فرائض منصب کیے گئے ہیں۔ اگر
تمہارے دو بھائی تمہارے لئے کچھ کرنا چاہیں تو اسے نذرانہ روح کی جھینپ
اڑانے کے مترادف ہے۔ حق خدا کی طرف سے دو بیت ہے جذبے سچے،
پاک، اور صادق ہوں تو انسان اولیاء کہلاتا ہے۔۔۔ آؤ۔۔۔ میں تمہارا امتحان
چاہتا ہوں۔"
"میں حاضر ہوں۔" سیمیں نے کہا اور میں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ
لیا۔ پھر میں دروازے سے نکل گیا۔ سیمیں حیرت زدہ نظر آ رہی تھی۔ میں احسان
کے کمرے میں پہنچا۔

احسان بند کر دو سیمیں۔۔۔" احسان نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا سیمیں
نے کیبن بند کر دیا اور پھر پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔
"تم۔ تم یہاں کیسے احسان۔۔۔" بالآخر اس نے غرور پر قابو پاتے ہوئے پوچھا
"میں۔۔۔ میں جھوٹا نہیں ہوں۔۔۔ میں جو کچھ کہوں گا اس پر
عمل کروں گا۔"
"میں جانتی ہوں تم جھوٹے نہیں ہو احسان۔۔۔ اس قدر پریشان
"اب۔۔۔ میں آپ کی اس کیفیت سے دوچار تھی۔
سیمیں نے بیٹھو۔ سیمیں اب خود پر پوری طرح قابو پا چکی تھی۔
احسان بیٹھ گیا۔ اس کا پورا جلال کافور ہو چکا تھا۔ سیمیں کی حیرانی بھی
"احسان۔ احسان۔ مجھے تمہارے اوپر مکمل بھروسہ ہے۔ مجھے تمہاری
ہے۔ میری طرف سے کسی بدگمانی کو دل میں جگہ نہ دو۔ میں تمہارے
ہوں۔ کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔"
"ناظم۔ ناظم۔ وہ آواز سن لے گی۔"
"بے فکر رہو۔ گاہکوں سے غائب ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری آواز بھی
کر دیتا ہے۔ اس لئے بے دھڑک تبصرہ کرتے رہو۔"
"میں نے بڑبڑایا۔ دوسری طرف احسان کہہ رہا تھا۔
"میں نے وقت ضائع نہیں کروں گا سیمیں۔ کل رات کو جب تم سے
میں نہیں تھا اور تم دونوں گفتگو کر رہے تھے تو تمہاری اور میری گفتگو کا ایک
ہے۔ زمین کے بدترین رشتے نہ جانے کس طرح وہاں پہنچ گئے تھے۔ پھر جب
میں آ گیا تو وہ میرے پاس آئے۔ میرا لہو خشک ہو گیا سیمیں ان کی باتیں سن کر
ہوں۔ اور پھر انہوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں
ہوں۔ انہوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں ان کے ساتھ ایک ڈرامے میں
شریک ہو جاؤں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا سیمیں کہ یہ صرف تمہارے لیے ہیں، مگر
یہ کہنے کی بھی ہے۔ کہ وہ اس کی بہت پناہ عزت کرتے ہیں۔ اس لیے
کہہ کر کچھ کر لیں گے وہ کہیں گے کہ اس نے ہمیں دھوکا دیا۔ اس لیے
ڈرامے کی تفصیل بتا دی۔ احسان نے سیمیں کو ساری
بھی بھائی کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ سیمیں
نے ان کی اجازت سے تمہارے گونگے کردار کو ادا کیا ہے سیمیں تم کو کیا قسم کھا کر یقین
سب کچھ سن کر تو میں انہیں مجرم سمجھ رہی تھی مگر اب وہ سب کچھ کہہ کر
احسان خاموش ہو گیا سیمیں پتھر کی طرح ساکت تھی۔ اس کا چہرہ
پتھر کی طرح ویران ہو گیا تھا۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کون سے خیالات
آ رہے تھے۔
خاموشی کا وقفہ طویل ہو گیا۔ پھر سیمیں کا سر اٹھا۔ اس کے چہرے پر
ایک عجیب طرح کا سکون پھیل گیا۔ احسان کی طرف دیکھ کر وہ بولی۔ "احسان تم نے
کے تشدد کے بارے میں بھی معلوم ہو چکا ہے احسان۔"
"ہاں۔"
"اس کا وہ کیا کریں گے۔؟"
"شاید وہ اسے لوٹا دینا چاہتے ہیں۔"
"کیا آپ جان کے قبول کریں گے۔؟"
"اس کے بارے میں وہ کیا کریں گے۔ بہرحال وہ چاہتے ہیں۔"
"اگر قدرت ہمارے دلوں کے بھید کھلنا چاہتا تھا تو ہمیں کیا اعتراض
ہو سکتا ہے احسان۔ ہمیں تو پہلے بھی اس کی رضا کے سامنے سر جھکانا تھا
اب وہ اپنا کھیل جلانا چاہتی ہے تو میں یا آپ اسے روکنے کی قوت نہیں رکھتے۔ اگر
وہ آپ جان کو تیار کر لے تو ہم اس کے کامل کی مداخلت نہ کریں گے سنو احسان
شمشیر کے ساتھ زندگی گزارنے پر میں ہزار بار مرنے کو ترجیح دیتی لیکن آپ جان کا
وقار مجھے ہزار زندگیوں سے زیادہ عزیز ہے۔ تم ان سے دوستوں، ان فرشتوں سے
کہو۔ کہ اگر وہ اس کی جانب سے آئے ہیں تو ہم ان کے کام میں مداخلت کرنے
کی جرأت نہیں کر سکتے۔"
"سیمیں، میری زندگی۔" احسان نے روتے ہوئے دونوں بازو پھیلا دیئے
اور سیمیں اٹھ کر اس کے بازوؤں میں آ گئی۔
"اے بھائی ناظم۔ ابے او اٹھ کے نیک بخت، دروازہ تو کھول
دو۔ تاکہ یہ دو بے وقوف باہر چلے جائیں۔ ہائے پوری کائنات گھومتی
رہی ہے۔ صرف دو باقی ہیں۔" طالوت بین کرنے لگا۔ "اور میرا رنگ فق ہو گیا
میں گھبرا کر سیمیں اور احسان کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن۔۔۔ دونوں ہماری طرف
سے بے خبر تھے۔ ان دونوں کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ کئی منٹ یونہی
گزر گئے۔ پھر سیمیں نے کہا۔
"میں اجازت چاہتی ہوں احسان، برادر کرم، تم ان سے مل لو۔
اس وقت میں ان کا سامنا نہیں کر سکتی۔"
"ٹھیک ہے۔ تم سیدھی نکل جاؤ۔" دونوں دروازے کی طرف

"ہاں بیٹا، ہم حاضر ہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے نواب صاحب کی طرف دیکھا۔

"نواب صاحب! آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو آپ کا اپنا گھر ہے۔" نواب صاحب نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ بچے کا نام نواب صاحب کی مناسبت سے تجویز کیا جائے گا۔ شیر زمان یا شیر محمد۔ ہم آپ سے کل تک اپنا فیصلہ بتا دیں گے۔ ہم نے سوچا تھا کہ بچے کے بال بھی یہیں اتروائیں گے۔ لیکن اب ہم واپس جائیں گے۔ ہمارے ساتھ ہمارے کچھ اور عزیز بھی ہیں۔ ان کے بھی بچے ہیں۔ ان کے بال بھی اتروانے ہیں۔ ہم سب اکٹھے ہی واپس جائیں گے۔ اچھا نواب صاحب! اجازت دیجئے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم آپ کے فیصلے کا انتظار کریں گے۔" نواب صاحب نے کہا۔

"اچھا بیٹا! ہم چلتے ہیں۔ تم اپنا خیال رکھنا۔ ہم جلد ہی تمہیں دیکھنے آئیں گے۔" حکیم صاحب نے کہا۔

"اچھا ابا جان!" شیر زمان نے جواب دی

آغاز میں بولے۔ "سیمیں بھی آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔"

"بیٹا۔ اگر تم کو کوئی بات کہنی ہو تو بے تکلف کہہ ڈالو۔ ہم تمہارے والد کی طرح ہیں۔"

"لیکن میں صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ..."

"تم عارف والی کہنا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔ اس کے ہی کچھ حالات ہیں۔ ایسے کہ..."

"تم کو حالات کی تفصیلات آپ کو سن ہونی ہوں گی۔ راستے کے لیے بہتر ہے کہ آپ سیمیں سے کہہ دیں۔" لیکن اس کے بولنے سے پہلے ہی نواب صاحب کی بات زبان سے کاٹ دی۔ "لیکن اس کے بارے آپ سے فیصلہ کرنا ہے۔"

"اب جو کچھ نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک ہے۔ میں کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ میں تمہارے معاملے کا ذکر بھی نہیں کروں گا۔ آپ کو اختیار ہے۔ تو۔ میرا خیال تھا کہ تم سے ہے۔ نواب صاحب نے اپنی بات کو ادھورا چھوڑ دیا۔ اور پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد بولے۔ "اچھا۔ اب تم جاؤ۔ ہم کو کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

ملکہ آپ نے ہمیں دیا کی سزا تو دے دی ہے۔ اب ہمیں معاف بھی کر دیجیے۔ اس خاندان کی عزت اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اپنے جرموں کی سزا بھگتنے کو تیار ہیں۔ ہم کو معاف کر دیجیے۔" نواب صاحب نے اپنے ہاتھ جوڑ دیے اور گڑگڑا کر سر جھکا لیا۔

ملکہ نے ان کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو تھے۔ ان کے چہرے پر شرمندگی کے آثار تھے۔ ان کے ہاتھ جڑے ہوئے تھے۔ ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ ان کے جسم پر لرزہ تھا۔ ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ان کے دل میں ان کے لیے رحم کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کا دل پسیج گیا۔ ان کا دل موم ہو گیا۔ ان کا دل پگھل گیا۔ ان کا دل بہہ گیا۔ ان کا دل ان کے قابو میں نہ رہا۔ ان کا دل ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ملکہ کے دل میں نواب صاحب کے لیے رحم کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے عشق کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے پیار کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے ہوس کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے شہوت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی خواہش کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی ہوس کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی بھوک کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی پیاس کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی تڑپ کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی کشش کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی جذبات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی احساسات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی خیالات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی تصورات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی تخیلات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی توہمات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی وہمات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی اوہام کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی شکوک کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی شبہات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی ظنون کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی یقین کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی اعتماد کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی بھروسے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی اعتبار کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی وثوق کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی ایمان کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی ایقان کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی عقیدت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی ارادت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی عشق کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی پیار کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی رحم کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی جذبہ پیدا ہو گیا۔

"بیٹا۔ اگر تم کو کوئی بات کہنی ہو تو بے تکلف کہہ ڈالو۔ ہم تمہارے والد کی طرح ہیں۔"

"لیکن میں صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ..."

"تم عارف والی کہنا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔ اس کے ہی کچھ حالات ہیں۔ ایسے کہ..."

"تم کو حالات کی تفصیلات آپ کو سن ہونی ہوں گی۔ راستے کے لیے بہتر ہے کہ آپ سیمیں سے کہہ دیں۔" لیکن اس کے بولنے سے پہلے ہی نواب صاحب کی بات زبان سے کاٹ دی۔ "لیکن اس کے بارے آپ سے فیصلہ کرنا ہے۔"

"اب جو کچھ نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک ہے۔ میں کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ میں تمہارے معاملے کا ذکر بھی نہیں کروں گا۔ آپ کو اختیار ہے۔ تو۔ میرا خیال تھا کہ تم سے ہے۔ نواب صاحب نے اپنی بات کو ادھورا چھوڑ دیا۔ اور پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد بولے۔ "اچھا۔ اب تم جاؤ۔ ہم کو کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

ملکہ آپ نے ہمیں دیا کی سزا تو دے دی ہے۔ اب ہمیں معاف بھی کر دیجیے۔ اس خاندان کی عزت اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اپنے جرموں کی سزا بھگتنے کو تیار ہیں۔ ہم کو معاف کر دیجیے۔" نواب صاحب نے اپنے ہاتھ جوڑ دیے اور گڑگڑا کر سر جھکا لیا۔

ملکہ نے ان کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو تھے۔ ان کے چہرے پر شرمندگی کے آثار تھے۔ ان کے ہاتھ جڑے ہوئے تھے۔ ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ ان کے جسم پر لرزہ تھا۔ ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ان کے دل میں ان کے لیے رحم کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کا دل پسیج گیا۔ ان کا دل موم ہو گیا۔ ان کا دل پگھل گیا۔ ان کا دل بہہ گیا۔ ان کا دل ان کے قابو میں نہ رہا۔ ان کا دل ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ملکہ کے دل میں نواب صاحب کے لیے رحم کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے عشق کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے پیار کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے ہوس کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے شہوت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی خواہش کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی ہوس کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی بھوک کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی پیاس کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی تڑپ کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی کشش کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی جذبات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی احساسات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی خیالات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی تصورات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی تخیلات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی توہمات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی وہمات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی اوہام کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی شکوک کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی شبہات کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی ظنون کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی یقین کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی اعتماد کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی بھروسے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی اعتبار کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی وثوق کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی ایمان کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی ایقان کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی عقیدت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی ارادت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی عشق کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی پیار کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی رحم کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کے دل میں ان کے لیے جنسی جذبہ پیدا ہو گیا۔

شمشیر

کے بیٹے سے آگ لگ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار تھا۔ وہ کیا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کیا کچھ کر سکتا تھا۔ وہ کیا کچھ کر گزرنے کو تیار تھا۔ وہ کیا کچھ کر گزرنے کو تیار تھا۔ وہ کیا کچھ کر گزرنے کو تیار

فوج نے فصیل پر حملہ کیا۔ دوسری طرف سے قلعہ والوں نے فوج پر حملہ کر دیا۔ بیچ میں شہزادہ اور اس کے ساتھی تھے۔ ان کے ہاتھوں سے کئی آدمی مارے گئے۔ وہ اب بھی لڑ رہے تھے۔

"بھائی جان!" — کسی نے پکارا۔ "خدا کے لیے بھاگ چلیے۔"

ایک شہزادہ — "طالوت نے جب دیکھا کہ ہم لوگ بری طرح گھر گئے ہیں تو ہمارے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار ڈال دیں۔"

"ہم ہتھیار ڈالتے ہیں۔" آواز آئی۔ "ہمیں امان دی جائے۔" طالوت نے کہا۔ "ہم لوگ ہتھیار ڈال دیں گے۔

کو قتل کرنا ہی پڑا۔ اس نے طلاعت کو صدمہ تو پہنچایا ہوگا لیکن یہ کام اس کے بس کا نہیں تھا۔ اس کے پیچھے کوئی اور ہاتھ ہے۔ اور وہ ہاتھ ہے شمشیر الدولہ کا۔ اس کے علاوہ کسی اور کا اس سے کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کا اس سے کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے۔

شمشیر۔ اصغر الدولہ کے خلاف۔ تو جلال آباد میں بھائی ہے۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو۔ تو۔ شاید میں سچے پیار کی زبان تو کسی سے نکلوا لیتا۔ اور۔ اور پھر۔ مٹھی کی شدت سے نواب صاحب کے منہ سے غراہٹ نکل گئی۔

شمشیر۔ اگر تم اپنی منحوس صورت نے کر دس منٹ کے لئے داخل اور خارج کی دیوار کے اندر اندر جلال آباد چلے جاؤ تو ہم نے تمہارا تبادلہ قبول کر لیا ہے۔ اور ہاں۔ ہماری وہ وحشی کنیز تمہارے ہمراہ جائے گی۔ جلال آباد کو کرنل کرانے گے نواب، کسی پاگل خانے میں جا کر ضرور پوچھ لینا۔ ہاں الدی کا خریداری موہ ہوں میں الدی کو اس کے محل کے مکینوں کے خریدنے کو تیار ہوں۔ اور اگر تم بھی ان میں شامل ہونے شمشیر آتی ہیں تمہیں گھوڑوں کی حاشن کے لئے ملازم رکھ لوں گا۔ بشرطیکہ تمہاری حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے اور اب اپنی موت کی فکر کرو۔ وہ آ گئی ہے اور بچا اس سے کوئی نہیں سکتا۔ ایک دس منٹ ۔۔۔ جاؤ۔" یہ کہہ کر طلاعت دہاڑا اور شمشیر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "بچہ دو ایک دم پاگل پڑا اور اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔ طلاعت نے وہاں رکھے ہوئے طاقچوں کی طرف دیکھا اور بولا۔ "کھانے کے کمرے میں ہمیں اس کے چلے جانے کی اطلاع دو۔ آؤ نواب صاحب۔" اس نے نواب صاحب کا ہاتھ پکڑا اور نواب صاحب اس کے ساتھ اندر کمرے میں کوئی تعرض نہیں کیا۔

"کھانا شروع کریں۔ اولے نے ذہن سے نکال دیں۔ طویل زندگی ہے ہمیں ہر لقمے کے پیچھے بڑے لوگوں سے ساتھ دینا ہے۔ میرا خیال ہے اس کی حیثیت کا احساس دلایا گیا ہے۔"

نواب صاحب نے خاموشی سے کھانا شروع کر دیا۔ ان کی کیفیت کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ پہر حال کھانے کے دوران کوئی کچھ نہ بولا۔ اور خاموشی سے کھانا ختم ہو گیا۔ کھانے کے بعد سب لوگ اٹھ گئے۔ اور کھانے کے کمرے سے نکل گئے۔ "نواب صاحب آپ ان لوگوں سے اجازت مانگنی ہیں تو آدم کہا چاہتا ہو تو کہہ دیں۔ ایک گھنٹے کے بعد آپ کے پاس حاضر ہو سکتا ہوں آپ صاحب۔؟" طلاعت نے پوچھا۔

"اوہ۔ وہ۔" نواب صاحب کچھ سی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ انتہائی ضروری گفتگو کرنی ہے۔"

"میں۔ انتظار کروں گا۔" نواب صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اور ایک طرف چل پڑے۔ میں اور طلاعت اپنے کمروں کی طرف چل پڑے۔ راستے میں میں نے ایک ملازم سے پوچھا "شمشیر الدولہ چلا گیا۔؟"

"جی شہزادہ صاحب۔"

"اس کے ساتھی تو نہیں آئے۔؟"

"جی نہیں۔" ملازموں نے جواب دیا اور ہم گردن ہلا کر آگے بڑھ گئے۔

اسلام ہو گئے شمشیر الدولہ کے تینوں جانباز نے ان کا قتل چھپا رہنا ظاہر ہے ساتھ ہی یہ سوال بھی تشفی طلب تھا کہ یہ حملہ کس نے کیا۔ بہر حال اب نیا وقت بحث کرنا مناسب نہیں ہے۔ نواب صاحب ذہنی طور پر کافی پریشان تھے

"ہاں ۔۔۔ ان کی کیفیت عجیب سی تھی۔" احسان نے کہا۔

"پرواہ مت کرو۔ ایک گھنٹے کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایک کریں گے حاصل بھائی۔" احسان نے پوچھا۔

"دیکھا جائے گا۔ کیسا ہے جا بھائی ہے۔ سسرال والوں کے ساتھ سے ذرا بھی نہیں ٹھہرنا چاہئے۔ چلو اپنے کمرے میں جاتے ہیں۔ زندہ رہے تو پھر ملاقات رہے گی۔" طلاعت نے کہا اور احسان ہنستا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ہم دونوں اپنے کمرے میں واپس آ گئے تھے۔ طلاعت نے دروازہ بند کر لیا تھا پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔

"کیا خیال ہے۔؟" اس نے متفکرانہ انداز میں میری طرف دیکھا۔

"کیا مطلب۔؟"

"نواب کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ شمشیر سے معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ اب نواب کو اپنی عزت کی پڑ سکتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ذہنی انتشار میں وہ کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھے۔ ہمیں کبھی صرف وعدہ ہی کیا ہے۔"

"ہاں۔ یہ تو ہے۔"

"بہر حال میں نے اس سے ایک گھنٹے کی مہلت تو لے ہی لی ہے میرا خیال ہے اب وقت برباد کرنا بیوقوفی ہے۔ اس کا کام ختم کر لیا جائے۔" طلاعت نے کہا اور پھر باتیں صحت ناغ کر گئے اور نوری ذراسم۔" اور پراسرار طلسم حاضر ہو گیا۔

"کاغذات لے آئے۔"

حاضر ہیں شہزادہ حضور۔" راسم نے ایک منزل بکس طلاعت کے سامنے رکھ دیا۔ "ہمیں یقین ہے کہ یہ کاغذات مکمل ہیں۔ ان کے علاوہ تو کچھ نہیں رکھا ہے۔ کوئی بھی ایسا نشان جس سے اندازہ ہو کہ نواب جلال الدولہ کسی بھی طرح اوری کے حق میں ہیں۔؟"

"بالکل نہیں آقا۔ اب اور کمی میں کچھ نہیں رہ گیا ہے۔" راسم نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے راسم۔ اب ہمیں اس رقم کی ضرورت ہے جو نواب جلال الدین پر نکلتی ہے ۔۔۔ اسے کرنسی کی شکل میں یہاں ڈھیر کر دو۔"

"جو حکم شہزادہ حضور۔" راسم نے گردن ہلکائی اور پھر وہ ہمارے سامنے سے غائب ہو گیا۔ طلاعت مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھ رہا تھا اور میں نے اس کی گود اٹھا لی تھی۔ طلاعت پر رشک آ رہا تھا۔ کیسا صاحب اختیار ہے یہ شخص۔ دنیا کی ہر دلکش چیز اس کے لئے کس قدر آسان ہیں۔ کاش میری دنیا کے لوگ بھی اسی طرح سوچ سکتے۔ کاش میری زندگی ان کے لئے اس قدر کٹھن نہ ہوتی۔ تب یہ دنیا ایک خوبصورت پھول کی مانند ہوتی۔ ایک مہکتا ہوا پھول۔ ہر چہرے پر دلکشی ہوتی۔ اور تب ذہن پر اگندہ کرتی ہے۔ حادثے ہوتے ہیں، جرائم ہوتے ہیں، نہ جانے کیا کیا ہوتا ہے۔

جس قدر نواب صاحب۔ آپ پر کسے ہوا نہیں ہیں۔ نواب صاحب کیا آپ حضور کچھ ہماری پیش کش سے واقف ہیں۔؟"

"ہاں سنا ہے کہ آپ ریشانی میں برابر کی شریک ہیں۔ نواب چلئے کھانا اور سہارا کر اٹھ گئے۔

"تو نواب صاحب۔ یہ رہا صندوقچہ جس میں آپ کے کاغذات ہیں۔ میں آپ پر قرض کی تفصیل ہے۔"

"جی۔ ۔۔۔ نواب صاحب اچھل پڑے۔" یہ۔ یہ تمہیں کہاں سے ملا۔؟" انہوں نے جھپٹ کر صندوقچہ اپنے قبضے میں کر لیا۔

"مگر کیا گیا ہے۔ براہ کرم اس کی تفصیل سے مطلع کریں۔ کیا آپ اسے پہچانتے ہیں۔؟"

"بخدا۔ اصغر الدولہ نے اس میں ہی میرے کاغذات رکھے تھے" تب براہ کرم آپ اسے کھول کر دیکھ لیں۔" طلاعت نے کہا اور پھر اس نے صندوقچہ کھولا اور اس میں سے ایک ایک دستاویز نکال کر دیکھنے لگے۔ اگلی حالت پاگلوں کی سی تھی۔ چہرہ سرخ تھا اور وہ آنکھیں پھاڑ کر کاغذات کو پڑھ رہے تھے۔ پھر یکایک وہ کانپ کر رہ گئے۔ انہوں نے کاغذات کو دیکھ لیا تھا۔ یہ وہی کاغذات ہیں۔ خود بیگم نواب بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے کاغذات کو دیکھ رہی تھیں۔ نواب صاحب کی حالت اعتدال پر آ رہی تھی۔ اس وقت وہ اپنی حیثیت بھول گئے تھے اور بچوں کی طرح خوش نظر آ رہے تھے۔ ہم دونوں خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ اور پھر نواب صاحب نے آخری کاغذ بھی دیکھ لیا۔ اس کے بعد وہ ہماری طرف متوجہ ہو کر بولے۔ "یہ کہاں سے آ گیا۔ خدا کے لئے مجھے بتاؤ تو سہی یہ کاغذات کہاں سے آ گئے۔؟"

"ان کے علاوہ اور کچھ ہے اصغر الدولہ کے پاس۔" طلاعت نے ان کی بات کا جواب دیئے بغیر پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں ۔۔۔ اب تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میری حیثیت اب کاغذات میں پوشیدہ تھی۔"

"اگر اصغر الدولہ کبھی آپ پر حرف نہ کرتا تو انہی کاغذات کے ذریعہ۔"

"ہاں۔ اب کے اس کے پاس میرے خلاف کچھ بھی نہیں ہے۔"

"تب۔ براہ کرم انہیں مجھے دیدیجئے۔" طلاعت نے کہا اور نواب صاحب نے صندوقچہ طلاعت کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ طلاعت اسے لے کر اٹھا اور نواب صاحب کے نزدیک پہنچ گیا۔ اور پھر اس نے پرا صندوقچہ آتشدان میں ڈال دیا۔ نواب صاحب کے چہرے پر سرخی آ گئی۔ ان کی آنکھیں پھٹے موتیوں کی مانند چمکنے لگیں۔ وہ والہانہ مسرت سے ہاتھ مل رہے تھے۔ جب صندوقچہ اور کاغذات مکمل طور پر راکھ ہو گئے تو انہوں نے مسرت سے بھرپور لہجہ میں کہا۔

"للہ۔ اب تو بتا دو۔ یہ کہاں سے آیا؟"

"اتفاق سے آپ یہاں موجود ہیں اور آپ اس قدر پریشان ہوں گے۔

"جی ہاں بیگم صاحبہ۔ میں نے بھی یہی سنا ہے۔ اور یہ بھی سنا ہے کہ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ بڑے نیک دل ہیں۔ غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور ان کی بیوی بھی بہت اچھی ہیں۔ بڑی خدا ترس ہیں۔ ہر وقت ان کے ہاتھ سے خیرات بٹتی رہتی ہے۔ اور ان کی بیٹی بھی بہت اچھی ہے۔ بڑی نیک ہے۔ بڑی شریف ہے۔ بڑی سلیقہ مند ہے۔ بڑی ہنس مکھ ہے۔ بڑی ملنسار ہے۔ بڑی ہمدرد ہے۔ بڑی غریب پرور ہے۔ بڑی رحم دل ہے۔ بڑی مہربان

"تجھے یہ کیسے معلوم ہوا؟" طاقت نے پوچھا۔

"آپ کے جانے کے بعد میں بھی چلا گیا۔" حسین نے جواب دیا۔

"جی نہیں۔ وہ کیسے تشریف لاتیں؟" طاقت بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ آج آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔" حسین نے کہا۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" طاقت نے پوچھا۔

"وہ یہاں سے سیدھی اپنے گھر گئی ہیں۔ کچھ تیاری ہیں۔" حسین نے کہا۔

"وہ یہاں سے سیدھی اپنے گھر گئی ہیں۔ کچھ تیاری ہیں۔" حسین نے کہا۔

"کیا تیاری ہیں؟" طاقت نے پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔ آپ نہیں جانتے کہ آج مجھے کیا ہو گیا ہے۔ ہم کو پیشہ کی اس مسکراہٹ پر میں سو بار سر دینے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے اس کی یہ مسکراہٹ معلوم ہو جائے تو ڈوبی مسکراتا رہوں گا۔" حسین نے لجاجت سے کہا۔

"تو نے حسین صاحب۔ کل سے آپ پیشہ کے لئے تشریف کے چکلے سے آ جو ہو گئی ہیں۔ نواب صاحب کی صحبت انہیں راس آ گئی ہے اور یہ سلسلہ کی تقریب ہیں آپ کی شادی اصالہ کے ساتھ ہونے کا اعلان کیا جائے گا اور ہم آپ کی سسرال کے لئے زوبی خال کا انتخاب کر رہے ہیں۔ آپ کے لئے یہ ایک بڑا شکار ہو گا۔" طاقت نے کہا۔

"شکر۔ طاقت بھائی۔ آپ جیسی چوٹ نہیں لگی۔ لیکن وہ آخر گئی تھیں تو۔ کچھ نہ کچھ تو کہہ کر گئی ہوں گی۔" حسین نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہاں۔ اب تم تشریف کے انداز کر مجھے بتو فوراً بتا دو۔ میں کہتا ہوں اپنی شادی کی خبر سنکر تو بھاگ جاؤ۔ وہ یہ بھی سنہ میں دینا چاہتا ہے۔ مگر تم۔" طاقت بھائی۔" حسین نے آگے جھکتے ہوئے کہا۔

"وہ سے میرا مطلب اصرار کا شکر ہے تھے۔ خیر۔ اصالہ کو تو طاقت نے اٹھتے ہی کہا۔ اور حسین بھی کہتی ہوئی باہر بھاگ گئی۔ طاقت نے چیک روم کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ پھر وہ دروازے سے ٹیک کر آرام سے سانس لینے لگا۔ کچھ ہی دیر کی ناکامی ہستی کی تھی۔

وہ سچ مچ بہت خوش تھی۔ سب خوش و خرم تھے۔ حسین پر ڈوبی کی نظر پڑی تو آنکھ کے جھروکوں پر مسکراہٹ دوڑ جاتی۔ نواب صاحب بھی خواب کی سی کیفیت میں تھے۔ اچانک طاقت نے نواب صاحب سے اجازت مانگی۔

"میں حسان بھائی کی مکان کی آمد کے سلسلے میں ضروری انتظامات کرنا چاہتا ہوں نواب صاحب۔ اس لئے آپ کی دعا چاہتا ہوں۔" طاقت نے کہا۔

"وہ سے بھائی کا انتخاب کرتا ہے۔" نواب صاحب نے پوچھا۔

"بھائی کا انتخاب نواب۔ زوبی خال کا۔ آج آپ سے نمٹ کر ذرا سے دیکھئے گا۔ میں مشایوں کے محکمہ تعمیر کو اطلاع بھجوا رہا ہوں۔ وہ ضروری انتظامات کی دیکھ بھال کے لئے آ جائیں گے۔ اور ضرورت پڑی تو مشایوں کی تعمیرات کے بارے میں مشکل آپ حل کر لیں گے۔ ہمارے تین قلعہ معقول ہیں۔ مکان تیار کرنے میں وہ بڑی مدد کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے یہاں بھی تیار ہو وقت نہیں لگے گا۔" طاقت نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم سب کو اطلاع پہنچا دیں گے۔ تمام لوگ دیکھ ہی ہوں گے۔"

"آپ کا خیال آفتاب ہے۔" نواب صاحب نے پوچھا۔

"بہتر ہے تشریف لے جائیں۔ میں بھی ساتھ کی تیاریاں کر لوں۔ اس بار بہت سی خوشیاں اکٹھا ہو گئی ہیں۔" نواب صاحب نے کہا۔ اور پھر طاقت کے رخصت ہونے کے بعد نواب صاحب سے مشورت ہونے لگے۔

"تم یہیں رہو گے۔ کم از کم ساتھ تو مجھے دے دو۔ میں اس سے کچھ کام لے لوں۔" نواب صاحب نے کہا۔

"یہ آپ کے حکم ہے۔" طاقت نے اپنا ہاتھ بڑھا کر کہا۔ نواب صاحب ہنس پڑے۔

"شکریہ۔ شکریہ۔" وہ بولے۔ اور پھر وہ تیار ہو کر وہاں سے نکل آئے۔ طاقت نے کار بھائی اور ہزار زبی خال کی طرف چل پڑے۔ زوبی خال کے ذہن میں تھا کہ طاقت نے گاڑی ڈرائیو کرنے کے لئے اپنے ساتھ بٹھایا ہے۔ مکان کی تعمیر کے بارے میں گفتگو آگے پیش کیا اس کے لئے ہی غور کر کے اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ کیا خواہش رکھتا ہے گا۔ پھر اس نے ہاتم کو آواز دی۔ "ہاتم سلیم بابا جھاکر کھڑا ہو گیا۔" تم سمجھتے ہو ہاتم۔ میں کیا چاہتا ہوں؟"

"غلام سمجھ گیا ہے آقا۔" ہاتم نے جواب دیا۔

"میں تو سب سے پہلے اس علاقے کے گرد دیواریں کھڑی کرا دوں۔ کسی کو اندر کا حال نہ معلوم ہو سکے۔ اس کے بعد کام درست کر دوں۔"

"جو حکم آقا۔" ہاتم نے بدستور گردن جھکائے ہوئے کہا۔

"اور کوئی خاص بات؟"

"کوئی خاص بات نہیں آقا۔ آپ کی خلاص بہتر ہو جائے۔ یہ ہے اعلیٰ حضرت کا خیال ہے کہ اب آپ کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ آپ دیکھ لیں اور آپ کا دل بھر جائے تو خود ہی واپس آ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ خیال ہے یہ مناسب فیصلہ ہے۔ بہرحال دیکھا جائے گا۔" طاقت نے کہا۔ اور پھر اس کے اشارے پر ہاتم گاڑی سے دور ہو گیا۔

ہاتم نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ جہاں تک ہو سکے وہ اپنا تعلق شاہ اس گنگو کے جیسے ان سے جو زوبی خال کے ایک عظیم شاہ علاقے میں بلند بالا دیواریں نظر آنے لگی تھیں جن کے دوسری جانب کا حال کسی کو معلوم نہیں تھا۔ خود نواب صاحب کو بھی ان کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا۔ انہوں نے مشایوں کے نمائندوں کی اور الف کے طریقہ تعمیر کو دیکھنا چاہا تھا۔ لیکن طاقت نے معذرت کر لی تھی اور کہا تھا کہ یہ ان کا قومی راز ہے جسے افشا کرنے کی سرکاری طور پر اجازت نہیں ہے۔ بہرحال نواب صاحب طاقت کو کیا مجبور کر سکتے تھے۔

روز مرہ کی دلچسپیاں جاری تھیں۔ لیکن پانچویں دن ایک اور دلچسپ واقعہ ہوا۔ نواب اصغر الدولہ اچانک ہی جلال آباد پہنچ گئے تھے۔ وہ

کے ساتھ دس بارہ نوجوان تھے۔ یہ سب کے سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ معلوم ہوتا تھا، وہ جلال آباد سے اسی طرح نکلے ہیں جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ محل کے دروازے پر بھی دو درجن گھوڑ سوار اندر جانے کی اجازت مانگ رہے تھے۔ طاقت نے بھی یہ خبر سنی تھی اور اصالہ نے بھی مگر ہر شخص سے علیحدہ علیحدہ ملنا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے طاقت نے اصالہ سے کہا تھا کہ وہ ان سے ملاقات کرے۔ اصالہ نے بھی کہا تھا کہ وہ ان سے ملاقات کرے۔

مگر میں ریاست شاہوا سے واقف نہیں ہوں۔ لیکن بہرحال کسی ریاست کے نمائندے اس کے اتنے ہی ہو سکتے ہیں۔ آپ کے پیروں سے آپ کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔"

ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ رات کو ان دونوں، یعنی نواب صاحب اور اصغر الدولہ میں خفیہ سی گفتگو ہوئی اور بھلا اس گفتگو میں ہم دونوں تو شریک کیوں نہ ہوتے۔ طاقت کو اس سے پوری پوری دلچسپی تھی، حالانکہ اس گفتگو میں بیگم نواب تک کو شرکت کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ لیکن طاقت نظر آنے والی حالت میں تھا اور میں بہرحال شاہ داؤد کے وسائل میں چھپا ہوا تھا۔ ہم دونوں چالاکی سے اس کمرے میں گھس آئے تھے اور ایک گوشے میں خاموش بیٹھے تھے۔

گفتگو کا دائرہ اتنا وسیع تھا۔ اور اصغر الدولہ ایک آرام کرسی میں دراز، نواب جلال الدین کو دیکھ رہا تھا۔

"جلال۔" اصغر الدولہ نے نواب جلال الدین کو مخاطب کیا۔ "مجھے علم ہو چکا ہے کہ شمشیر نے یہاں آ کر تم لوگوں کے سامنے بھی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا ہے۔ دراصل۔ جب وہ ولایت سے واپس آیا اور میں نے اس کی حالت دیکھی، تو بے حد پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے ہماری روایات کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ میں اسے یہاں بھیجنے کے حق میں نہیں تھا لیکن عورت۔ انسان کی سب سے بڑی کمزوری۔ اس کی ماں کو اس میں کوئی خامی نہیں نظر آئی۔ اور اس نے اسے یہاں روانہ کر دیا۔ یقین کرو میرے دوست، میں خود فروہ تھا۔ اور وہی ہوا۔ وہ واپس پہنچ گیا۔ اور جس حال میں پہنچا ہے، اس سے بہرحال ایک باپ کو تکلیف ہونا فطری امر ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں اصغر الدولہ۔ لیکن اس کی اس حالت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔" نواب جلال الدین نے کہا۔

"مجھے یقین ہے۔ مجھے اعتماد ہے، لیکن جلال الدین۔ پہلے میں تم سے ایک سوال کروں گا، کیا اس کی بدتمیزی کی وجہ سے تم نے اپنے بھتیجے کے لئے اپنے دل سے نکال دیا ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے اصغر الدولہ۔" جلال الدین نے کہا۔

"مجھے یقین تھا میرے دوست۔ اور اسی لئے میں یہ سوچتا ہوا تمہارے پاس چلا آیا۔ جلال الدین، تم جانتے ہو میری ایک ہی اولاد ہے۔ شمشیر سے میری بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ وہ ولایت کے حالات سے متاثر ہو گیا ہے لیکن مجھے اس کا بھی یقین ہے۔ ہم ہی نے اسے وہ ماحول دیا تھا اور وہاں اس کی تربیت کا کوئی بندوبست بھی نہیں کیا تھا۔ ہمیں چاہئے تھا کہ ہم اپنے ہونہار لوگوں کو اس کے ساتھ بھیجتے۔ جو اسے جہاز کا اسباب اتارنے کے لئے بھی ہوتے۔ اسے ہوٹل میں کھانا کھانے کے لئے بھی یاد دلاتا۔ لیکن تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے جلال الدین کہ شمشیر ہمیشہ کا ذہین ہے۔ سائل کے اس دقیق الجھنے سے نپٹنے کا ہے۔ اب اسے ہماری شفقت کی ضرورت ہے۔ ہم اسے سنبھال سکتے ہیں یا نہیں اور یہ تو صرف ہمارے ہی بس کی بات نہیں ہوتی۔ تم بھی اس کے پابند ہو۔"

جلال الدین کچھ نہیں بولے۔ وہ اصغر الدولہ کو دیکھنے لگے۔ لیکن اصغر الدولہ کے چہرے کی سنجیدگی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

"کیسی شرمندگی تمہارے اور اس کے مستقبل پر اس کی وجہ سے گہرا سایہ بن جائے گا۔ تو۔ ٹیڑھی چیزیں پیدا ہو سکتی ہیں۔" اصغر الدولہ کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

"ٹیڑھی چیزوں سے آپ کیا مراد لے رہے ہیں اصغر الدولہ۔" نواب صاحب کے لہجے میں بھی اشتعال تھا۔

"تم نہیں سمجھتے جلال الدین۔ مجھ سے کیوں کہلوانا چاہتے ہو۔ تمہارے تمہارے مابین ایک سمجھوتہ ہوا تھا۔ اب تمہارے اور پال مشکلات کا دباؤ پڑا تو میں نے تمہاری مدد کی۔ لیکن یہ شرط درمیان میں تھی یعنی تم جلال آباد کی تمام تر حیثیت اپنی بیٹی سیمیں کو دے دو گے۔ بظاہر وہ ہمیشہ رہے گا۔ لیکن دراصل۔۔۔ بہرحال ہماری دوستی بھی ہے، اس لئے میں ایسا کوئی لفظ نہیں کہنا چاہتا جو اس دوستی میں زہر انداز ہو۔"

"تم کہو اس کے بارے میں اصغر الدولہ۔ میں نے ایسی کوئی شرط نہیں مانی تھی۔" نواب صاحب بولے۔

"اعتراض کرتے تھے۔ لیکن مضمون۔ کیا تم اس سے انکار کرو گے؟" اصغر الدولہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن اصغر الدولہ شمشیر اب اس معیار سے تہائی بہت آگے نکل گیا ہے۔ جزیں اپنی بیٹی کے شوہر کے لئے متعین کر چکا ہوں۔ میں اور میری بیٹی اسے کسی طرح قبول نہیں کر سکتے۔"

"میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا جلال الدین۔ یہ تو دوستی کے منافی ہے! شمشیر اب خود اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ لیکن۔۔۔؟"

"میں سمجھتا ہوں اصغر الدولہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ میں تمہارے تحفظ کی ادائیگی کے لئے تیار ہوں۔" جلال الدین نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اور اصغر الدولہ اچھل پڑا۔

"کیا مطلب۔ واضح کر کیا مطلب۔؟"

"میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا وہی مطلب ہے اصغر الدولہ۔ کیا تمہیں کسی کی ضمانت تم پر ہے۔؟"

"کیا ضمانت۔ کس کی کیا ضمانت تھی۔؟ اصغر الدولہ کی آواز بھرا گئی۔ "کالوات۔ مگر ان کی کیا ضمانت تھی۔؟"

"میں بہادر نوجوان کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔" ملکہ نے کہا۔ "اور میں نے بہادر نوجوان کی بات نہیں کی۔ میں نے ایک ایسے شخص کی بات کی ہے جو بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ عقلمند بھی ہو۔ ایسا شخص جو ہر مشکل کا حل جانتا ہو۔ ایسا شخص جو ہر مشکل کو آسان کر دے۔ ایسا شخص جو ہر مسئلے کا حل جانتا ہو۔ ایسا شخص جو ہر مشکل کو آسان کر دے۔ ایسا شخص جو ہر مسئلے کا حل جانتا ہو۔"

"ملکہ عالیہ! میں ایسے شخص کو جانتا ہوں۔" ایک درباری نے کہا۔

"کون ہے وہ؟" ملکہ نے پوچھا۔

"شہزادہ عادل۔" درباری نے جواب دیا۔

"ہاں۔ میں نے بھی اس کا نام سنا ہے۔" ملکہ نے کہا۔ "کیا تم اس کے بارے میں کچھ اور بتا سکتے ہو؟"

"ملکہ عالیہ! وہ ایک بہادر نوجوان ہے۔ اس نے بہت سے کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ اس کی عقل بہت تیز ہے۔ وہ ہر مشکل کا حل جانتا ہے۔ وہ ہر مسئلے کا حل جانتا ہے۔ وہ ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ وہ ہر مسئلے کا حل جانتا ہے۔ وہ ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔" درباری نے کہا۔

"تم نے اس کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔ کیا تم اس کے بارے میں کچھ اور بتا سکتے ہو؟" ملکہ نے پوچھا۔

"ملکہ عالیہ! میں اس کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتا۔" درباری نے کہا۔

"تم نے اس کے بارے میں اتنا کچھ بتایا ہے۔ کیا تم اس کے بارے میں کچھ اور نہیں جانتے

گزر گئے۔ بادشاہ بہت عقلمند تھا۔ اس نے بھی کسی کو اس بات کا احساس نہ ہونے دیا کہ وہ اس کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ وہ بھی اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتا رہا۔ اس نے اپنے وزیر کو بھی ہدایت کر دی تھی کہ وہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ اس طرح وہ اس کے دل میں اپنی جگہ بنا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اس کے دل کی بات جان لے گا۔ اور اس کے بعد اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ وہ اس کے دل کی بات جان کر اس کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کرے گا۔ اور اس طرح اس کا دل جیت لے گا۔ اور اس کے دل میں اپنی جگہ بنا

یہیں ایک پہاڑی چشمہ ہے۔ اس کی بہت کے سامنے سب کچھ ہیچ ہے۔
روکی اور نصیبو کو آواز لگائیں اور بتائیں کہ ہم کس قابل ہیں۔ بیگم صاحب ہاں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہیں بھی تسلی دے دیں۔"

آپ کے خادم ۔ سالم علیکم!"

طالوت نے یہ خط بند کر کے ایک لفافے میں رکھ دیا۔ اور پھر ہم سب دوسرے کاموں میں لگ گئے۔ نواب صاحب صبح کی سیر کے لئے تیار ہوئے تو ہم نے گھوڑوں کو دیکھ کر وہ چونک پڑے تھے۔ ہم نے انہیں بتایا کہ یہ گھوڑے بھی ہمیں میں دوڑیں گے اور ہم اور حال ہی میں کریں گے۔ نواب صاحب پسندیدگی کی نگاہوں سے گھوڑوں کو دیکھتے رہے۔ دل کو دکھ لگے ہوئے ہوا کو ہلایا اور لفافہ انہیں دیتے ہوئے کہا۔

"لیجئے یہ خط ہے۔ اپنے پاس رکھئے۔ یہ لفافہ شام کو تم نواب صاحب کے حوالے کر دینا۔" اور معصوم بنتے ہوئے گردن ہلا کر لفافہ رکھ لیا۔

اس کوری میں جلال آباد کی پوری خلقت سمٹ آئی تھی۔ اسٹیج پر بیٹھے تھے۔ نواب صاحب بھی اور دوسرے لوگ بھی۔ ہجوم دونوں طرف تھا۔ تاحد نظر انسان ہی انسان دکھائی دیتے تھے۔ گھوڑے اول دوئم اور سوئم آتے تھے۔ جو بھی گھوڑے شامل تھے۔ ہم دونوں جاکی کے لباس میں ملبوس تھے۔ ریس شروع ہوگئی۔ ہم گھوڑے کو چل پڑے۔ لیکن جب اسٹارٹ پوائنٹ سے گھوڑے چھوٹے تو ہمارے گھوڑوں کا رخ بدل گیا۔ ہم مخالف سمت میں پہنچ گئے۔ نواب صاحب اور دوسرے لوگ دوربین سے ہمارے گھوڑوں کو دیکھ رہے تھے۔

ریکی ۔ اب ہم اپنے اصل پوائنٹ پر تھے۔ طوفان!"

جلال آباد سے باہر جانے والے راستے پر دوڑ رہے تھے۔ سڑک ویران تھی۔ گھوڑے دوڑتے رہے۔ ان کی رفتار بڑھا دی گئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جلال آباد کے آثار نظروں سے غائب ہوگئے۔ ہمیں خطرہ تھا کہ نواب صاحب ہماری تلاش کرائیں گے۔ چنانچہ ہم رکنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ پورم آتھ کوس نکل آئے تو دوسرے گھوڑے ایک جگہ ان کی وفادار ملے۔ طے کر لیا تھا۔ پہاڑی علاقہ تھا۔ چاروں طرف بھوری چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ ایک اونچی چٹان اجگر سانپ کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ گھوڑے روک لیئے اور طالوت گھوڑے سے اتر آیا۔ ان کے چہرے پر مضمحل سی مسکراہٹ تھی۔

"کیسی رہی۔؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔

"بہت عمدہ۔"

"البدار۔ کب تک ان لوگوں پر مسلط رہتے۔ لہٰذا یہ خط دیدیں گی۔ چند روز وہ پریشان رہیں گے۔ پھر بھول جائیں گے۔ اور

ہمیں بھی دل سے کچھ نکال دینا چاہئے۔ ابھی تو بہت سے مسئلے ہیں جانے کتنے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو دل کے قریب آ جائیں گے۔"

"درست کہتے ہو۔ میں نے گھوڑا بڑھا دیا۔

"بھئی۔ بھوک لگ رہی ہے۔" طالوت پیٹ سہلاتا ہوا بولا۔

"نہیں۔ بھوک تو نہیں لگ رہی ہے۔"

"بہت آوارہ ہو۔" طالوت مسکرایا۔

"قدرتی بات ہے۔"

"اونہہ چھوڑو۔ وہ لوگ مطمئن ہیں۔ ہم بھی مطمئن ہو جائیں گے۔ یہ سوچو آئندہ کیا پروگرام ہے۔؟"

"جہاں روپ گرام ہے۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔"

"ایک تو وہ آنا دریاستوں کی طرف جانے کا۔ اور دوسرا۔۔۔ وہ جس کے بارے میں تم نے کہا تھا۔ کیا نام لیا تھا تم نے اس کا۔؟"

"فلم اسٹوڈیو۔؟"

"ہاں یاد۔ مجھے اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔"

"تفصیل تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ میں ایک سنہری دنیا ہے جہاں کی ہر بات انوکھی ہے۔ تم خوشی محبت سب کچھ مصنوعی۔ اسے آرٹ کا نام دیا جاتا ہے۔ اپنی اس کی چمک دمک سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ جدید نسل کے نوجوان دل جلا جاکی آرزو میں ..... وغیرہ کہتے ہیں۔ بڑے اونچے کردار بنتے ہیں وہاں۔"

"ارے تو پھر ویسی کس بات کی ہے عارف۔ ہاں ایک بات اور ہے۔ وہ بھی بتا دو۔" میں نے کہا۔

"یار۔ یہاں نواب جلال الدین کے محل میں تو ہر چیز تیز تیز ہو کر رہ گئی تھی۔ آہستہ اور دھیرے دھیرے دونوں ہاتھوں میں لئے پھر رہی تھیں۔ مگر ہمارے لئے وہ بیحد ضروری تھیں۔"

"ہاں طالوت۔ اس جہاں میں لاکھوں کروڑ بکھرے ہوئے ہیں ہر قسم کے لوگ۔ آسانی سے آتے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کے دل کیوں دکھائے جائیں جو ہمارا آشنا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے تم سے اتفاق ہے۔" طالوت نے جواب دیا۔ اور ہم دونوں گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ "پھر۔؟ اب کیا پروگرام ہے۔؟"

"چلیں گے۔ دیکھیں گے۔"

"لیکن کب۔؟ کس طرح۔؟"

"میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"میرا مطلب ہے جہاں چاہو چل سکتے ہیں۔ لیکن بس۔ ہم تو کل ہے گو۔۔۔ ابھی ہم بات پوری بھی نہیں کر پائے تھے کہ دور سے کسی کار کے انجن کی آواز سنائی دی اور ہم چونک پڑے۔

"وہ۔ کوئی آ رہا ہے۔"

"ہاں گاڑی آ رہی ہے۔" طالوت نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ پھر آواز بڑھتی چلی گئی۔ اور پھر ایک جیپ دکھائی دی۔ "وہ عمارت۔ یہ انسان ہے۔" طالوت نے کہا۔ "ہم سمجھے تھے کہ یہ جگہ ویران ہے۔ لیکن وہ بھی غلط ہو گیا۔ لیکن وہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ہم لوگ خاموش رہ کر بھی بیان ہو گئے۔ اس لئے ہم لوگ خاموش رہ کر ہی باتیں کر رہے تھے۔ اور وہ بات سمجھ گئے۔"

یقیناً یہ کوئی انگریز سیاح تھا جو ٹورسٹ پر آیا ہوا تھا۔ ایک ایک جیپ پر کیمرہ نصب تھا۔ اور سیاح پہاڑیوں کے دلچسپ مناظر کی تصاویر اتارنے لگے۔ ان میں ایک سیاہ فام لڑکی بھی تھا۔ وہ ہمارے پاس پہنچ کر رک گئے۔ اور وہ ہماری بات سمجھ گئے۔

"طالوت۔؟" میں چیخ پڑا۔

"جلیلہ۔؟" لیکن یہ کار پر جو لوگ ہیں وہ کیا کر رہے ہیں۔ وہ لوگ ہمیں پہچان کیوں نہیں رہے۔؟"

"ارے۔ یہ تو شوٹنگ ہو رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب۔ وہ تو ہمارا کام کر رہے ہیں۔؟"

"میرا مطلب ہے فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہے۔"

"یعنی وجہ جس کے بارے میں ہم گفتگو کر رہے تھے۔؟"

"ہاں۔؟"

"لیکن یہ فلم ہمارے یہاں کیسے آ گئی۔؟"

"اوہ۔ طالوت۔ اگر تم فلم دیکھ لیتے تو یہ بات تمہاری سمجھ میں آ جاتی۔ دراصل فلم میں ایک کہانی ہوتی ہے۔ جس میں مختلف کردار ہوتے ہیں۔ مختلف واقعات ہوتے ہیں۔ اسکرپٹ پوری مکمل کرنے سے پہلے آرٹ کی شوٹنگ ہوتی ہے۔ تب اسے مکمل کر کے پردہ سیمیں پر پیش کیا جاتا ہے۔"

"بات اپنی سمجھ سے باہر ہے۔ کیا ان لوگوں پر کسی کا قانون لاگو نہیں ہوتا۔ اگر ان میں سے کوئی مر جائے۔"

"کوئی نہیں مرتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اسے کیوں بچا لیا گیا ہے۔ دیکھو۔ اس کا کام ہو گیا۔" طالوت نے سر سے کہہ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ اور مجھے زور دار ہنسی آ گئی۔ ایک کردار گھوڑے سے گر پڑا تھا۔ اور اس شاٹ کے ساتھ ہی کیمرہ شاید بند ہو گیا تھا جیپ سے چند لوگ نیچے اترے تھے اور پھر وہ لیٹے ہوئے زمین ناپنے لگے تھے۔ والے ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے۔

"اوہ خدایا۔ ہو کیا رہا ہے۔"

"آؤ دیکھیں۔" طالوت نے کہا۔ لیکن اسی وقت میرا شانہ دبایا۔ اور میں چونک پڑا۔

"وہ دیکھو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ اور میں نے دیکھا۔ جیپ سے ایک لڑکی نیچے اتر آئی تھی۔ وہ بھی سوئیم پہنے ہوئے تھی۔ گھوڑے سے گرنے

...ہوئے ہیں۔ ...ہوئے ہیں۔ ...ہوئے ہیں۔

انداز میں کہا۔

"اگر کچھ جائے باہر چلی جائے گی۔ ویسے بھی اخبار کے چلتے پھرتے بھلے نہیں معلوم ہوتے۔ ٹھیک ہے تم باہر کی کرسی لے لیا۔ اور میں سعادتمندی سے اندر کا باہر چلا گیا۔

نواب جلال الدین کے جلال کا دور بڑے شاندار طریقے سے گزر رہا تھا۔ اس کے بعد پھر کچھ ایسا ہوا کہ ان کی زندگی بسر کرنے کی حتی خاصا وقت وہاں گزار

...ہو کر کہا کیا بات ہے۔ ہم تو خیر اکھڑ ہیں ہے
...ہمارے گھر آئی ہیں۔"

"کہاں ہیں۔" میں نے بے تاب ہو کر کہا۔

"باہر۔ کچھ نہیں کہا۔ بس وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کیا کھاتے
...کیا ہے۔"

"اے لو بھلا کھانے کی بھی کوئی بات ہوئی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ
...ہوئے ہیں۔ کسی معمولی سی تکلیف پر اس میں ڈاکٹر کو بلانا اس کے لئے کوئی
...ایت نہیں رکھتے۔"

"یہ ہوئی نہ بھابی جان کے منہ سے کچھ اپنائیت کی بھی نہیں نکل گئی۔ اور
...ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔ "اے تو یا۔ اپنا سمجھ کر ہی مطلب ہے
...ماں صاحب کو بلا بھیجو نا۔ خدا قسم بڑا آسرا ہوتا ہے اور بہت لگاؤ ہمارے
...ہے۔ ہر وقت ان کا ذکر تم بچوں کے منہ سے علیم کہتی رہتی ہو۔ ہمارا بھی حق
...ہے۔ ہم نے بھی تو انہیں علیم کہنا شروع کر دیا ہے۔ سب کا باپ بن گیا۔ خدا
...کم تمہارے ماں باپ کا بھی سایہ سلامت رکھے۔"

"میں ماں صاحب سے بات کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آج ہی
...آجائے۔ روشیلا سے کہو ماں صاحب کو فون کرے۔ بس کام بنا جائے گا۔"

"سب کام بنے گا۔ پہلے تم دیکھتے ہو۔ یہ تمہارے کو ہمارا ساتھ
...دینا پڑے گا۔"

"میں تیار ہوں۔ مگر اپنا سیٹھ گو دیر تک۔ وہ ماں صاحب سے
...ٹکرا بھی جائے گا تو ماں صاحب کو زیادہ تکلیف نہیں ہوگی۔"

"اے لو بھلا ماں صاحب کو زیادہ تکلیف کیوں ہونے لگی۔ ہم
...ہیں نا۔ ہم ان کی خدمت کریں گے۔ ہم سے ان کو بہت محبت ہے۔"

"اچھا بھابی۔ میں ماں صاحب کو فون کرتا ہوں۔ آپ ان سے
...بات کر لیں۔ روشیلا سے کہو ماں صاحب کو فون کرے۔ بس کام بنا جائے گا۔"

"اے لو بھلا میں نے کہا نا کہ ہم سے بات کرو۔ ہم سے بات
...کرو۔ ہم سے بات کرو۔ ہم سے بات کرو۔ ہم سے بات کرو۔ ہم سے بات کرو۔"

"اچھا بھابی۔ میں ماں صاحب سے بات

"بے کار ہے بھائی۔ ہم حالات کے مقابلے میں کیا کر سکتے ہیں۔"

عبداللہ نے کہتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے عبداللہ بھائی۔"

"وہ سامنے والے مکان کو تو نہ۔ جہاں کے پنکھے کو دیکھ رہے ہیں۔"

"کیا ہوا ہے اس کو؟"

"وہ روئی والا کہہ رہا ہے کہ اس کی بجلی کا بل بہت زیادہ آیا ہے۔"

"ٹھیک ہے عبداللہ بھائی۔ تم جاؤ۔ میں انصاب کو لے کر آتا ہوں۔"

میں نے کہا اور عبداللہ بھائی چلا گیا۔

"کیا کہہ رہا تھا۔" حالات نے پوچھا۔

"آؤ۔ تم بھی دیکھو۔" میں نے کہا اور حالات کو لیتے ہوئے اس کمرے میں آ گیا جہاں روئی والے نے ہمارا بہت گرم جوشی سے استقبال کیا تھا۔ روشیلا نے ٹیبل الیکٹرک کو دیکھا اور پھر اس کے بٹن گھمانے شروع کر دیئے۔ روئی والا کمرے میں سے نکل کر برآمدے کی طرف چلا گیا۔ میں بھی حالات کو لیے ہوئے برآمدے کی طرف چلا گیا۔ روشیلا بدستور بٹن گھما رہی تھی۔ روئی والا عبداللہ بھائی کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ سب کے سب ہمیں دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"بجلی ہی نہیں آ رہی۔" روئی والے نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔" میں نے کہا اور پھر روشیلا کی طرف دیکھا۔ وہ بٹن گھما رہی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"کیا ہوا؟" روشیلا نے پوچھا۔

"بجلی نہیں آ رہی۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔" روشیلا نے کہا۔

"آؤ۔ تم بھی دیکھو۔" میں نے کہا اور حالات کو لیے ہوئے کمرے میں آ گیا۔ روشیلا بھی ہمارے پیچھے پیچھے آ گئی۔ میں نے پنکھے کو دیکھا۔ وہ بند تھا۔ میں نے سوئچ بورڈ کو دیکھا۔ وہ بھی بند تھا۔ میں نے سوئچ بورڈ کھولا۔ اندر کے تار ہل رہے تھے۔ میں نے تاروں کو ٹھیک کیا اور سوئچ بورڈ بند کر دیا۔ پنکھا چل پڑا۔ روشیلا نے تالی بجائی۔ روئی والا بھی مسکرا دیا۔

"یہ تھا مسئلہ۔" حالات نے کہا۔

"ہاں۔ یہ تھا مسئلہ۔" میں نے کہا۔

"مگر یہ مسئلہ تھا کیا؟" حالات نے پوچھا۔

"بجلی کا نہ آنا۔" میں نے کہا۔

"بجلی کا نہ آنا۔" حالات نے دہرایا۔

"ہاں۔ بجلی کا نہ آنا۔" میں نے کہا۔

"بجلی کا نہ آنا۔" حالات نے پھر

انتظار کے لمحات ختم ہونے

اقابلا

دو حصوں میں مکمل

تاریک براعظم کے پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حیرت انگیز داستان جہاں کالے جادو اور سفلی کے مقابلے برملا ہوتے تھے۔ ان تاریک اور گمنام جزیروں کی کہانی جہاں نوخیز حسیناؤں کی بھینٹ پیش کی جاتی تھی۔ ایک سیاح کی زندگی کے لرزہ خیز واقعات جسے سمندر کی سرکش موجوں نے اٹھا کر اقابلا کے دیس میں اس کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔ ایک بار پھر جلوہ گر ہونے کو بے قرار ہے۔

قیمت فی حصہ رف: -/45 قیمت فی حصہ مجلد: -/60

غلام روحیں مکمل

میاں شاہد علی کی داستانِ حیات۔ ایک مجبور اور بے بس شخص کی الم انگیز کہانی زندگی کے نشیب و فراز۔ گناہ و ثواب، اندھیروں اور اجالوں، وقت اور حالات کے بھنور میں جنم لینے والی ایک بصیرت افروز کہانی۔ تہلکہ مچانے ایک بار پھر آ رہی ہے۔

قیمت رف: -/35 قیمت مجلد: -/50

طالوت

۳ حصوں میں مکمل

ایم اے راحت کا ایک تہلکہ خیز ناول جسے قارئین آج تک نہیں بھولے، پراسرار، طنز و مزاح اور جاسوسی کہانیوں کے پرستاروں کیلئے ایسی دلچسپ داستان آپ نے آج تک نہ پڑھی ہو گی۔ ایک بار پھر آپ کے ہاتھوں میں آنے کیلئے بے قرار ہے۔

قیمت فی حصہ رف: -/40 قیمت فی حصہ مجلد: -/50

انکا

۲ حصوں میں مکمل

ایک زہرہ جمال فتنہ خصال کے ماورائی کمالات کا قصہ۔ اپنے وقت کی مقبول ترین کہانی "جمیل احمد خان" کی سرگزشت۔ وہ ۶ انچ کی گڑیا جو بڑے شہ زوروں سے زیادہ طاقت کی مالک تھی۔ ایک ایسی ناقابل فراموش داستان جس میں حسن کی رعنائیاں بھی ہیں۔ ازل سے جاری خیر و شر کشمکش میں ایک حیرت انگیز معرکہ آرائی۔ ایک بار پھر بہت جلد جلوہ گر ہو رہی ہے۔

قیمت فی حصہ رف: -/40 قیمت فی حصہ مجلد: -/50

: کتاب والا 2794، گلی جھوت والی، پہاڑی بھوجلہ، دہلی۔006

"خود ہی۔"

"شاید وہ بھوت شاہ تہ کو تمہیں لے جانے کیلئے بھیجے گا۔ کیسے لیکن ہاں لے جائے گی۔ یہ بتاؤ یہ ہے ایسا کیا؟"

"وہ کھا جائے گا۔" میں نے رقت بھرا جواب دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ توجیز مجھے پسند آئی تھی۔

"تو میں جاؤں۔" طالوت نے پوچھا۔

"خدا حافظ۔"

"شکریہ۔" طالوت چلتے ہوئے بولا اور پھر باہر نکل گیا۔ دیسے مجھے یقین تھا اب وہ آسانی سے کہیں جان نہیں چھوڑے گا۔ اسے اس دنیا کو بھی کافی تجربہ ہو چکا ہے اور یہ طالوت اس طالوت سے مختلف ہے جو پہلے ہر چیز پر فتح حاصل کر جاتا تھا۔ ویسے میں نے طالوت کے مشورے پر عمل کرنے کا بندوبست بھی کر لیا تھا۔ شاہدانہ کا دوست شاہ اژدھا کر میں بھی طالوت کی طرح پراسرار انداز میں گھومتا پھرتا تھا۔

ہر حال طالوت کے جانے کے بعد تھوڑا اور وقت آرام سے اپنے خیمے میں بیٹھا رہا۔ پھر جب میں نے سوچا کہ

محی الدین نواب

کا عظیم شاہکار **دیوتا**

عصر حاضر کی الف لیلہ۔ اردو زبان کی طویل ترین کہانی

ایک ایسے انسان کی داستان، جو سوچ کی انگلیوں سے دوسروں کے دماغ ٹٹولتا اور لوگوں کو اپنی سوچ کے اشاروں پر نچاتا ہے۔

ٹیلی پیتھی کے ماہر فرہاد علی تیمور کی داستانِ حیات

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ، جو پچھلی چار دہائیوں سے مسلسل شائع ہو رہا ہے اور آج بھی مقبولیت میں پہلے نمبر پر ہے۔

44واں حصہ تیار ہے

45ویں حصے سے دیوتا سات رنگ سرورق کے ساتھ آرہا ہے۔ کاغذ کی گرانی دن بدن بڑھنے کی وجہ سے دیوتا کے 45ویں حصے سے قیمت میں بھی معمولی اضافہ کیا جارہا ہے۔

"**دیوتا**" نے اپنی طوالت کی بناء پر دنیا کی طویل ترین کہانیوں کے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ ڈائجسٹ میں اب تک اس کے ۱۳,۰۰۰ صفحات شائع ہو چکے ہیں، جو عام کتاب کے تقریباً ۵۰,۰۰۰ صفحات ہوتے ہیں۔

قیمت رف فی حصہ :=/40روپے قیمت مجلد فی حصہ :=/60روپے

(آپ کا من پسند دیوتا اب جلد ہی ہندی میں بھی پیش کیا جارہا ہے۔)

فون (آفس):3281499 اپنے آرڈر جلد سے جلد روانہ کرے۔ فون (رہائش):3249

کتاب والا ۲۷۹۴۔ گلی جھوت والی پہاڑی بھوجلہ، دہلی۔۶